

رجسٹرڈ نمبر ۴۶۶

”مومن نمبر“



ہندوستان و پاکستان

قیمت دو روپیہ

تصانیف نیاز فوری

ہندو مسلم نزاع کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے والی
انجیل انسانیت

من ویزواں

مولانا نیاز فوری کی ہم سالہ دو تصنیف و صحافت کا ایک
غیر فانی کا زمانہ جس میں اسلام کے صحیح مفہوم کو پیش کر کے تمام
نوع انسانی کو انسانیت کبریٰ و اخوت عامہ کے ایک رشتہ
سے وابستہ ہونے کی دعوت دی گئی ہے اور جس میں مذاہب
کی تخلیق، دینی عقائد، رسالت کے مفہوم اور صحائف مقدسہ
کی حقیقت پر تاریخی، علمی، اخلاقی اور نفسیاتی نقطہ نظر سے
نہایت بلند انشاء اور پر زور خطیبانہ انداز میں بحث کی گئی ہے
ضخامت ۶۲ صفحات، مجلد نو روپیہ علاوہ محصول

مذہبی استفسارات و جوابات

کا

مجموعہ

اس مجموعہ میں جن مسائل پر حضرت نیاز نے روشنی ڈالی ہے
ان کی مختصر فہرست یہ ہے:- اصحاب کہف، معجزہ و کرامت
انسان مجبور ہے یا مختار، مذہب و عقل، طوفان نوح، خضر
کی حقیقت، مسیح علم و تاریخ کی روشنی میں، یونس اور دہان ماہی
حسن یوسف کی داستان، قارون، سامری، علم غیب، دعا
توبہ، یقمان، عالم برزخ، یاجوج ماجوج، ہاروت ماروت،
حوض کوثر، امام مہدی، نور محمدی اور پل صراط، آتش نمرود وغیرہ
ضخامت ۶۲ صفحات کاغذ سفید دبیر قیمت علاوہ محصول پانچ روپیہ

نگارستان جمالستان

حضرت نیاز کے بہترین ادبی مقالات
اور افسانوں کا مجموعہ نگارستان نے
ادبی کا دور سراسر مجموعہ جس میں حسن بیا
ملک میں جو درجہ قبول حاصل کیا اس کا
اندازہ اس ہو سکتا ہے کہ اسکے متعدد مضامین
غیر زبان وینس منتقل کئے گئے۔ اس اڈیشن
میں متعدد افسانے اور ادبی مقالات
ایسے اضافہ کئے گئے ہیں جو پچھلے
ایڈیشنوں میں نہ تھے۔ اس لئے
ضخامت بھی زیادہ ہے۔
جو پہلے ایڈیشنوں میں نہ تھے۔

قیمت چار روپیہ علاوہ محصول
قیمت پانچ روپیہ آنے علاوہ محصول

حسن کی عیاریاں ترغیبات حسنی یا

اور دوسرے افسانے شہوانیات مجلد

حضرت نیاز کے افسانوں کا تیسرا مجموعہ
جس میں تاریخ اور انشاء لطیف کا
بہترین امتزاج آپ کو نظر آئے گا اور
ان افسانوں کے مطالعہ سے آپ پر
 واضح ہو گا کہ تاریخ کے بھولے اوراق
میں کتنی دلکش حقیقتیں پوشیدہ تھیں
حضرت نیاز کی انشاء نے اور
زیادہ دلکش بنا دیا ہے۔

قیمت دو روپیہ علاوہ محصول
قیمت چار روپیہ علاوہ محصول

نگار مومن نمبر

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد- ۱۳	فہرست مضامین	شمار- ۱
---------	--------------	---------

کلام مومن پر ایک طائرانہ نگاہ نیاز فتحپوری

مومن کی اردو شاعری سید امتیاز احمد بی۔ اے (سیک)

مومن کا تغزل مرزا جعفر علی خاں اثر بی۔ اے

موازنہ مومن و غالب عبدالباری آسی

انتخاب کلام مومن نیاز فتحپوری

کلام مومن پر ایک طائرانہ نگاہ

اگر میرے سامنے اردو کے تمام شعراء متقدمین و متاخرین کا کلام رکھ کر (بہ استثنائے میر) مجھ کو صرف ایک دیوان حاصل کرنے کی اجازت دی جائے، تو میں بلا تامل کہہ دوں گا کہ ”مجھے کلیات مومن دیدہ اور باقی سب اٹھا لیجاؤ“ ایک نئے نئے دل میں قدرتا اسکے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ میں ایسا کیوں کہوں گا اور اس ترجیح کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟ اس مقالہ میں اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے جس سے زیادہ تر مقصود مومن کی شاعرانہ قیمت کا اندازہ کرنا ہے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ دنیا میں حقیقتیں نہیں بدل سکتیں، تو پھر ذوق انسانی کے اختلافات سوائے تعبیرات کے کسی اور چیز سے متعلق ہو ہی نہیں سکتے شاعری حقیقت نہیں ہے، بلکہ حقیقتوں کا اظہار ہے، صداقت نہیں ہے بلکہ صداقتوں کی تعبیر ہے، خود کوئی کیفیت نہیں ہے بلکہ کیفیت کا ایک بیان ہے اور تعبیر و بیان کا اختلاف فطرت انسانی ہے۔

انسان کی قوت شعور بہ حیثیت ایک فطری قوت ہونے کے سب میں مشترک ہے لیکن بہ لحاظ کیفیات احساس و نقوش تاثر وہ ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتی ہے۔ انسان کا دماغ اپنی ساخت کے لحاظ سے مختلف زوایا رکھتا ہے اور انھیں زوایا کے لحاظ سے اس کے خطوط نظر میں انحراف پیدا ہوتا ہے اور یہی وہ نظام فطرت ہے جس نے امیال و عواطف، کیفیات و جذبات، خواہشات و داعیات میں تمایز پیدا کر کے ایک ہی جنس کے مختلف افراد میں خطوط تفریق و امتیاز کھینچ دیئے اور کسی کو مومن بنا دیا، کسی کو غالب، کسی کو قہر کر دیا اور کسی کو سودا۔ سورج وہی ایک چیز ہے اور اس کا طلوع و غروب وہی ایک منظر، لیکن ایک دل میں وہ مسرت و نشاط ہے اور دوسرے دل میں ہیبت و جبروت، وہ اس کو دیکھ کر گنگنا نے لگتا ہے اور یہ معبود سمجھ کر سجدے میں گر پڑتا ہے، پھر نہ ہر شاعر گہرے اور نہ ہر گہر شاعر، حالانکہ اسکی شاعری اور اس کی پرستش دونوں کا سرچشمہ وہی ایک آفتاب ہے۔ موسم برشکال کا وہی ایک پیہا ہے جو کسی دل شاد کام کے لئے شیریں پیام سرخوشی ہے اور کسی جگہ طعن جدائی پر کوئی بروگن یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ ”ڈارونگی پنکھ مر ڈر“ اسی خیال کو اور زیادہ وسیع کیجئے اور داد دیجئے اس کی جس نے ان تمام طوفان کو سمیٹ کر صرف اس ایک فقرہ میں پھر دیا کہ:

”حسنگ واحد و عبا راتنا شتی“

پھر جن اصول کے تحت جذبات و کیفیات میں اختلاف پیدا ہوتا ہے، انھیں اصول کے زیر اثر ان کے سمجھنے میں بھی اختلاف ہوتا ضروری ہے اور اسی بنا پر نہ میں اپنی پسندیدگی پر آپ کو مجبور کر سکتا ہوں اور نہ آپ مجھ سے اپنی عدم پسندیدگی کو مجبور تسلیم کر سکتے ہیں اور سب سے پہلے یہی دشواری ایک نقاد کے سامنے آتی ہے جو لمبا اوقات اسے سیدھے راستے سے ہٹا دیتی ہے لیکن جن لوگوں نے ان دشواریوں کو محسوس کر کے اصول تنقید منضبط کئے ہیں وہ بہت محفوظ ہیں اگر ان پر عمل کیا جائے اور حقیقت یہ ہے کہ ان پر عمل کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ کسی خیال پر تنقید کرنے کے لئے سب سے پہلے اصول فطرت پر نظر ڈالنا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ خیال کس حد تک درمیانی منازل طے کرتا ہوا فطرت کے ساتھ ساتھ چلا ہے اور اگر کوئی شخص اس طرح فیصلہ کرنے پر قادر ہو تو پھر دوسرا اصول یہ ہے کہ اس کو صرف اپنی ہی رائے پر اعتماد کرنا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہی صحیح ہے اور اس کے علاوہ

جو کچھ ہے وہ صحیح ہے۔ چنانچہ اسی اصول کے مطابق میں مومن کے کلام پر ایک سرسری نظر ڈالوں گا، (سرسری، اس لئے کہ غایت تنقید کا ایک بسیط مضمون آپ کو اسی اشاعت میں کسی اور جگہ نظر آئے گا) تمہید میں اس قدر عرض کرنا ضروری اسی لئے خیال کیا کہ بعد کو یہ سوال نہ پیدا ہو کہ مومن کے متعلق اظہار خیال کن اصول پر کیا گیا ہے۔ ہر چند یہ بالکل صحیح ہے کہ شاعر پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی غلط نہیں کہ اس کی اس وہی قوت کا نشوونما ماحول سے بڑی حد تک متاثر ہوتا ہے اگر ابن المعتز شاہی خاندان سے نہ ہوتا تو بقول ابن رومی یہ شعر بھی نہ کہہ سکتا۔

فانظر الیہ کز ورق من فضتہ قد اثقلتہ حمولۃ من عنبر
ہلال کو دیکھ کر ”عنبر کے بار سے دبی ہوئی چاندی کی کشتی“ کی طرف خیال منتقل ہونا اسی وقت ممکن ہے جب کسی نے ان چیزوں کو دیکھا ہو جاہلیت عرب کے شعراء کا فطرت پرست ہونا اسی بنا پر تھا کہ سوائے مناظر قدرت کے کوئی اور چیز اس کے سامنے نہ تھی۔ لیکن کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک شاعر اپنے ذوق فطری کے خلاف کسی ماحول میں پہنچ جاتا ہے، اور ایسی صورت میں اس پر گرد و پیش کی چیزوں کا بہت کم یا بالکل کوئی اثر نہیں ہوتا۔

مومن کا ماحول بھی وہی تھا جو غالب و ذوق کا تھا۔ سلطنت مغلیہ کا آخری چراغ، ستارہ سحری کی طرح جھلملا رہا تھا اور شعراء عصر اسی کو غنیمت مان کر حریصانہ انداز کے ساتھ اس سے مستفید ہونے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے اس میں شک نہیں کہ انحطاط و زوال کے عالم سو گوارانہ مناظر کا اقتضا یہی تھا کہ اس وقت کی شاعری بالکل متشائم (ہوتی لیکن ہمیں اس تلخ حقیقت کا اظہار کرتا پڑے گا کہ سوائے بہادر شاہ ظفر کے جو براہ راست انقلاب کا شکار تھے اور جو پوری طرح زوال حکومت کا درد اپنے دل میں لئے ہوئے تھے کوئی ایک شاعر بھی اس وقت ایسا نہ تھا جو تاریخ اسلام ہند کے اس حد درجہ دردناک منظر سے متاثر ہوا ہو۔ ذوق کو ظفر کے استاد ہونے کا فخر حاصل تھا، اور وہ بالکل غلام ضمیر ظفر کو ”شہنشاہ عالم و عالمیان“ کہہ کر اس مجلس و بیدست و پادشاہ کو ٹوٹنا چاہتا تھا، غالب یہی حسرت اپنے ساتھ لے گئے کہ وہ کیوں نہ ذوق کی جگہ ہوئے اور ہر چند انھوں نے اپنی فحاش کو چھپانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ غالب کا یہ کہنا کہ:-

استادشہ سے ہو مجھے پرفحاش کا خیال یہ تاپ یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
ایک ایسی تعریف اپنے اندر پنہاں رکھتا ہے کہ اس سے زیادہ اظہار رشک کی شدید مثال مشکل سے کوئی اور مل سکتی ہے۔ میرے ایک فاضل دوست کا خیال تھا کہ غالب کی یہ غزل جس کا ایک بہت مشہور شعر یہ ہے:-

وہ بادۂ شبنم کی سرمستیاں کہاں اٹھئے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی
زوال سلطنت مغلیہ کا مرنیہ ہے، لیکن یہ تاویل بالکل ایسی ہی ہے جیسے شراب کو آب کوثر قرار دینا۔ الغرض اس وقت کے شعراء سب اس احساس سے بالکل بیگانہ تھے، ورنہ ”حماسیات“ کا ایسا بے نظیر دفتر مرتب ہو جاتا کہ یا تو آج اقبال کے پیدا ہونے کی ضرورت نہ ہوتی یا ہوتی تو موجودہ سطح سے بہت زیادہ بلند و ارفع۔ مومن بھی اس محسوسے مستثنیٰ نہیں سمجھے جاسکتے، لیکن اسی کے ساتھ ان پر اس قدر بے غیرتی کا بھی الزام عاید نہیں ہو سکتا، کیونکہ انھوں نے نہ کبھی بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ لکھا اور نہ کسی امیر کو سراہا جس کی ایک وجہ تو اعلیٰ خیور و خود دار فطرت تھی اور دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ سمجھتے تھے ایسے وقت میں بادشاہ کی تعریف کرنا حقیقتاً زخم پر نمک چھڑکنا ہے، بلکہ زیادہ گہری نظر سے ان کے کلام کو دیکھا جائے گا، تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس وقت کی سیاسیات سے نا بلند تھے اور قومی خود داری کا جذبہ ان میں اس قدر موجود تھا کہ جہاد پر انھوں نے ایک مثنوی ہی سپرد قلم کر دی اور دیوان میں بھی بعض اشعار ایسے پائے جاتے ہیں جن کا روئے سخن فرنگیوں کی طرف ہے۔ بہر حال پہلی چیز جو مومن کو اپنے عہد کے دوسرے شعراء سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ ان کے کلام سے کسی جگہ غمے گدایانہ کا اظہار نہیں ہوتا۔

غالب کا رشک کہئے یا خود داری اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ”اپنے کافر کو خدا کو بھی نہ سوچ سکے“ لیکن صاحب کے کف دست پر چکنی ڈلی دیکھ کر خوشامد و تعلق پر مجبور ہو ہی گئے اور اسی کے ساتھ جب تنخواہ ملنے میں دیر ہوئی تو اپنے فاتوں تک کا بھی ذکر کرنے سے احتراز نہ کیا ذوق کا تو خبر ذکر ہی کیا کہ وہ اس باب میں غالب سے بھی فروتر تھے۔

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ خلاف فطرت ماحول کا اثر بہت کم یا بالکل نہیں ہوتا، وہ مومن پر منطبق ہوتا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے شاہانہ دربار تک رسائی اور بیجا مدح سرائی کو اچھا نہیں سمجھا، لیکن ماحول کا جس قدر حصہ ان کے احساس صحیح کو متاثر کر سکتا ہے اس سے متاثر ہوئے اور ان کو اظہار بھی انھوں نے کیا، لیکن اُسی کے ساتھ یہ امر ضرور تعجب انگیز ہے کہ ایک شخص مثنوی جہاد تو لکھ سکتا ہو لیکن کوئی شہر آشوب نہ لکھے، حالانکہ معاملات حسن و عشق میں وہ بڑے بڑے ماکم خیز اشعار لکھنے کا اہل ہو۔

دوسری خصوصیت جو مومن کو اپنے دیگر ہم عصر شعراء سے ممتاز کرتی ہے، یہ ہے کہ رنگ تغزل میں ان کا کلام اس غیر تغزلانہ چیز سے بالکل پاک ہے جس کو تصوف یا عشق حقیقی سے موسوم کیا جاتا ہے، وہ خود بھی کہتے ہیں کہ:-

مومن بہشت و عشق حقیقی تمھیں نصیب ہم کو تو رنج ہو جو غم جاوداں نہ ہو

نظاہر بات بہت ہلکی نظر آتی ہے کہ ایک شخص کا کلام تصوف کی چاشنی سے خالی نظر آئے، لیکن اگر ایک نقاد غزل کو غزل ہی کے نقطہ نظر سے دیکھے گا تو وہ یوں بھی تصوف کے کلام کو خارج کر دے گا، کیونکہ غزل کے اندر ایسی باتوں کا اظہار جو تغزل سے علیحدہ ہوں میرے نزدیک کوئی محمود بات نہیں ہے۔

تصوف کے حدود وہاں سے شروع ہوتے ہیں جہاں عقل کی پرواز ختم ہوتی ہے اور وہ فضا جو ماوراء سرحد عقل و شعور ہے اس کے وسعت کی کوئی انتہا نہیں، یہاں تک کہ مجاہدین و مجاذیب کی بے معنی باتیں بھی وہاں کوئی نہ کوئی مفہوم اختیار کر لیتی ہیں، اس لئے میرے نزدیک تغزل میں تصوف کو شامل کر لینا، ایک غزل گو شاعر کا کمال نہیں بلکہ اس کا عجز ہے۔ مومن نے اسی دنیا کا عشق کیا، اور اس میں قبیلے تجربات تلخ و شیریں ہو سکتے ہیں وہ سب انھوں نے چال کئے، وہی حیر و وصال کی مادی کیفیات، وہی شکوہ و شکایات وہی رقیب کا کھٹکا، وہی التجائیں، وہی تدبیریں الغرض تمام وہ جذبات جو علاصر محبت سے تعلق رکھتے ہیں سب مومن کے ہاں پائے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اگر ہم مومن کے معشوق کا کیر کرائے کلام سے متعین کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ بازاری صنیع سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، لیکن بائیمہ مومن کا کمال شاعری دیکھئے کہ اگر ایک طرف وہ پستی سے اس قدر قریب ہے کہ ادنیٰ سی لغزش بھی اسے گر کر جرأت و انشاء کی صف میں ملا سکتی ہے، تو دوسری طرف بلندی کا یہ عالم ہے کہ غالب کی انتہائی پرواز بھی اس کی فضا تک نہیں پہنچتی (لیکن یہ سب انھیں حدود کے اندر جن کو حدود تغزل کہا جاتا ہے)

دنیا میں کسی کتاب کے متعلق یہ گفتگو کرنا کہ وہ اخلاق پر اچھا اثر ڈالتی ہے یا بُرا، لایینی سی بات ہے۔ اگر کوئی تنقید ہو سکتی ہے تو صرف یہ کہ وہ اچھی لکھی گئی ہے یا بُری اس لئے جرأت و انشاء کے متعلق یہ گفتگو کرنا کہ ان کی شاعری اخلاق کو خراب کرنے والی ہے، میرے نزدیک درست نہیں، لیکن حقیقتاً فن کے لحاظ سے بھی ان کا کلام محل نظر ہے اور سخافت سے بھی احتراز نہیں کیا گیا، برخلاف مومن کے کہ انھوں نے نہایت عریاں طور پر معاملات حسن و عشق کا اظہار کیا، لیکن اسی کے ساتھ نہ کسی جگہ فن مجروح ہوا اور نہ دنائیت پیدا ہوئی ان کے ہاں دلیل سے دلیل جذبہ بھی نہایت بلند طریق پر ظاہر کیا گیا ہے۔ مومن کا محبوب بھی جرأت و انشاء کی طرح بازاری ہی ہے۔

لیکن فرق یہ ہے کہ جرأت و انشاء کا عشق بھی بازاری ہے، اور مومن بہت بلندی سے دیکھتے ہیں اور اسی بلند فضا تک محبوب کو بھی لیجا نا چاہتے ہیں۔ جرأت و انشاء اگر اپنی تمنائیں کامیاب نہیں ہوتے تو وہ ترک محبت کے لئے بھی آمادہ ہو جاتے ہیں، لیکن مومن کی پاکیزہ ذوق کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنی امید کو بھی اس عالم آب و گل سے جدا قرار دیکر ایک غیر فانی چیز بنا دیتا ہے یہاں تک کہ اس کی محبت کی فضا محبوب و جلوہ محبوب سے بھی بے نیاز ہو جاتی ہے، چنانچہ کہتا ہے:-

مجھ میں وہ دم ہے ابھی جو ترے خبر میں نہیں

قطع امید سے سر کاٹنے کو کیا نسبت

میں نہیں سمجھتا کہ تمنا کو اس سے زیادہ رفیع و جلیل بنایا جاسکتا ہے۔

مومن کا عشق باوجود ادا ہونے کے اس درجہ بلند فدا کی رکھتا ہے کہ وہ اپنی ہر ناکامی کا شکار خود ہی بننا پسند کرتے ہیں اور محبوب سے کوئی مطالبہ ایسا نہیں کرتے جو شائق عاشقی و محبوبی کے خلاف ہو۔ زمانہ ہجراں میں عاشقوں یا شاعروں کا داویلا خاص چیز ہے، لیکن مومن کا ذوق اس باب میں یہ ہے :-

تازہ پڑے حلال کہیں آپ کے خراب نام میں ہم نہیں چاہتے کئی اپنی شب دراز میں

پھر وہ کسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات وہ اس سے بھی زیادہ قربامت ہو جاتے ہیں اور اپنی تمام تکالیف کو اس قدر صبر و ضبط کے ساتھ برداشت کرنا چاہتے ہیں کہ اس کا بیان بھی تیر و پیکاں سے کم نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو یہ شعر :-

جانے دے چارہ گر شب ہجراں میں مت بلا وہ کیوں شریک ہو مرے حال تباہ میں

میرے خیال میں مومن ہی ایک ایسا شاعر ہے جو نفسیاتی رموز کو سمجھ کر شاعری کرتا ہے اور ایسی معنوی نزاکتیں پیدا کرتا ہے کہ غور سے تجربہ کرنے کے بعد ان کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً اس کا ایک شعر ہے :-

دو رات فکر جو میں یوں رہے اٹھانا کب تک میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو

بظاہر کس قدر سادہ شعر ہے ”محبوب سے کہہ رہا ہے کہ مجھ کو ستانے کی فکر میں رات دن الجھ رہنا بیکار پریشان ہوتا ہے، کچھ دیر کے لئے اس خیال کو ترک کر کے سکون حاصل کرو“ اس حد تک تو ہر شاعر کہہ سکتا تھا، لیکن یہ ٹکڑا کہ ”میں بھی ذرا آرام لوں“ صرف مومن ہی کے دماغ میں آسکتا تھا۔ اس فقرہ سے مومن نے اپنی نفسیات وافی کو بدرجہ کمال ظاہر کیا ہے قابل غور امر ہے کہ مومن نے یہ کیوں کہا ”میں بھی ذرا آرام لوں“ ایک کھلی ہوئی وجہ تو یہ ہے کہ اس طرح وہ محبوب پر ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ ”اب بھی مجھے کافی ایذا پہنچ چکی ہے اور اس لئے مزید فکر جوڑ بیکار ہے“ لیکن اس سے زیادہ گہری بات ایک اور ہے۔ فطرت انسانی ہے کہ جب کسی کے فائدہ کی بات بنائی جاتی ہے تو وہ غمگین ہوتا ہے کیوں ایسا مشورہ دیا گیا اور اس کو کیا غرض تھی کہ وہ میرے فائدہ کی بات بتاتا۔ اس لئے گمان بد کی ہمت پر وہ مشورہ قبول نہیں کیا جاتا، لیکن اگر ساتھ ہی ساتھ مشورہ دینے والا یہ بھی لکھ دے کہ اس میں غلطی اس فائدہ میرا بھی ہے تو پھر فوراً تامل کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اس کو بالکل موافق نظر سمجھ کر مان لیا جاتا ہے۔ مومن کا یہ کہنا کہ ”میں بھی ذرا آرام لوں“ بالکل اسی قبیل سے ہے۔

مومن نے رقیب کا ذکر کثرت سے کیا ہے اور موجودہ زمانہ میں اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سے محبوب کی سیرت پر اچھی روشنی نہیں پڑتی لیکن اول تو مومن کے عہد میں اس قسم کے مضامین معیوب نہیں سمجھے جاتے تھے اور اگر ہوتے بھی تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اگر اس قسم کے مضامین کوئی شخص مومن کی طرح لکھ سکے تو کیونکر نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ جرات و انصاف کے ہاں رقیب و دشمن کے متعلق جس قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ یقیناً دائرہ تہذیب سے خارج ہے، لیکن مومن تو ان کا بھی ذکر صرف اپنا ہی دل خوں کرنے کی حد تک کرتا ہے اور کسی جگہ حدود عاشقی سے متجاوز نہیں ہوتا۔ مثلاً :-

ذکر اشک غیر میں رنگینیاں بوئے خوں آئی تری گفتار سے

ہے نگاہ لطف دشمن پر تو بندہ جائے ہے یہ تم اے بھروت کس سے دیکھا جائے ہے

عرفی کا نہایت معرکہ الٹا شعر ہے :-

ہم وہ غیری و می گوئی بیا عرفی تو ہم لطف فرمودی برو کایں پائے راز قمار نیست

اس میں شک نہیں کہ اسلوب بیان اور ندرت ادا کے لحاظ سے نہایت عجیب و غریب شعر ہے اور مشکل سے اس مضمون میں کسی ترقی کی گنجائش ممکن ہو سکتی ہے، خاص کر یہ ٹکڑا ”کایں پائے راز قمار نیست“ عجیب لطف دے رہا ہے، لیکن جب مومن اسی مضمون کو پیش کرتے ہیں تو عرفی کے شعر کا یہی ٹکڑا بالکل بے معنی نظر آنے لگتا ہے۔ مومن کا ارتقا ملاحظہ ہو :-

غیر کے ہمراہ وہ آتا ہے، میں حیران ہوں، کس کے استقبال کو جی تن سے میرا جائے ہے
وہاں محبوب کو غیر کے ہمراہ دیکھ کر عرفی کے قدم نہیں اٹھتے اور جھنجلا کر کہہ دیتا ہے کہ تشریف لیجائیے میں ساتھ نہیں دے سکتا، یہاں مومن کی
جان ہی اس منظر کو دیکھ کر نکلی جا رہی ہے جس کو وہ استقبال سے تعبیر کرتا ہے، لیکن استقبال کس کا؟ یہ خود اسکی سمجھ میں نہیں آتا۔
مومن، عدو کی کامیابی سے آگاہ ہو چکے ہیں، لیکن باوجود اس کے احترام محبت ملاحظہ کیجئے،

جان نہ کھا وصل عدو پہ ہی سہی پر کیا کروں جب گلہ کرتا ہوں بہم وہ قسم کھا جائے ہے
ان کے دیوان میں کثرت سے ایسے شعر ملیں گے جن میں عدو کی کامیابی اور اپنی حرام نصیبی کا ذکر کیا گیا ہے لیکن ہر جگہ ایک نئی کیفیت کے
ساتھ اور عشق کی پوری نیاز آگینیوں کو لئے ہوئے یہاں تک کہ ایک جگہ وہ یہ بھی کہہ گزرتا ہے :-

شب وصل غیر بھی کافی تو مجھے آزمائے گا کب تک
میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے زیادہ پُر درد طریقہ فرادانی جذبات کے اظہار کا اور کیا ہو سکتا ہے۔ محبوب کی ستم رانیوں سے بیزار ہو کر ترک
الفت کا خیال کبھی ان کے دل میں آتا ہی نہیں اور اگر آتا بھی ہے تو اس طرح کہ اظہار میں صد ہزار توشیح الفت پنہاں رہتی ہے لکھتے ہیں:
ہم بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی
دنیا کے شاعر ہی مشکل سے ایسے ایسا زسدید، بیان جزیل اور عبارت اہل حق کی مثال پیش کر سکتی ہے۔

مومن اسلوب ادا اور قدرت بیان کا بادشاہ ہے وہ معمولی سی معمولی بات کا اظہار کرتا ہے تو بھی اس لطف کے ساتھ کہ اس میں
ہدیت پیدا ہو جاتی ہے اور ذہن سامع پہ اختیار اس سے لطف اٹھاتا ہے، پھر وہ اسی سلسلہ میں جب انہونی کو ہونی اور ہونی کو
انہونی ثابت کر جاتا ہے تو عجیب سماں پیدا ہو جاتا ہے۔

شب فراق کی انتہائی تکلیف سے مرجانا یا مرنے کی آرزو کرنا بالکل قدرتی خواہش ہے اور اگر کوئی شاعر اس کے خلاف جائے گا تو یقیناً
فطری اور عاقل کے خلاف کرے گا، لیکن ملاحظہ ہو مومن کس حسن کے ساتھ اس کی توجیہ کرتا ہے۔

شب فراق میں بھی زندگی پہ مڑا ہوں کہ گو خوشی نہیں ملنے کی پر ملال تو ہے
مومن کی ایک اور خصوصیت جو بہت کم کسی اور کے ہاں پائی جاتی ہے، یہ ہے کہ کہیں کہیں وہ ایسے مخفی لیکن نہایت پُر کیف مفہوم
کے نشانات چھوڑ جاتا ہے کہ ہر شخص کی نگاہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی پھر کہیں یہ خصوصیت وہ ترکیب الفاظ سے پیدا کرتا ہے۔ مثلاً :-

کثرت سجدہ سے وہ نقش قدم کہیں پا مال سر نہ ہو جائے
دعا بلا تھی شہد غم سکون جاں کے لئے سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہاں کے لئے
پا مال اک نظر میں قرار و ثبات ہے اس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے
تھا محو رنج یار میں کیا آئینہ دیکھوں معلوم ہے یارو مجھے جو رنگ مرا ہے
اور کہیں بالکل سادگی ہے مثلاً :-

وہ آئے ہیں پیشیاں لاش پر اب تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے
پہلے مصرعہ میں لفظ پیشیاں سے یہ بات ظاہر کی گئی ہے کہ کہنے والا مر چکا ہے، لفظ اب سے نتیجہ کا بے معنی ہونا ظاہر کیا ہے اور دوسرے
مصرعہ سے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ وقت ایسا تھا کہ میں پھر زندہ ہوتا اور تیری پریشانی سے فائدہ اٹھاتا، کیونکہ اس کے بعد ممکن ہے
تو میری محبت کی قدر کرتا لیکن اس میں ایک اور لطیف مفہوم مومن نے پوشیدہ رکھا ہے، کہتا ہے: ”تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے“ کیوں
زندگی کی خواہش کی جاتی ہے، اس لئے کہ میری لاش پر وہ پیشیاں آیا ہے اور یہ منظر ایسا ہے کہ مجھ کو اس پر اپنی جان فدا کر دینی چاہئے
مومن زندگی اس لئے نہیں چاہتا کہ وہ اُس سے زندگی کا لطف اٹھائے بلکہ محض اس لئے کہ محبوب کی اس ادائے انفعال پر اسکو نثار کرنے

مومن کا ایک مخصوص انداز بیان جہ غائب کے ہاں کمتر اور دوسرے شعراء کے ہاں بالکل نہیں پایا جاتا، کسی واقعہ کے بیان میں درمیانی کڑیوں کو چھوڑ جاتا ہے۔ وہ تمام حالات یا واقعات کو سلسلہ کے ساتھ نہیں بیان کرتا بلکہ کوئی کوئی بات لیکر انھیں منسلک کر دیتے ہیں اور درمیانی کڑیوں کو ملانے کی خدمت ذہن سامع کے سپرد کر دیتے ہیں پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سننے والا نہایت آسانی کے ساتھ اس خلا کو پر کر کے مفہوم تک پہنچ جاتا ہے، جیسے :-

جیب درست لائق لطف و کرم نہیں ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں
مدعا یہ ہے کہ ناصح کہتا ہے اپنی جیب و گریباں کی حالت درست کر لوں لیکن اس کی دوستی بھی عداوت ہے کیونکہ اگر اس کے کھنہ پر عمل کر کے چاک جیب و داماں میں رفو کر لوں گا تو پھر محبوب کے لطف و کرم کا اہل کیونکر اپنے آپ کو ثابت کر سکوں گا اس شعر میں یہ ٹکڑا کہ "ناصر ایسا کہتا ہے" بالکل محذوف ہے۔ اسی زمین کا دوسرا شعر ہے :-

بے جرم پائمال عدو کو کیا کیا مجھ کو خیال بھی تری سر کی قسم نہیں
اس شعر میں اور زیادہ محذوفات ہیں اور ایک پوری داستان کی داستان بیان کی ہے۔ مومن محبوب کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، نیاز عشق کو پیش کر رہے ہیں، محبوب جس نے عدو کو بے جرم پامال کر دیا ہے، مومن کی طرف مایل تو ہے لیکن اس خیال سے کہ مومن کو عدو کی بے جرم پامالی کا حال معلوم ہو گیا ہے کچھ رک رک کر مل رہا ہے اس خیال سے کہ مومن اس واقعہ کے علم کے بعد ممکن ہے التفات کی قدر نہ کرے یا بدظن ہو جائے۔ مومن محبوب کی اس کیفیت کا اندازہ کر کے یہ خیال اس کے دل سے نکالتے ہیں۔ اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر میرے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا تو مجھے کوئی پر دانہ ہو گی تم التفات کرو خواہ اس کا نتیجہ وہی کیوں نہ ہو عدو کو بے جرم پامالی کی صورت میں برداشت کرنا پڑا۔

دکھاتے آئینہ ہو اور مجھ میں جان نہیں کہو گے پھر بھی کہ میں تجھ سے بدگمان نہیں
اس شعر کا سمجھنا اس علم پر موقوف ہے کہ جب کسی کو سکتہ ہو جاتا ہے یا کسی کو سکتہ ہو جاتا ہے یا کسی کی موت کے متعلق پورا یقین کرنا ہوتا ہے تو اس کے چہرہ کے قریب آئینہ لیجاتے ہیں کہ اگر ذرا بھی سانس ہو گی تو آئینہ پر نم پیدا ہو جائے گا اور اس طرح حال معلوم ہو جائے گا کہ واقعی مر گیا ہے یا نہیں کبھی خلا پورا کرنے کے لئے بہت زیادہ غور کامل اور فکر عمیق کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً :-

کیا رم نہ کر دو گے اگر اہرام نہ ہو گا الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہو گا
عدو اس ادب پر شاکی ہے شاید غصہ آجائے ملا دے خاک میں یہ تو بھی شکر آسماں کیجئے
کیا لگے ہوتے گراؤروں پر بھی رحم آجاتا شکر صد شکر کہ میرا سا ترا دل نہ ہوا
کس دن تھی اُس کے دل میں محبت جو اب نہیں سچ ہے کہ تو عدو سے خفا بے سبب ہوا
تھی کمین غارت بوس دہن ہنگام خواب شب کی بیداری سحر کا خواب رہزن ہو گیا
قلق کشتہ سخت جانی ہے پھر امید اجل آفریں ہو چکی

مومن کبھی کسی بات کو معمولی طریقہ پر ادا نہیں کرتے اور اپنے مدعا کو ایک خاص پر لطف پیچ سے ظاہر کرتے ہیں اور اس خصوصیت سے اُن کا سارا دیوان بھرا پڑا ہے۔ مثلاً انھیں یہ کہنا تھا کہ ناصح کی نصیحت بالکل بے اثر چیز ہے، اس کو اس طرح بیان کیا :-

بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں، کہ فغاں بے اثر نہ ہو جائے

مومن کا محبوب بھی انھیں کی طرح ہے کہ جب وہ مومن کو تڑپتے ہوئے دیکھ کر طعن کرنا چاہتا ہے تو غیر کے صبر و سکون کا ذکر کرتا ہے شعر ملاحظہ ہو:

صبح سے تعریف ہے صبر و سکون غیر سے کس نے شب مجھ کو تڑپتے پیش درد کہلا دیا

مومن کو یہ کہنا مقصود ہے کہ محبوب ان کا ذکر نا ہی نہیں چاہتا خواہ وہ بُرائی سے کیوں نہ ہو اُس کے اظہار کے لئے تلاش مضمون ملاحظہ ہو:-

ذکر کر بیٹھے بُرائی ہے سے شاید میرا اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے
ایک جگہ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ شبِ فرقت میں خود اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گا لیکن ملاحظہ ہو اس پامال مضمون کو کس رعنائی کے ساتھ بیان کیا ہے:-
دشنہ چھین لیگا کیا ہمنشین شبِ فرقت آپ جب نہیں اپنے کون میری جان اپنا
اسی زمین کا ایک شعر ہے جس میں یہ ظاہر کیا ہے کہ ہم نے اس کوچہ میں اتنا زمانہ صرف کر دیا کہ شہر کی حالت بالکل بدل گئی:-
بعد مدت اُس کو سے یوں پھرے تنگ آکر جائے جائے پھرتے ہیں پوچھتے مکان اپنا
مدعا یہ کہنا ہے کہ ہماری ہر تحریر وہ دشمن کو دکھلا دیتا ہے، اس کو اس طرح ظاہر کیا ہے:-
راز نہاں زبان اغیار تک نہ پہونچا کیا ایک بھی ہمارا خط یا رتک نہ پہونچا
یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ غیر کی پیشِ دل صحیح نہیں ہے بلکہ وہ صرف اس کی نمائش کرتا ہے اس کو یوں لکھتے ہیں:-
مانے نہ مانے منع پیشہ ہائے دل کروں میں غیر تو نہیں کہ تماشائے دل کروں
مومن اپنے محبوب سے صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اغیار سے سرگوشیاں نہ کیا کیجئے اس کو اس طرح ادا کرتے ہیں:-
غیر سے سرگوشیاں کر لیجئے پھر ہم بھی کچھ آرزو ہائے دل رشک آشنا کہنے کو میں
مدعا یہ کہنا ہے کہ تمھاری خود بینی جتنی بڑھتی جاتی ہے اس سے زیادہ میری رشتگی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اس کے لئے مومن نے جو قیامت خیز انداز بیان اختیار کیا ہے، ملاحظہ ہو:-

خود بخودی میں ہے فرق میں تم سے زیادہ کم نما ہوں
محبوب کی بے اتفاقی یا دشمنی عاشق کی موت ہوتی ہے، کہیں مومن اس کو اپنی زندگی کا سبب بتاتے ہیں، توجیہ ملاحظہ ہو:-
میں آرزو سے مرگ کی بے اتفاقیوں جینا مرا محال تو دشمن اگر نہ ہو
مومن کے ذہن ہی میں یہ بات نہیں آسکتی کہ سوائے کاشانہ محبوب کے کعبہ کوئی اور ہو سکتا ہے، انداز بیان ملاحظہ ہو:-
مومن سوئے شرق اس بت کا فر کا تو گھر ہے ہم سجدہ کدھر کرتے ہیں اور کعبہ کدھر ہے
گریباں کے چاک کی وسعت کو ظاہر کرنا تھا تو اس کے لئے یہ انداز بیان اختیار کیا:

دست جنوں کے جائے صدقے کہ چین سے پھیلائے پاؤں ہم نے گریباں کے چاک میں
الغرض مومن کا یہ انداز بیان ان کے کلیات میں ہر جگہ نظر آتا ہے اور کوئی غزل اس رنگ سے خالی نہیں ہے۔ مومن فارسی ترکیبیں استعمال کرنے میں بھی خاص ملکہ رکھتے تھے اور اس باب میں جو چیز انھیں غالب سے ممتاز کرتی ہے، وہ ترکیبوں کی نزاکت ہے نہ کہ انکا اخلاق۔
غالب کی فارسی ترکیبوں میں اشکالِ لفظی کے ساتھ وقت معنی پیدا ہوتی ہے برخلاف مومن کے کہ ان کے ہاں ترکیبوں کی لطافت کے ساتھ مفہوم وسیع ہو جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مومن وغالب دونوں نے فارسی ترکیبوں کے استعمال میں عرفی و بیدل کا تتبع کیا اور بہت سی ترکیبیں وہی یا اسی نوع کے اختیار کیں جو عرفی و بیدل کے یہاں پائی جاتی ہیں لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ اس باب میں مومن کو نہ صرف اولیت بلکہ فضیلت حاصل ہے اور غالب کے نقوش نقش ثانی کا حکم رکھتے ہیں گو ”بہتر ز اول“ نہ ہوں۔ ہر چند غالب کے اردو کلام کا بڑا حصہ محض انھیں ثقیل ترکیبوں کی وجہ سے حذت ہو چکا ہے، لیکن موجودہ نسخہ میں بھی جا بجا ان کی مثالیں نظر آتی ہیں۔ مومن کے ہاں یہ ترکیبیں ان کے کلام میں اس قدر حسن و لطافت کے ساتھ ملی ہوئی ہیں کہ نہ خود غالب کی طرح مومن کو ان کے حذت کرنے کی ضرورت پڑی اور نہ دُنیا نے ان کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ ہر چند غالب کے اس شعر سے کہ:-
طرز بیدل میں ریختہ لکھنا اسد اللہ خاں قیامت ہے

یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ غالب نے بیدل کو سامنے رکھ کر فارسی ترکیبیں استعمال کیں، لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ اس کی تحریک پیدا ہوئی مومن کے کلام کو دیکھ کر۔ پھر چونکہ غالب اپنی فطرت کی بنا پر یہ نہ چاہتے تھے کہ لوگ مومن کا متبع سمجھیں اس لئے انھوں نے اس میں بہت زیادہ

گہرا رنگ پیدا کرنا چاہا اور اس طرح کلام مومن سے امتیاز پیدا کرنے کی کوشش میں اول اول ان کے قلم سے اس قسم کے اشعار نکلے جو
 باوجود نقل ترکیب کے کوئی مذمت مفہوم نہ رکھتے تھے مثلاً:-

جراحت تحفہ الماس ارمغان داغ جگر پر یہ	مبارکباد اسد غنوار جان درو مند آیا
جنز قیس کوئی اور نہ آیا بروئے کار	صحرا مگر تنگی چشم حسود تھا
دھکی میں مر گیا جو نہ باب نہر د تھا	عشق نہر د پیشہ طلبکار مرد تھا
شمار سچہ مرغوب بت مشکل پسند آیا	تاشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا
بہ فیض بیدی نو میدی جاوید آساں ہے	کشائش کو ہمارا عقدہ مشکل پسند آیا
جوائے سیر گل آئینہ بے مہر و تاتل	کہ انداز بخوں غلطیدین بسمل پسند آیا
شب خمار شوق ساقی رستخیز اندر نہ تھا	نامحیط بادہ صورت خانہ خمیازہ تھا
یک قدم وحشت سے درس دفتر امکان کھلا	جادہ اجزائے دو عالم دشت کاشیرازہ تھا
مافح وحشت خرامیہائی لیٹے کون سے	خانہ مجنون صحر اگر دے دروازہ تھا

لیکن جب انھوں نے محسوس کیا کہ یہ انداز شاعری نہ محمود ہے نہ مقبول تو مجبوراً انھیں سپر مومن ہی کی سطح پر آنا پڑا اور اس میں
 شک نہیں کہ غالب اس میں بہت کامیاب ہوئے ذیل کے اشعار کو اگر آپ مومن کے اشعار میں ملا دیجئے تو امتیاز و ستوار ہو جائے گا:-

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا	نہ ہو مرزا تو چینے کا مزا کیا
نواز شہبائے بیجا دیکھتا ہوں	شکایتہائے رنگیں کا گلا کیا
نگاہ بے محابا چاہتا ہوں	تغافل ہائے تمکین آزما کیا
داغِ عطر پیرا ہن نہیں ہے	غم آوار گہبائے صبا کیا
قاتل وعدہ صبر آزما کیوں	یہ کافر فتنہ طاقت ربا کیا

مومن کے ہاں قسم اول کا اغلاق مفہوم یا نقل ترکیب تقریباً مفقود ہے، ان کے ہاں بالکل عرفی کی سہی سنگتگی پائی جاتی ہے اور
 کہیں کہیں وہ عرفی سے پورا استفادہ بھی کرتے ہیں۔ عرفی کے قصیدہ کا ایک شعر ہے:-

دران دیار بہ سودار و دلم کہ دہند	جوے طلال بہ عمر ابد بہ بسیاری
مومن لکھتے ہیں: اہل بازار محبت کا بھی کیا سودا ہے	عشرت عمر ابد قیمت غم دیتے ہیں

ذیل کی چند مثالوں سے مومن کی فارسی ترکیبوں کا صحیح رنگ معلوم ہو جائے گا:-

دیتے تکلیف شب بھر میں آہ اپنے پاس	نقد جان پیشکش مرگ کے قابل نہ ہوا
یہ عذیر امتحان جذبہ دل کیسا نکل آیا	میں الزام اُن کو دیتا تھا قصور اپنا لکل آیا
سرشک اعتراضِ عجز نے الماس ریزی کی	جگر صد بارہ ہے اندیشہ نگوں گشتہ طاقت کا
عنایت کر مجھے آشوب کا جگر غم ایک دل	
نہ چھو گرمی شوق ثنا کی آتش افروزی	
گرد ہاں بھی یہ خموشی اثر افعال ہوگا	حشر میں کون مرے حال کا پیر ساں ہوگا
لگی نہیں ہے یہ چپ لذتِ ستم سے کہ میں	حریف کشمکش نالہ و فغاں نہ ہوا
کیا مجھ میں دم بھی لینے کی طاقت نہیں رہی	کیوں شور نالہ ہائے عزا بار کم ہوا

پہونچے وہ لوگ مرتبہ کو مجھے، شکوہ نجات نارسا نہ رہا
 کیوں جو متصل سے ترے غیر کھینچ گئے میں کیا حریف کشمکش دمبدم نہ تھا
 شعلہ دل کو ناز تابش ہے اپنا جلوہ ذرا دکھا دینا
 بیکاری اُمید سے فرصت ہے رات دن وہ کار و بار حسرت و حرماں نہیں رہا
 صبر بعد آسائش اس قلق پہ مشکل تھا ہمیشہ جاوداں نکلا رنج جاوداں اپنا
 شعلہ آہ فلک رتبہ کا اعجاز تو دیکھ
 اظہار شوق شکوہ اثر اس سے تھا عجیب
 یہ تشنہ کامی نگہ گرم دیکھنا،
 ہوش میں آ تو مجھ میں حیاں نہیں،
 جرم معلوم ہے زینح کا
 غیر سے سرگوشیاں کر لیجئے پھر ہم بھی کچھ
 چشمک مری وحشت پہ ہے کیا حضرت ناصح
 ارباب ہوس بار کے بھی حیاں پہ کھیلے
 جنت میں بھی موتی نہ ملائے ہوں سے
 غفلت جرات آزمائے تک
 طعنہ دست نارسا تک
 آرزو ہائے دل درد آشنا کہنے کو ہیں
 طرز نگہ چشم فسوں ساز تو دیکھو
 کم طالعی عاشق جانناز تو دیکھو
 جو راجل تفرتہ پرداز تو دیکھو

ان اشعار میں اندیشہ نغوں گشت، آشوب گاہ حشر غم، گرمی شوقی شوق، خموشی اثر فضاں، ناز تابش، جو متصل، غفلت جرات آزما، حریف کشمکش دمبدم، شوق شکوہ اثر کی ترکیبیں کس قدر پاکیزہ اور رنگ تغزل میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ بعض بعض جگہ ثقیل و نامانوس ترکیبیں بھی نظر آتی ہیں لیکن کم۔

محبت میں انسان پر دو کیفیتیں طاری ہوتی ہیں، ایک وہ جس کا تعلق اس خیال سے ہوتا ہے کہ مستحق الفت ہمیں ہیں اور اس کیفیت کے تحت جو جذبات پیدا ہوتے ہیں ان میں نیاز عشق سے زیادہ پندار عشق پایا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شکوہ و شکایت، طنز و طعن، جلی کشی، کی کیفیت زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے، دوسری حالت وہ ہے جب الفت میں ارتقا پیدا ہوتا ہے اور "مادی احساسات" ضعیف ہو کر ایک خاص انداز کی دالہانہ شیفٹنگی، بے غرضانہ فتادگی، خود فراموشانہ رپودگی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اس وقت محبت، خیال، شوق، آرزو، بیان، غرض ہر چیز میں ایک قسم کی سادگی پائی جانے لگتی ہے اور اس میں کلام نہیں کہ بلند معیار کی غزل اسی کیفیت کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔

مومن کی شاعری کا عنصر غالب وہ ہے جو قسم اعلیٰ کی کیفیت سے متعلق ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عاشقانہ زندگی کا اکثر حصہ اسی "عہد پندار" سے وابستہ رہا ہے، لیکن کب سے تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی ان پر دوسری قسم کی بھی کیفیت طاری ہوتی تھی اور اس کیفیت کے تحت جو کچھ انھوں نے لکھا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا اُسے ہونا چاہئے اور اُس کو پڑھنے کے بعد ہم اس فضا میں پہونچ جاتے ہیں جہاں سے میر و درو کی شاعری کے حدود شروع ہوتے ہیں۔ غالباً ناموزوں نہ ہوگا اگر مثلاً چند اشعار یہاں درج کئے جائیں:-

پھوڑا تھا، دل نہ تھا، یہ موصے پر خلل گیا جب ٹھیس سانس کی لگی دم ہی نکل گیا
 اس کوچہ کی ہوا تھی کہ میری ہی آدھنی کوئی تو دل کی آگ پہ چمکھا سا جھیل گیا
 دیدہ حیران نے تماشا کیا دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا
 وہ حال زار ہے میرا کہ گاہ غیر سے بھی تمھارے سامنے یہ ماجرا بیاں نہ ہوا

کچھ قیاس اور میں ہی نہیں سب کے سب ہوئے
 اچھا تو درد عشق کا بیمار کم ہوا
 صبر نہیں شام فراق آچکے
 جس سے کہ بیزار تھے تم سو گیا
 سحر تک شام سے تجھ بن یہی حالت رکھی دل نے
 نہ مجھ کو چین دیتا تھا نہ آپ آرام لیتا تھا
 نہ مانوں کا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا
 کہ ہر بہات میں ماصح تمہارا نام لیتا تھا
 روز کہتا تھا کہیں مڑنا نہیں ہم مر گئے
 اب تو غوش ہو بیوفا تیرا ہی لے کہنا کیا
 چارہ گر زنداں میں اُس کے آستان سے لپٹے
 ایک بھی میری نہ مانی لاکھ سرٹکا کیا
 کیا خجل ہوں اب علاج بقراری کیا کردوں
 دھرو دیا ہاتھ اُس نے دل پر تو بھی دل دھڑکا کیا
 سینہ پہ ہاتھ دھرتے ہی کچھ دم پہ بن گئی
 لوحان کا عذاب ہوا دل کا تھا منا
 بے سیر دشت و باد یہ لگنے لگا ہے جی
 اور اس خراب گھر میں کہ ویراں نہیں رہا
 نارسانی سے دم رُکے تو رُکے
 میں کسی سے غصا نہیں ہوتا
 تم مرے پاس ہوتے ہو گو یا
 چارہ دل سوائے صبر نہیں
 شب رہے تجھ بن زبیں بے چین وہ آرام ہم
 سو تمہارے سوا نہیں ہوتا
 ٹھانی تھی دل میں اب نہ منس گے کسی سے ہم
 صبح تک رو یا کئے لے لیکے تیرا نام ہم
 کس کی خراب آنے کی ہے کس نے ہے یہ بتیانی
 دمسدم رونا ہمیں چاروں طرف تکنا ہمیں
 جانے دے چارہ گر شب ہجراں میں مت بلا
 نہ پوچھو کچھ مرا احوال میری جاں مجھ سے
 کہاں ہے تاب ناز برق اسے کاش
 اے نا صحو آ ہی گیا وہ فتنہ ایام لو
 صبح عشرت ہے وہ نہ شام وصال
 آتی ہے بوئے داغ شب تار ہجر میں
 سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آئے ہے
 حال دل کیونکر کہوں میں گس سے بولا جائے ہے
 بخت بد نے یہ ڈرایا کہ کانپ اٹھتا ہوں
 دیوار کے گر پڑتے ہی اٹھنے لگے طوں اں
 اب یہ صورت ہے کہ اسے پردہ نشیں
 ہم بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے
 بقدر جوش ترپنے کو تھا دے پس قتل
 آپ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے
 تم نے اچھا کیا، نباہ نہ کی
 وہ بقرار ہوئے آگیا قرار مجھے

انتخاب بالا پر سرسری نگاہ سے بھی یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ مومن کے ان اشعار میں جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے وہ ان سے
 بہت مختلف ہیں جو ان کے دوسرے اشعار میں پائے جاتے ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ مومن کا اصلی رنگ یہ نہیں ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں

ہو سکتا کہ اگر ان کی محبت زرا اور بلند ہو جاتی تو پھر آج یہ جستجو نہ ہوتی کہ اردو شاعری میں دو سر امیر کون ہو سکتا ہے۔
مومن کا کلیات مطالعہ کرنے کے بعد ایک شخص اس نتیجے پر پہنچنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ ان کی محبت کا ہر اکراں شاہانہ بازاری کا طبقہ نہ تھا تو اس کا استعمال ضرور یہاں ہو سکتا تھا اور ایک عام کیفیت جو کلام مومن کے مطالعہ کے بعد انسان پر طاری ہو سکتی ہے اس کا تعلق کچھ اس قسم کے جذبات سے ہے۔ یہاں تک کہ اگر واقعی کوئی شخص اس کو چہرے سے ناہند ہو تو بھی اس کے اندر اس قسم کی تحریک پیدا ہو سکتی ہے اور اگر ناہند نہ ہو تو پھر وہ اپنی کیفیات کے اندر جس قدر لطیف کلام مومن سے پیدا کر سکتا ہے، اس کی کوئی حدود پایاں نہیں ہیں۔
مومن کے ہاں تشبیہات تقریباً مفقود ہیں، استعارات ہیں لیکن زیادہ نہیں کتہہ کی افراط ہے اور پوری تکمیل کے ساتھ، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جو کیفیات تشبیہات کے ذریعہ سے پیدا کی جا سکتی ہیں ان کا بھی فقدان ہے۔ مثلاً محبوب کی آواز کی تعریف ایک جگہ انھوں نے اس طرح کی ہے:-

دشنام یار طبع حزین پر گراں نہیں اے ہمنفس نرا کت آواز دیکھنا

اس شعر میں کوئی تشبیہ و استعارہ نہیں ہے، لیکن نرا کت آواز کا بیان جس انداز سے کیا گیا ہے اس میں وہی بلکہ اس سے زیادہ اثر موجود ہے جو ایک تشبیہ کے ذریعہ سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔ دوسری جگہ اس سے بلند ہو کر انھوں نے تشبیہ بھی دی ہے لیکن وہ تشبیہ بھی کیفیاتی ہے:-

الفرض مومن نے اپنے سارے کلیات میں سوائے حکایات حسن و عشق کے اور کسی چیز سے سروکار نہیں رکھا اور اس سلسلہ میں جتنے پہلو گفتگو کے نکل سکتے ہیں یا جس قدر تنوع و تنوع میں تجربات حاصل ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب کسی نہ کسی صورت سے ان کے کلام میں پائے جاتے ہیں اور ان کا یہ رنگ تغزل اس قدر گہرا تھا کہ قصائد تک اسی کیفیت سے لبریز ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ اشعار کسی قصیدہ کے ہیں:-

تم اور حسرت تاز آہ کیا علاج کروں
چلا ہی جاتا ہوں میں گوجلا نہیں جاتا
خدا سے ڈرت بیدر وہ ہے یہ کیا انصاف
وہ تند خو کہ اگر جو ر سے پشیمان ہو
میں نیم جاں نہ رہا امتحان کے قابل
غضب ہے شوق رسائی و دوری منزل
کو تو جفا سے نہ ہو اور وفا سے ہوں نجل
تو بہر عذر کرے تاز بائے تاب گسل

برگمانی نے دعا سے بھی رکھا محروم آہ
دھوم ہے تابش خورشید قیامت کی مگر
غیر کو بام پہ آجلوہ دکھا یا تم نے
بیم رسوائی و اندیشہ برنامہ می سے
شاد شاد آئے عیادت کو دم آخر تم
نیک نامی نہ سہی مجھ کو ہے تم سے سروکار
وہ جلع محفل دشمن میں جو ہو شمع لقا
آپ دیکھا، نہ سنا اور ہے، پر جھوٹ نہیں
راز دل غیر سے کس طرح میں کرتا اظہار
مجھ سے اللہ نہ پوچھے گا عذاب شب تار
یہ نہ دیکھا کہ پڑا ہے کوئی زیر دیوار
کیا کروں کر نہ سکاد حشر دل کا اظہار
ایسے بیدر وہ کرتا ہے کوئی جان نثار
چھوڑ دوں آج وفا گرہ وفا سے بیزار
مجھ کو چھپڑا نہ کرو تم سے کہا ہے سو بار
تیری آنکھیں کہہ دیتی ہیں نہ کرنا انکار

جوش و حشر ہے یہ تاصح نہ پنہا ناز بخیر
نوجواں جب کوئی جاتا ہے جہاں سے تاشاد
دیکھ دیوانہ نہ ہو، میں نہیں پابند رسوم،
تازہ ہوتا ہے مجھے داغ امید مرحوم

کر دیا خواہش بیداد نے احوال تباہ
جب منایا مجھے اس نے وہی الفت وہی دل
اسی کے ساتھ جب شوکت الفاظ اور رفعت خیال کی طرف توجہ کرتے ہیں تو بہتر سے بہتر قصیدہ گو شعراء کے صف میں بھی ممتاز نظر آتے ہیں
ثبوت میں وہ قصیدہ ملاحظہ کیجئے جو اس مقطع سے شروع ہوتا ہے :-

صبح ہوئی تو کیا ہوا، ہے وہی تیرہ اختری
کثرت دو دے سیہ شعلہ شمع خاوری
مومن کی شہنشاہ خاص چیز ہیں اور ان میں انھوں نے اپنی جولانی فکر کی پوری آزادیاں دکھائی ہیں ان کا ذکر کسی تفصیل کے ساتھ بیان کرنا غیر ضروری سمجھتا ہوں، کیونکہ وہ یوں بھی ہر دیکھنے والے سے اپنی داد طلب کر لیتی ہیں۔

ان کی کلیات میں علاوہ غزل، قصیدہ، مثنوی کے قصمیں، ترجیع بند، خمیس، قطعات، رباعیات، تاریخیں اور سبھی بھی نظر آتے ہیں اور سخت سے سخت نقاد بھی ان کو کسی جگہ سے گرا ہوا ثابت نہیں کر سکتا۔

پھر چونکہ مومن کے ہاں ہر رنگ کا کلام اور تمام اصناف سخن میں سے ہر صنف تکمیل کے ساتھ موجود ہے اسی لئے میں نے مضمون کی ابتدا میں جو عرض کیا تھا، اسی کا اعادہ میں اخیر مضمون میں بھی کر دیا گا کہ ”اگر میرے سامنے تمام شعراء کا کلام رکھ کر صرف ایک انتخاب کی اجازت دیجائے تو بلا تامل کلیات مومن اٹھا لوں گا“

نیاز فچپوری

”نگار“ کے خاص نمبر

جنوری ۱۹۴۳ء اس نمبر میں ریاض خیر آبادی مرحوم کے کلام پر ملک کے متعدد مشاہیر نے نقد و تبصرہ کر کے بتایا ہے کہ ریاض کی شاعری کیا تھی۔ قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول

جنوری، فروری، مارچ ۱۹۴۶ء یہ سالنامہ دو حصوں میں شائع ہوا ہے اور فن انتقاد پر ملک کے بہترین اہل قلم اور ارباب فکر کے مضامین پر مشتمل ہے پہلا حصہ جنوری کا ہے اور دوسرے حصہ میں فروری، مارچ، دونوں نمبر شامل ہیں۔ قیمت ہر حصہ کی ایک روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصول

جنوری ۱۹۴۷ء اس سالنامہ کا نام ”ماجد ولین نمبر“ ہے جس میں ایک بے مثل فرانسیسی ادیب کی ایک شاہکار ٹریجڈی کو اردو میں منتقل کیا گیا ہے، ادبیت و جذبات نگاری کے لحاظ سے یہ ناول اپنا نظیر نہیں رکھتا قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصول

جنوری، فروری ۱۹۴۸ء پاکستان نمبر، نگار کا چوبلی نمبر، جس میں دنیا کے سامنے اسلام کی عظمت رفتہ اور ترقی اسلام کے بلند حقائق کو پیش کیا گیا ہے تاکہ مسلمان اپنے مستقبل کی تعمیر کے وقت اسلام کے دور زریں اور ان کا ناموں کو نہ بھول جائے جبر مسلم حکومت کی ترقی کی بنیاد قائم ہوئی تھی۔ قیمت تین روپے

جنوری، فروری ۱۹۴۹ء نگار کا افسانہ نمبر ہے جس میں تقریباً تیس افسانے بہترین اہل قلم کے شائع کئے گئے ہیں۔ قیمت دو روپیہ علاوہ محصول۔

جنوری، فروری ۱۹۵۰ء نگار کی ۲۸ سالہ ادبی و تنقیدی خدمات کا پنچوڑ جس میں ۲۲ سے لیکر ۲۹ء تک کے تمام تنقیدی رجحانات اور انتقادی نمونوں کو واضح کیا گیا ہے، اس میں بعض ایسے اکابر شعراء کا تذکرہ و انتخاب کلام بھی شامل ہے جن کے حالات عام طور پر معلوم نہیں ہیں اور جن کا کلام نایاب ہے۔ قیمت تین روپیہ علاوہ محصول

منیر نگار لکھنؤ

حکیم مومن خاں اور انکی شاعری

سوانح حیات

ابھی ہندوستان کی ٹکا ہوں نے شہر کا محشر زائہنگامہ نہیں دیکھا تھا۔ مرحوم ظفر بہارت ورش کا شہنشاہ اور اعلیٰ سخن کا تاجدار جلوہ آراے سر پر سلطنت تھا۔ مومن، ذوق، غالب، مومن، آزاد، زخشاں، شیفتہ، صہبائی، علوی کی آتش بیابیاں گرمی محفل کا باعث تھیں اور یہی وہ لوگ تھے جن کی ذات "بادور محفل شاں" مشرک فشاں از دم شاں" سے عبارت تھی شمع بجھنے سے پہلے بجھکتی ہے، دلی کی یہ بہار بھی شمع سحر کا آخری شعلہ تھا۔ اس بزم سخن میں مومن کی شمع حیات سب سے پہلے گل ہوئی جس کا نام ایک سو گوار نے مندرجہ عنوان شعر میں کیا ہے۔

حکیم مومن خاں مومن ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں دہلی کے محلہ کوچہ چیلان میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حکیم غلام نبی خاں اور دادا کا حکیم نامدار خاں تھا۔ حکیم نامدار خاں اور حکیم کا مدار خاں دو بھائی شاہ عالم کے عہد حکومت میں کشمیر سے آکر دلی میں سکونت پذیر ہوئے اور شاہی طبیبوں میں داخل ہوئے۔ شاہی خدمات کے صلہ میں موضع بلاہہ وغیرہ پر گنہ نار تول میں بصورت جاگیر عطا ہوئے۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے جھمکر کی ریاست نواب فیض طلب خاں کو عطا کی تو پر گنہ نار تول اس میں شامل تھا۔ نواب نے اس جاگیر کے عوض میں حکیم نامدار خاں کے ورثہ کو ہزار روپیہ سالانہ پنشن مقرر کر دی جس میں حکیم مومن خاں بھی شامل تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے بھی مومن کے خاندان کے چار طبیبوں کو سو روپیہ ماہوار پنشن ملتی تھی جس میں سے ایک چوتھائی ان کے والد کو ملتا تھا اور ان کے بعد مومن خاں کو کچھ ملتا رہا۔ مومن خاں کے والد حکیم غلام نبی خاں کو حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ العزیز سے بہت ارادت تھی۔ مومن خاں جب پیدا ہوئے تو حکیم غلام نبی خاں نے شاہ صاحب کو تکلیف دی اور اسی قدسی صفت نے تو مولود کے کانوں میں اذان دی شاہ صاحب ہی نے اس مولود مسعود کا نام مومن خاں تجویز فرمایا۔ گھر والوں نے اس نام کو ناپسند کیا اور حبیب اللہ نام رکھنا چاہا لیکن شاہ صاحب ہی کے نام سے مشہور ہوئے۔ بعض تذکرہ نویسوں کے تجاہل کے باوجود اس نام سے ان کی شہرت دنیا سے اُردو میں قائم ہوئی۔

مومن کی ابتدائی تعلیم و تربیت گھر پر ہوئی۔ جب ذرا ہوش سنبھالا تو شفیق باپ نے شاہ عبدالقادر کی خدمت میں پہنچایا۔ حافظہ اس بلا کا پایا جاتا تھا کہ شاہ صاحب کی زبان مبارک سے نکلا ہوا لفظ بمشکل بھولتا تھا۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ اس ذہین لڑکے نے حضرت شاہ عبدالعزیز کا وعظ ایک بار سن کر لفظ بلفظ دہرا دیا۔ غرض مومن نے درسیات کی تکمیل ایسے گھرانے میں کی جو ایک مدت تک دلی میں اپنے علم و فضل کی بنا پر مشہور رہا۔ مومن نے اس گھرانے کے احسان کو کبھی فراموش نہیں کیا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ العزیز کے وصال پر وہ بے بدل تاریخ لکھی ہے کہ حق تو یہ ہے کہ حق شاگردی ادا کر دیا۔ شعر ہے :-

دست بیدار اجل سے بے سرو پا ہو گئے
فقر و دین فضل و مہر لطف و کرم علم و عمل

اس مضمون کی تیاری میں - انجیات از محمد حسین آزاد - گل رعنا از سیدہ امجدی - شعر الہند از جلیلہ عبدالسلام ندوی - بہارستان سخن - سید امجد امجد اثر - سخن شعرا از عبدالغفور نساج - بزم سخن علی خاں - طراز عشق و طور کلیم نور الحسن - تصاویر مومن مرتبہ ضیاء احمد ایم - ۱ - گلشن بیجار شیفتہ
Himalaya & Co. by P. B. Saxena
زمانہ اور نگار کی پُرانی جلدوں سے اردو لکھی ہے۔ یہ مضمون اور تاریخ کچھ دہلی کا

درسیات کو ختم کرنے کے بعد اپنے والد حکیم غلام نبی خاں اور اپنے دونوں چچا حکیم غلام حیدر خاں اور حکیم غلام حسن خاں سے طب کی کتابیں پڑھیں اور اپنے آبائی مطب میں نسخہ نویسی کرتے رہے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ ”ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد“ حکیم مومن خاں کی شخصیت بھی مومن شاعر کی شخصیت میں جذب ہو کر رہ گئی۔ مومن نے طب پڑھی طبابت کی مگر وہیں تک جہاں تک ان کے عاشقانہ انداز طبیعت کا تقاضا تھا۔ مومن کے یہاں طب نے دراصل شاعری کا جامہ پہن لیا ہے، مثنوی قول غمین میں حکیم مومن شاعر کے لباس میں یوں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

میں نے اس نبض پہ جو ہاتھ دھرا ہاتھ سے میرے مراد دل ہی چلا
اس کو جوں ہاتھ لگایا میں نے دل سے بس ہاتھ اٹھایا میں نے
آفت تازہ ہو جان پر آئی، یہ غزل اپنی زبان پر آئی
کیا لگا دست دل آرام سے ہاتھ دل گیا ہاتھ سے اور کام سے ہاتھ
کس کے ہاتھوں سے لگا تھا کہ جدا نہیں ہوتا دل ناکام سے ہاتھ
ہاتھ دیتے تو ہو اب ہاتھ میں، پر کان پر رکھئے گا پھر نام سے ہاتھ
کیا کہوں آہ بقول مومن دل گیا ہاتھ سے اور کام سے ہاتھ

غزل:-

ادب اُردو اس غزل کے لئے مومن کی طبابت کی زیر بار احسان ہے۔ اس غزل کی سرگزشت شیفتہ کی زبان سے سنئے۔
گلشنِ بنجار میں صاحب معروف بہ صاحب جی کے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ، ”نام امۃ الفاطمہ بیگم معروف بہ صاحب جی تبقریب مداد ایا
مومن خاں کا رش افتاد ما ہے چند کار بار و دود ابو دھنوی قول غمین کہ از خان معزے الیہ است شرح نسخہ نام حسن و جمال ہماں موزوں قدرا“
مومن کی بچپن طبیعت کہ تک طب کی گردیدہ رہتی وہ نجوم کی طرف مایل ہوئی اسے بھی ماہرین فن سے حاصل کیا رمل میں بھی دستگاہ
بہم پہونچائی آبجیات میں بعض واقعات بھی درج کئے گئے ہیں جن سے مومن کے احکام نجوم کی صحت پر روشنی پڑتی ہے۔
مومن کی اختر شناسی بھی ان کی عاشقانہ طبیعت کے لئے ایک تازیانہ ثابت ہوئی۔ دنیا میں کم لوگ ہوں گے جو آئندہ کی باتیں جاننے
کے خواہاں نہ ہوں خصوصاً صنف لطیف۔ یہ ایک ناقابل الکار حقیقت ہے کہ مومن خاں ابتدائے شباب میں زندہ دل یار باش آزاد مشرب
رنگین طبع وارفہ مزاج آدمی تھے۔ طبابت اور اختر شناسی نے ان کے لئے اور کبھی سہولتیں پیدا کر دی تھیں۔ چنانچہ نجوم سے مومن وہی
کام لیتے ہیں جو ایک عاشق کو لینا چاہئے۔ ایک بار اختر شناس آتش فراق سے جل رہا تھا۔ کچھ دل میں آیا زانچہ اٹھایا دیکھا تو ستارے مہربان
تھے امید وصل سے دل کو تسکین دی اور جوش میں اپنے مطلوب کو جا کر یوں مطلع کیا:

کہاں ہے بدر سیما وہ ترحم کہ ہوں میں راز دان سیرانجم
نہیں کیا تم نے احکام آزمائے انھیں باتوں نے تو یہ دن دکھائے
یہ سب کچھ سچ پر اتنا بھی کہیں گے کہ جیتے ہیں تو اک دن مل رہیں گے
سلیماں ہمد بقیس ہوگا قران زہرہ و برجیں ہوگا
ابھی سے گر جفا کم ہو تو اچھا زیادہ ربط باہم ہو تو اچھا
نہیں تو ہوگی اس کی شرمساری کسے منظور ہے خجالت تمھاری

لیکن آسمان ہمیشہ مہربان نہیں رہتا۔ چنانچہ مومن بھی راز دان انجم ہونے کی حیثیت سے خود اپنی روشنی طبع کا رونا و تپا دہی
اختر شناسی جو فراق میں وصل یار کا مژدہ سنا سکتی ہے کبھی بد نصیب منجم عاشق کو اس کی سوختہ اختر ساری کی تلخ حقیقت سے مطلع کر کے ہمیشہ
کے لئے قبل از وقت برباد کر سکتی ہے اور ایسی صورت میں یہی آرزو کی جاتی ہے کہ اگر ازل سے سوختہ اختر ساری ہی ہماری قسمت میں تھی تو

کاش ہمیں اختر شناس نہ بنایا ہوتا۔ مومن اپنی اس تیرہ اختر کی کوٹاہر کرنے کے لئے کتنا لطیف اور پاکیزہ اسلوب بیان اختیار کرتا ہے۔ ان نصیبوں پر کیا اختر شناس آسمان بھی ہے ستم ایجاد کیا اختر شناس عالم کے تغیرات کو ستاروں سے منسوب کرتا ہے مگر ایک شاعر جو منجم بھی ہو ان تاروں کے دام میں عرصہ تک گرفتار نہیں رہ سکتا۔ مومن پر ایک دور وہ بھی گزرا جب نجوم غالب تھا جب وہ حادثات عالم کو سیرانجم کا نتیجہ سمجھتے تھے مگر چونکہ فطرت کی طرف سے ایک شاعرانہ دل و دماغ لیکر آئے تھے اس لئے بہت جلد ان پر منکشف ہو گیا کہ پس پردہ کوئی اور قوت ہے جو ستاروں پر حکمرانی کرتی ہے۔ کوئی پردہ نشین اور ہے جو کواکب کے اثرات کو مہل سکتا ہے۔

مومن خاں جب تک نجوم کے زیر اثر رہے تو اپنی طبیعت کے زور سے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکے کہ:-

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس آسمان بھی ہے ستم ایجاد کیا
شعر میں علوتخیل اور تاشیر کی کمی نہیں لیکن اس دور کا شعر بھی دیکھیے جب منجم شاعر کی شاعرانہ قوتیں نجومی طاقتوں پر غالب آجاتی ہیں اسوقت یہی شاعر آسمان کی طرف نظر اٹھاتا ہے اور حیران ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ:

دن بھی دراز رات بھی کیوں ہے فراق یار میں کاسے سے فرق آگیا گردش روزگار میں

اب دونوں شعروں کا خود موازنہ کیجئے اور دیکھیے کہ ایک بلند خیال ناظم منجم اور ایک شاعر منجم کا زاویہ نگاہ کہاں جا کر ملتا ہے نجوم اور مل حکیم مومن کی بقیار طبیعت کو زیادہ دنوں تک سکون نہ دے سکے۔ مومن نے شطرنج سے دل بہلاتا چاہا اور اس میں بھی وہ کمال پیدا کیا کہ دلی ایسے شہر میں اُن کا شمار مشہور شاطروں میں ہونے لگا۔ کرامت علی خاں سے قرابت قریبہ تھی جو وہاں کے مشہور ترین شاطر تھے۔ لیکن مومن کی بچلی طبیعت شطرنج، نجوم رمل طبابت سے پہل نہیں سکتی تھی صرف ایک شاعری تھی جو البتہ اسے سکون دے سکتی اور اس منزل پر پہنچ کر ان کی بقیار طبیعت کو قرار آتا تھا، شاعری سے خاں موصوف کو طبعی مناسبت تھی۔ ابتدا میں شاہ نصیر مرحوم کو اپنا کلام دکھایا مگر چند روز کے بعد ان سے اصلاح لینا چھوڑ دی اور پھر کسی کو استاد نہیں بنایا، لیکن پھر بھی مومن کا کلام شاہ نصیر کے رنگ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ لکھنؤ اور دہلی کے کسی دو شاعر کا رنگ اگر کچھ مل سکتا ہے تو وہ شیخ ناسخ اور شاہ نصیر ہیں۔ مومن - ذوق - غالب تینوں نے ملکر ناسخ کا تتبع کرنا چاہا اور آخر میں سہرا یک نے اپنی شاعری کا رنگ بدل کر اعتراض عجز کیا۔ ناسخ کا تتبع اور شاہ نصیر کی چند روزہ شاگردی بیکار نہیں گئی اور بعض غزلوں کو بے تاثیر اور بے مزہ کر کے رہا۔ سچ تو یہ ہے کہ غالب اور مومن کی بعض غزلوں کی بے تاثیر اور بیکار پن اسی تتبع ناسخ کا نتیجہ ہے۔ تنقید کلام مومن کے ضمن میں ناسخ اور نصیر کے کلام نے مومن پر جو اثر کیا ہے اس پر مفصل بحث انشاء اللہ کی جائے گی۔

مومن کے مشہور تلامذہ میں شیفتہ - تسکین - نسیم - قلق - برقی اور وحشت ہیں ہر ایک کا نمونہ کلام تلامذہ مومن کے زیر عنوان نظر آئے گا۔

وضع ولباس ان کی وضع و صورت کا نقشہ تذکرہ نویسوں نے یوں لکھا ہے ”رنگین طبع - رنگین مزاج - خوش وضع - خوش لباس - کشیدہ قامت - سبزہ رنگ - سر پہ لمبے لمبے گھونگر دالے بال جن میں ہر وقت انگلیوں سے کلکھی کیا کرتے تھے۔ لعل کا انگر کھا ڈھیلے ڈھیلے پانچے اس میں لال شیفہ بھی ہوتا تھا“

”صاحب آبجیات کا بیان ہے کہ میں نے انھیں نواب علی خاں اور مرزا خدا بخش قیصر کے مشاعروں میں غزل پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ ایسی دروناک آواز سے دہندہ ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے کہ مشاعرہ وجد کرتا تھا۔ اللہ اللہ اب تک وہ عالم آگہوں کے سامنے ہے۔ باتیں کہانیاں ہو گئیں۔“

مومن رنگین طبع رنگین مزاج تھے اور ضرور تھے ابتدا میں اُن کی عاشقانہ طبیعت نے اُن کی شاعری کو چمکایا مگر شاعر کی نظر بہت جلد اس زندگی کے اسرار تک پہنچ جاتی ہے مومن کی شاعرانہ افتاد طبیعت پر یہ طرز زندگی بھی بارگزار اور انھوں نے شاہ سید احمد سے

جوانی ہی میں بیعت کر لی اور آخر وقت تک اپنے عہد کو نبھایا۔ مومن کی شاعری پر شاہ سید احمد کی تعلیمات کا اثر بھی نمایاں ہے، ایک غزل کے مقطع میں فرماتے ہیں:-

شوق بزم احمد و ذوق شہادت ہو مجھے جلد مومن لے پہنچے اس مہدی دور میں تلک

طبیعت خود دار اور غیور واقع ہوئی تھی کسی دوست کا ادنیٰ احسان بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ دلی انھیں عزیز تھی۔ اور وہیں قانع زندگی بسر کرتے رہے۔ ”راجہ کپور تھلہ نے انھیں ساڑھے تین سو روپیہ مشاہرہ مقرر کر کے بلایا اور ہزار روپیہ خرچ سفر بھیجا۔ یہ آکادہ بھی ہوئے مگر جب معلوم ہوا کہ وہاں ایک گویے کی بھی یہی تنخواہ ہے تو کہا کہ جہاں میری اور ایک گویے کی تنخواہ ایک ہو میں وہاں نہیں جاتا اسی طرح ۱۸۴۷ء میں دہلی کالج کی پروفیسری کے لئے بلائے گئے لیکن وہ بھی منظور نہ کی۔

نواب وزیر اکبر لدھیانوی فرما کر دئے ٹونک نے جو مومن کے پیر بھائی بھی تھے انھیں بلانا چاہا لیکن مومن نے نہ آنے کی معذرت میں ایک قصیدہ لکھ کر بھیج دیا جس کا مطلع ہے:-

باد ایام عشرت و سانی نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی

پر کروں کیا کہ ہی نہیں آتی در نہ میں اور تیری مہمانی

ہے ابھی آرزوے وصل صدم ہے ابھی حسرت ہوس رانی

چار پانچ بار دلی چھوڑ کر سہارنپور۔ بدایوں۔ رامپور۔ سہسوان۔ جہانگیر آباد گئے لیکن دلی کی کشش ہمیشہ وہیں کھینچ لاتی۔ رامپور میں رہتے تھے مگر دلی کی یاد دل سے جاتی نہ تھی۔

دلی سے رامپور میں لایا جنون عشق دیرانہ چھوڑ آئے ہیں ویرانہ تر میں ہم دوسری بار سہسوان گئے وہاں فرماتے ہیں:-

چھوڑ دلی کو سہسوان آیا ہرزہ گردی میں مبتلا ہوں میں

بدایوں میں بھی دلی کا خیال نہیں جاتا:-

بدایوں میں مجھے جوش جنوں لایا ہے دلی سے یہ کیونکر چارہ پند خرد مندان ہوش آیا

خود داری اور غیرت کا یہ عالم تھا کہ طب رمل نجوم اور شاعری کو کبھی معاش کا ذریعہ نہیں بنایا اور نہ کبھی صلے کی امید میں کسی رئیس کی شان میں قصیدہ لکھا۔ نو قصیدوں میں دو مدحیہ قصیدے ہیں ایک تو اعذار میں لکھا گیا۔ دوسرے کی شاعری نزول یہ ہے کہ ”(ایک دن) راجہ اجیت سنگھ برادر راجہ کرم سنگھ رئیس پٹیالہ جو دہلی میں رہتے تھے اور ان کی سخاوتیں شہر میں مشہور تھیں۔ وہ ایک دفع مصاحبوں کے ساتھ سر راہ اپنے کوٹھے پر بیٹھے تھے۔ خاں صاحب کا اُدھر سے گزر ہوا۔ لوگوں نے کہا مومن خاں شاعر یہی ہیں۔ راجہ صاحب نے آدمی بھیج کر بلوایا۔ عزت و تعظیم سے بٹھایا کچھ نجوم کچھ شعر و سخن کی باتیں کیں۔ اور حکم دیا کہ ہتھنی کس کر لاؤ ہتھنی حاضر ہوئی وہ خاں صاحب کو عنایت کی“ شکریہ میں وہ مشہور قصیدہ مومن نے لکھا جس کا مطلع ہے:-

صبح ہوئی تو کیا ہوا ہے دہی تیرہ آخری کثرت دود سے سیاہ شعاع شمع خاوری

آب حیات کی عبارت ہے کہ ”سوا اس قصیدہ کے اور کوئی مدح کسی دنیا دار کے صلہ و انعام کی توقع پر نہیں لکھی، اب تک معلوم ہو سکا کہ اس قصیدہ کے پیش کرنے مومن کی کیا توقعات وابستہ تھیں۔ ظاہر ہے کہ یہ قصیدہ اعتراف احسان اور شکریہ میں لکھا گیا نہ کہ کسی انعام اور صلے کی توقع پر۔ مسٹر رام بابو سکسینہ کا صحیح خیال ہے کہ راجہ کا ہاتھی پیش کرنا ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ راجہ صاحب، مومن کی خدمت میں ہاتھی پیش کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہتے تھے۔

ان کی تیزی ذہن اور ذکاوت طبع کی تعریف نہیں ہو سکتی وہ خود بھی ذہانت میں دو شخصوں کے سوا کسی بھصہ کو تسلیم نہ کرتے تھے

ایک مولوی اسماعیل صاحب اور دوسرے خواجہ محمد نصیر صاحب جو ان کے خسر اور خواجہ میر درد کے نواسے تھے۔
مولوی اسماعیل شہید، مومن خاں کے پیر بھائی تھے خواجہ محمد نصیر ان کے خسر تھے اور رنج نعلی تخلص فرماتے تھے۔ صاحب آبجیات
کو معلوم تھا کہ مومن، شاہ سید احمد بریلوی کے مرید تھے معلوم نہیں کیا سمجھ کر خواجہ محمد نصیر کا مرید لکھ دیا۔ رنج کے تذکرے میں صاحب طور کلیم
نے لکھا ہے ”میر محمد نصیر محمدی خلف میر کلونیرہ و سجادہ نشین میر درد علیہ الرحمۃ۔ مومن خاں بادے نسبت خویشی و دامادی داشت۔“
رنج کا ایک شعر ہے :-

دل یہ جس کے لئے پہلو میں تپاں رہتا ہے یوں سنا ہے کہ اسے بھی خفقاں رہتا ہے (رنج)
مومن خاں نے نہ تمام عمر کسی دنیا دار کی مدح کی نہ کسی کی بھوس میں اپنی زبان آلودہ کی خود فرماتے ہیں :-
بھوگوئی نہیں ہمارا کام ایسی باتوں سے خامشی بہتر
آزاد نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ مومن اپنے معاصرین میں کسی کو کم خیال میں لاتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم دیکھتے
ہیں کہ مومن کی خود ستائی کی بھی عادت نہیں تھی جو عموماً شعراء کا شعار ہے ملاحظہ ہو مومن کو اپنی تعریف کرتے ہوئے روحی تکلیف ہوتی ہے
لاٹ زنی پس مدح زمانہ کیا کر دل اس غم تازہ سے نہیں مجھ کو امید جاں بری
حکیم مومن خاں کی شادی جیسا آگے بیان ہو چکا ہے خواجہ محمد نصیر صاحب رنج کی صاحبزادی سے ہوئی تھی ایک دہائی ۱۲۵۹ھ
میں پیدا ہوئی جس کی تاریخ ولادت ہے :

نال کٹنے کے ساتھ ہاتھ لے کہی تاریخ دختر مومن
لیکن صرف چار برس کی عمر پائی۔ تاریخ وفات ملاحظہ ہو :-

خاک بر فرق دولت دُنیا من فشاندم خزانہ بر سر خاک

آپ حیات میں آزاد نے مومن خاں کے ایک صاحبزادے کا ذکر کیا ہے۔ جن کا نام احمد نصیر خاں ہے۔

ہندوستان کے شعراء اس بارے میں بہت خوش قسمت تھے کہ ان میں سے اکثر دراز عمر ہوئے۔ کیٹس اور طرفہ کی طرح کوئی مشہور
شاعر نوجوان نہیں مرایا مارا گیا مومن نے صرف ۱۵ برس کی زندگی پائی کوٹھے سے گراموت کا باعث ہوا جس کی تاریخ شاعر نے خود کہی۔
دست و بازو بے شکست اور حکم لگا پا کہ پانچ دن پانچ مہینے یا پانچ برس میں مر جاؤں گا، وہی ہوا کہ پانچ مہینے کے بعد ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۱ء
میں اس دنیا کو خیر باد کہا اور جنت آباد کی ایک شاگرد نے تاریخ وفات ماتم مومن خاں سے نکالی۔ دلی دروازے کے باہر مہدیوں
کی جانب غرب حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے مقبرے کے پاس سپرد خاک کئے گئے۔ ۱۲۶۹ھ

مومن خاں کی تصنیفات میں اردو کلیات کے علاوہ ایک انشائے فارسی ہے جنہیں حکیم احسن اللہ خاں مرحوم نے مرتب کیا یہ کتابیں
۱۳۵۷ھ سے قبل مطبع سلطانی میں چھاپی گئی تھیں۔ مومن کے فارسی کلام کے متعلق سید عبدالحمی مولف تذکرہ گل رعنا کی رائے ہے کہ ”کلام فارسی“
بھی اپنے رنگ میں لا جواب ہے اور جو دلفریبیاں مومن خاں کے اردو کلام کے ساتھ مخصوص ہیں وہ اس میں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں ”اردو کلیات“
نواب مصطفیٰ خاں شیفۃ نے جمع کیا تھا۔ پھر میر عبد الرحمن آہی خاں میر حسن تسکین (خاں صاحب کے فرزند نسبتی) نے از سر نو مرتب کیا جو کئی بار
چھپ چکا ہے۔

یونان کے فیلسوف زینون نے دو معنی عالموں کے لئے پیش کئے تھے۔ فرض کرو کہ ایک کچھوا ایک خرگوش سے کچھ پہا چل چکا ہے
پھر بعد کو خرگوش چلتا ہے جب تک خرگوش اس جگہ پہنچے گا جہاں اس کے چلنے وقت کچھوا پہنچ چکا تھا، کچھوا کچھ آگے

۱۲ صاحب آبجیات نے نواب مصطفیٰ خاں شیفۃ کے ایک بچے خواب کا تذکرہ کیا ہے جس میں مومن خاں مغفور کی طرف سے ایک تحریر کا ذکر ہے جس میں مومن خاں نے لکھا ہوا تھا ۱۲

بڑھ جائے گا، اسی طرح جب خرگوش دوسری منزل طے کرے گا کچھوا کچھ آگے بڑھ جائے گا۔ اسی طرح ایک لانتنا ہی سلسلہ قائم ہو جائیگا پھر خرگوش کچھوے کو پیچھے کیسے چھوڑ سکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ ہر ایک متحرک چیز جس لکیر پر چلے گی وہ ہر وقت اس لکیر کے کسی نقطے پر موجود ہوگی پھر وہ چلتی کب ہے۔ ہر مسئلہ کے غور کرنے میں یہ وقت درپیش ہوتی ہے کہ اگر وقت کبھی ٹھہرتا نہیں تو (مثلاً) بارہ بجتے ہیں۔ اگر کوئی تعمیر سویرس میں رفتہ رفتہ گر جاتی ہے تو وہ ہر لحظہ میں کچھ نہ کچھ سمار ہوتی رہتی ہے پھر وہ کھڑی اور قائم کب رہتی ہے۔

لیکن ان معقول اور صحیح منطقی اعتراضات کے باوجود خرگوش اس مسابقت میں کچھوے سے آگے نکل جاتا ہے۔ متحرک چیز ایک لکیر کے کسی نقطے پر موجود ہوتے ہوئے بھی چلتی رہتی ہے۔ بارہ بجتے ہیں اور ضرور بجتے ہیں۔ گرنے والی عمارت قائم بھی رہتی ہے۔

پھر بھی ان معمول نے اس حقیقت کو مبرا کر دیا کہ اعداد و واقعات کو صحیح طور سے بیان کرنے میں قاصر ہیں۔ (حالانکہ فی زمانہ جس مسئلے کو واقعات اور اعداد کی امداد سے ثابت کر دیا جائے اس کی صداقت سے انکار کرنا علمی کفر سے کم نہ ہوگا) اور معقولات کی تشریح حقایق نقص سے خالی نہیں۔ زینون نے یہ معنی پیش کر کے ثابت کر دیا کہ معقولات اور حقایق میں ضد ہے اور دونوں ایک دوسرے سے منطبق نہیں ہو سکتے کیونکہ عقل جب حرکت کو سمجھنے کی کوشش کرے گی تو اسے ساکن کر کے پس جب وہ حرکت پر کوئی حکم لگائے گی تو وہ حکم دراصل حرکت سے متعلق نہ ہوگا بلکہ سکون پر نتیجہ یہ ہوگا کہ ریاضی نے معنی عالم کو حل کر کے محل اضداد بنا دیا ہے۔ عقل سے معرفت اشیاء ناممکن ہے۔ حقایق اشیاء عقل و منطق کی پرواز سے ماوراء ہیں۔

یہ تمہید صرف اس غرض سے اٹھائی گئی تھی کہ پرستارانِ خرد، جو مشرقی شاعری کو اکثر غیر فطری اور مبالغہ آمیز کہہ کر عموماً نظر انداز کر دیتے ہیں انہیں معلوم ہو جائے کہ بیانِ اشیاء کبھی فطری ہو ہی نہیں سکتا کسی پیش نظر شے کا چوٹا کہ ہم پیش کرتے ہیں وہ حقیقت سے شاید اتنا ہی بعید ہوتا ہے جتنا مشرق مغرب سے کیونکہ کسی شے کا بیان ہم ہمیشہ اپنے نقطہ نظر سے کریں گے جس کا کسی دوسرے شخص سے متحد ہونا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے جس جہتی کو ہم سبز کہتے ہیں دوسرا بھی اسے سبز ہی کہتا ہے لیکن صرف اس وجہ سے کہ دنیا کی زبانیں ناقص ہیں اور اس منظر کے اظہار کے لئے کوئی دوسرا لفظ اس کے پاس نہیں ہے ورنہ ظاہر ہے کہ شخص غیر کا زاویہ نگاہ اور ہمارا زاویہ نگاہ اُس وقت تک ایک نہیں ہو سکتا جب تک وہ ہمارے ہی جسم میں حلول نہ کر جائے۔ یہ محقق ہے کہ رنگ اپنے وجود کے لئے انعکاس نور کا محتاج ہے۔ جس کے ہر مختلف زاویہ پر رنگ بدلتا جائے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صدق، دروغ، غلو، مبالغہ کیا چیز ہے۔ حالت تو یہ ہے کہ ہم دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ہیں ایک صاحب نے شکایت کی کہ گوشت میں نمک تیز ہے، دوسرے نے کہدیا مجھے کم معلوم ہوتا ہے۔ تیسرا کہتا ہے نہیں ٹھیک تو ہے۔ ظاہر ہے کہ اس موقع پر ایک شخص دوسرے کی تکذیب نہیں کرتا حالانکہ ایک کا بیان دوسرے کی ضد ہے۔ ہر شخص اپنی جگہ پر سچ کہتا ہے اس مثال سے یہ معلوم ہوا کہ صحت بیان اس وقت ہوگی جب ایک شخص محسوس کرے کہ اس کا کوئی دوسرا معیار مقرر نہیں ہو سکتا۔ اسی سلسلہ میں اس حقیقت پر بھی نظر رکھنا چاہئے کہ صحت بیانی اور صدق بیانی میں فرق ہے۔ مثال بالا میں ہر شخص نے جو محسوس کیا کہ اگر اسے صحیح لفظوں میں بیان کیا ہے تو وہ بیان صحیح ہے اور ہر شخص کا بیان اپنی جگہ پر صحیح ہے مگر سب کا بیان بیک وقت سچ نہیں ہو سکتا۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ اردو شاعری کو مبالغہ آمیز کہہ کر جو مثال دیا جاتا ہے وہ درحقیقت کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اگر ایک شاعر کی حس بڑھی ہوئی ہے اور اُس کا بیان ہمارے محسوسات کی رو سے مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ مبالغہ آمیز ہی ہو مثلاً موتن کہتا ہے۔ تیرے دل تفتہ کی تربت پہ عدد جھوٹا ہے، گل نہ ہوں گے شر آتش سوزاں ہوں گے۔ پہلی نظر میں یہ شعر صاف مبالغہ معلوم ہوتا ہے اور ہے مگر اس کا کیا علاج کہ موتن کسی طور پر یہ محسوس ہی نہیں کر سکتا کہ تیرے دل تفتہ کی تربت پر گل ہوں گے اگر ہوں گے تو شر آتش سوزاں ہی ہوں گے۔ اس بڑھی ہوئی حس کے سامنے مبالغہ آمیز کہنے والوں اور عدد کے بیان کی کیا

دقت باقی رہ سکتی ہے۔ انداز بیان نے اس غیر فطری بیان میں بھی تاثیر پیدا کر دی۔ اور اگر اس میں کامیابی ہو گئی تو شاعر کا مقصود حاصل۔ پھر بیان کا فطری یا غیر فطری ہونا دونوں برابر۔

حقایق اشیاء کی معرفت میں معقولات کی بے بسی آپ دیکھ چکے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس میدان میں شاعری کہاں تک کامیاب ہوتی ہے، سطور ذیل میں یہی بحث ہوگی اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ مومن بحیثیت شاعر دنیا کے شاعری میں کہاں تک کامیاب یا ناکامیاب ہیں ہندوؤں نے تو شاعر کا مرتبہ فلسفی سے اونچا مانا ہے یعنی اسطوں نے محسوسات کو معقولات پر ترجیح دی ہے۔ شاعری کے ہنر (Art) کی تعریف کے بموجب، صداقت، حسن و قوت کے جذبہ کا اظہار ہے جسے شاعر اپنی تخیل کی امداد سے دائرہ حس میں لے آتا ہے۔ اور کثرت فی الوجدت کے اصول سے زبان کو اپنا ہم آہنگ کرتا ہے۔

شاعری صرف ایک جذبہ ہے، کیونکہ وہ عمیق ترین تاثرات کی جستجو کرتی ہے اور یہی جذبہ کا کام ہے، تاثرات کا غلام ہونا دراصل جذبہ ہے شاعری جذبہ صداقت ہے کیونکہ صداقت کے بغیر تاثرات یا تو پُر خراب ہیں یا ناقص۔

شاعری جذبہ حسن ہے کیونکہ اس کا فعل یہ ہے کہ مسرت سے اس میں چار چاند لگائے اور حسن ہی مسرت کا بہترین مظہر ہے۔

شاعری جذبہ قوت ہے کیونکہ قوت دراصل تاثرات کی کامیابی کا نام ہے خواہ وہ خود شاعر پر اس کے حسب خواہش طاری ہو یا شعر سننے اور پڑھنے والوں پر۔

شاعری کی دنیا وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں اہل فن اور اہل علم کی پرواز اپنی سرعت رفتار کے کمرے دکھا کر رک جاتی ہے، گلشن میں ایک پھول کا نام باغبان گلاب رکھ لیتا ہے، ماہر نباتات کے کسی خاندان کی شاخ بتائے گا لیکن جب اُسی پھول کو ایک شاعر دیکھتا ہے تو بے اختیار ہو کر کہ اٹھتا ہے :- اس گل بتو خود رندم تو بوسے کسے داری

وہ ہمیں یکایک ایک دوسرے عالم میں پہنچا دیتا ہے۔ ماہر نباتات کا نصیج ممکن ہے آئندہ چلکر غلط ثابت ہو جائے اور گلاب کا پھول نباتات کے کسی دوسرے خاندان کی شاخ سے ہو، اس پر اجماع ہو جائے۔ گلاب کے پچائے روزیادرد کہنا شروع کر دیا جائے۔ لیکن اس میں کوئی تغیر پیدا ہوگا۔ پھول کا نام بدلا جاسکتا ہے، لیکن شاعر کا قول ہمیشہ اپنی جگہ پر قائم رہے گا وہ صدق و دروغ کی رسائی سے پر ہے۔ گلاب کا پھول نباتات کی کسی شاخ سے ہو۔ شاعر کا قول ہمیشہ اُس پر صادق آئے گا۔

شاعری ایک تخیلی جذبہ ہے۔ محسوسات کی دنیا شاعر کی جولا نگاہ ہے شعر شعور کا تابع ہے دراصل حیات اور شعور ہی پر شعر کی عمارت قائم ہے یہ وہ عالم ہے جہاں معقولات کے پرچلتے ہیں اور صدق و دروغ کی تفریق جہاں بیکار ہو جاتی ہے یہاں دیکھنا ہے کہ مومن نے حیات و شعور سے اپنے اشعار میں کیا کام لیا ہے۔

ایسی لذت خلش دل میں کہاں ہوتی ہے رہ گیا سینے میں اُس کا کوئی پیکاں ہوگا

شاعر دل میں قیامت کی خلش محسوس کرتا ہے، شعور کہتا ہے کہ تیرا رے سودا کسی اور کا یہ کام نہیں، ڈرتا ہوں کہ میں یہ اعتراض نہ کر دیا جائے کہ دل پر تیرا تورا نہیں جاتا دل میں پیکاں کیونکر رہ جائے گا، لہذا بیان غیر فطری ہے مگر اب شاید اردو شاعری کے ایسے معتصر ضمیمہ رہ نہیں گئے ہیں جو اردو شاعری کے رمزی (Symbolic) اور کنائی (Allegorical) پہلو کو نظر انداز کرتے ہیں۔

کچھ قفس میں اندنوں لگتا ہے جی اشیاء اپنا ہوا برباد کیا

قفس میں دل کا بھل جانا اشیاء کے برباد ہونے کی علامت ہے ممکن ہے یہ نفسیاتی حقیقت بھی ہو، جس کے معلوم ہونے کا واحد ذریعہ گذشتہ تجربات ہوتے ہیں۔ لیکن نفسیاتی حقیقت کی اصلیت اتنی ہے کہ اس کی صحت کا سارا دار و مدار تجربات کی صحت پر مبنی ہے اگر تجربہ غلط ہے اور اُس کی غلطی معلوم نہ ہوئی تو جو نتیجہ اس سے نکالا جائے گا وہ غلط ہوگا۔ دنیا اسی مشکل میں آج کل گرفتار ہے روحانہ نفسیات کے نظریے پر رہتے رہتے ہیں۔ اس دنیا میں شعور اور صرف شعور ایک ایسی چیز ہے جس پر اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

ہونے بیتاب ادا تمھاری آج کچھ تو کہتی ہے بقراری آج

کائنات میں ایک حقیر سے حقیر کی جنبش سے بچل پڑ جاتی ہے۔ آپ نہیں خیال کر سکتے کہ ہماری ایک سانس سے فضا کے عالم میں کتنا موج پیدا ہو جاتا ہے۔ ہم کائنات کے ہر ذرے سے متاثر ہوتے ہیں اور ہر لمحہ انھیں متاثر کرتے رہتے ہیں۔ یہ فعل و انفعالی کسر و انکسار اثر و تاثر ہر شے پر ہر لمحہ اپنا کام کیا کرتے ہیں۔ شعر کی ادبیہ فلسفیانہ کیجئے عالمانہ کیجئے شاعر کو اس سے غرض نہیں اس کے شعور نے جو اسے بتایا وہ کہہ گیا۔ توجیہ کو فلسفیانہ ہو مگر غلط ہو سکتی ہے۔ شعر اگر تابع شعور ہے تو اس میں یہ احتمال پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہاں صرف میری بقراری اسکی فضا میں ہے کہ تمھاری ادا بیتاب ہے یہ بیان حق تو یہ ہے کہ نظریہ فعل و انفعالی و تاثر و تاثر کی حد سے باہر ہے۔ بقرار دل محسوس کر رہا ہے کہ تمھاری ادا بیتاب ہے کوئی لاکھ کہے کہ فلاں نظریہ علمی اس کے خلاف ہے۔ حیات اور نظریہ علمی کی تائید و تردید سے بے نیاز ہے۔

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے صیاد کی نگاہ سوئے آشتیاں نہیں

اس شعر میں شاعر کا یہ کلیہ کہ میرا ہمیشہ ایک نہ ایک بلا میں گرفتار رہنا ضروری ہے اور جس کا ذکر وہ نہایت حسن کے ساتھ چھوڑ گیا ہے۔ گزشتہ تجربات پر مبنی نہیں ہے شاعر کا نظریہ منطق استقرائی کا گراں بار احسان نہیں۔ تجربات کی بنا پر منطق استقرائی سے کام لیکر جو نتیجہ نکالا جائے گا اس میں ہمیشہ احتمال کا پہلو باقی رہے گا یہ صرف شعور INSTINCT ہے جو شک کے حدود سے باہر ہے جو تائید و تردید سے مستغنی ہے۔

داغ دل نکلیں گے تربت سے مری جوں لالہ یہ وہ اخلگر نہیں جو خاک میں پنہاں ہوں گے

بڑھی ہوئی حس کا لازمی نتیجہ ہے کہ بیان (Prophecy) ملہانہ انداز اختیار کرے۔ لے ہیٹ نے شاعری کی تعریف کی ہے (کہ شاعری صداقت و حسن و قوت کے جذبہ کا اظہار ہے جو تخیل اور تصور کی امداد سے اپنے معتقدات شعری کو محسوس کر دکھاتی ہے) اس کی رو سے مومن اردو زبان میں غالباً سب سے زیادہ کامیاب شاعر ہیں۔ اسی کے ساتھ ملٹن کی رائے بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ ”شعر کی خوبی یہ ہے کہ سادہ ہو جو شے سے بھرا ہوا ہو اور اصلیت پر مبنی ہو“ بہتر ہوتا اگر جو شے سے بھرا ہونے کے بجائے پُر تاثیر کہہ دیا جاتا۔ پُر تاثیر زیادہ جامع لفظ ہے۔ صاحب مرآۃ الشعر کا خیال ہے کہ اس سے زیادہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ ”اچھا شعر حسن خیال۔ حسن الفاظ۔ حسن ادا کا مجموعہ ہے“۔ مومن کے یہاں ہزاروں جواہر پارے ایسے پائے جاتے ہیں جن میں یہ خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

دیدہ حیراں نے تماشا کیا دیر تک وہ مجھے دیکھا کیا

اس شعر کو لے ہیٹ کے سپار سے دیکھئے کہ صداقت و حسن و قوت کے جذبے کا اظہار کس حسن کے ساتھ کیا گیا ہے عمیق ترین تاثرات قوت کا دوسرا نام ہے۔ صداقت تاثرات اور احساس کی قوت کا نتیجہ ہے اور خود صداقت حسن کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں، یہ تینوں جذبے جو بظاہر مختلف مگر حقیقتاً ایک ہیں، اس شعر میں بھی اسی طرح بیک وقت متحد اور مختلف پائے جاتے ہیں۔ یہ صرف شعر کی دنیا ہی جہاں اجتماع بلکہ اتصال ضدین ممکن ہے اور یہی جگہ ہے جہاں مومن شعرائے عالم کی صف میں ممتاز نظر آتا ہے۔ یہ بحث آپ کو افشاء اللہ آئندہ صفحات میں ملے گی، فی الحال مومن کے کلام سے لطف اندوز ہو جائے یہاں نظریہ اثر و تاثر دیکھئے۔ تجلی یار نے دیدہ مشتاق کو کثرت انوار سے دیدہ حیراں بنایا اور دوست کو دیدہ حیراں کے انداز حیرانی نے محو حیرت کیا یہی وہ جگہ ہے جہاں حبیب و محبوب طالب و مطلوب میں امتیاز باقی نہیں رہتا یہیں وحدت فی الکثرت کے جلوے نظر آتے ہیں۔ اس شعر میں اگر ایک طرف صداقت و حسن و قوت کا جذبہ موجود ہے تو دوسری طرف حسن ادا اور اسلوب بیان کی بھی بہترین مثال ہو سکتا ہے۔

آپ کی کون سی بڑھی عزت میں اگر ہزم میں ذلیل ہوا

میرا ذلیل ہونا آپ کی عزت کو بڑھا نہیں سکا یہ عالمگیر صداقت ہے جس کے تسلیم کرنے میں کم لوگوں کو تامل ہو گا کہ کسے نہیں معلوم کہ

میری ذات کا اثر اس ذات پر بھی پڑے گا جس سے مجھے دور کا بھی تعلق ہے۔ ذرہ کو اگر آفتاب سے نسبت ہے تو ذرہ کا ہر حسن و قبح بجائے اسکے کہ وہ ذرے کی ذات کے لئے باعث فخر و ذلت ہو آفتاب سے بھی متعلق ہوگا۔ اس عالمگیر صداقت کو ایک فلسفی بھی مشکوک طریقے سے بیان کر دینا ایک ادیب ممکن ہے اپنے زور بیان سے اس میں دلچسپی پیدا کر سکے مگر یہ صرف شاعر کا قلم ہے جو صرف ایک عالمگیر صداقت بیان کرتا ہے مگر اسی کے ساتھ اپنا دل بھی نکال کر رکھ دیتا ہے۔ کوثری کا قول ہے کہ ”جو بات نہایت صفائی سے ادا ہو جائے سمجھ لو کہ وہ سطحی نہیں ہے“ مومن کا یہ سادہ مگر عمیق شعر ایک معنوی مجسمہ ہے جو حسن ادا حسن خیال حسن الفاظ سے یکسر تیار کیا گیا ہے۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ڈبلیو۔ بی۔ آٹیس (W. B. Yeats) شاعری کی تعریف کرتا ہے کہ ”وہ مجاز و حقیقت کی نزدیکی ہے“ اس شعر کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ کوئین کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے ایک طرف اگر عارف سمجھتا ہے کہ ترک ماسوا کے بعد جلوہ حسن ازل نصیب ہوتا ہے تو دوسری طرف میں دیکھتا ہوں کہ مومن بھی منصور کے ساتھ اتنا الحق کہنے میں ہم آواز ہے۔ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا اُسوقت تم گویا میرے پاس ہوتے ہو۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ جب دوسرا ہوگا تو ماسوا ’میں‘ کے کوئی دوسری ذات میرے پاس موجود نہ ہوگی کوئی دوسری ذات دوسری نہ ہوتے ہوئے اُسی وقت میرے پاس ہو سکتی ہے جب وہ بھی ’میں‘ ہو جائے۔ یہاں لفظ گویا نے ’تم‘ کو ’میں‘ میں جذب کر رکھا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مجاز میں تمہارے خیال کا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ بہر حال یہ شعر شاعری کے ہر معیار پر پورا اترتا ہے اور دنیا کے بڑے سے بڑے شاعر کے لئے مایہ ناز ہو سکتا ہے۔

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے دور نہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

سادگی کی تصریح کرتے ہوئے مولانا حالی نے مقدمہ شعر و شاعری میں لکھا ہے کہ ”سادگی سے صرف لفظوں کی سادگی مراد نہیں ہے بلکہ خیالات بھی ایسے نازک اور دقیق نہ ہونے چاہئیں جن کے سمجھنے کی عام ذہنوں میں گنجائش نہ ہو۔ محسوسات کے شاعر عام پر چلنا۔ بے تکلفی کے سیدھے رستے سے اِدھر اُدھر نہ ہونا اور فکر کو جولا نیوں سے باز رکھنا اسی کا نام سادگی ہے“ لیکن یہ واضح رہے کہ سادگی ایک اچھے شعر کے لئے زیادہ سے زیادہ زیور کا کام دے سکتی ہے۔ وہ شعر کا حسن پڑھا سکتی ہے۔ مگر اپنی جگہ پر چنداں قابل اعتنا نہیں۔ معنی سے بے نیاز شعر کے لئے سادگی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ محض سادگی اُردو کے دوسرے نمبر کے شعراء میں بافراط نظر آتی ہے لیکن جو سادگی حسن ہے وہ یہاں صرف درد، میر، مومن اور کبھی کبھی غالب کے یہاں نظر آتی ہے۔ مومن اپنے علوئے تخیل اور نزاکت تخیل کے سبب سے طبقہ عوام میں مقبول نہیں جیسا اصل سبب بقول صاحب تذکرہ گل رعنا یہ ہے کہ ”مومن کو حالی جیسا نقاد نہیں ملا“ اسی شعر کو لے لیجئے شاعری کی وہ کوئی سہا خوبی ہے جو اپنے پورے آپ و تاب کے ساتھ اس میں جلوہ گر نہیں۔ انھیں چند سادہ الفاظ میں معافی کا ایک دریا ہے کہ موصی لے رہا ہے۔

ہو گئی دور و زکی اُلفت میں کیا حالت ابھی مومن وحشی کو دیکھا اس طرف سے جائے تھا

اچھے شعر کی خوبیاں اچھے اشعار کو دیکھ کر متعین کی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ شاعری منطوق نہیں جس میں استقراء سے کام لیا جائے۔ صرف ذوق سلیم شعر کا لطف لے سکتا ہے۔ اسی شعر کو لیجئے نہ تخیل کی نزاکت ہے نہ خیال کی ندرت ہے نہ اسلوب بیان میں کوئی جدت ہے مگر انہیں الفاظ میں ایسی تاثیر ہے جو ارباب ذوق کو ترپا سکتی ہے :

جراح کیا سوچا بتا، کیا رنگ دیکھا کیا ہوا ؟ گیوں کھول لی پٹی مرے زخم جگر سے باندھ کر

زخم کے ناقابل شفا ہونے کی موثر حالت کھینچنے کے لئے اس سے بہتر شاید ہی کوئی اسلوب بیان ہاتھ آسکے، شاعر نے آپ کے ساتھ ساتھ واقعات ایک ایک کر کے پیش کر دئے ہیں۔ کسی نتیجہ پر پہنچنا آپ کا کام ہے ایک صاحب فن کا جو فرض تھا اُس نے اس کو انجام تک پہنچا دیا۔ اب ذرا ماہر فن کا کمال دیکھئے۔ جراح نے زخم پر پٹی باندھی اور باندھ کر کھول لی۔ صرف اتنا مواد موجود ہے شاعر کو اتنے سے مواد میں ثابت یہ کرنا ہے کہ جراح خاموش ہے۔ مجروح بے قرار ہے اور جراح ناقابل شفا ہے تینوں حالتوں کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن الفاظ خود یہ

معنی پیدا کرتے ہیں۔ جراح نے پٹی زخم جگر سے بانڈھی اور کھول لی ظاہر ہے کہ پٹی بانڈھ کر کھولنا کسی سبب پر مبنی ہوگا۔ مجروح جراح کے اس فعل کو دیکھ کر سوال کر اٹھتا ہے ”جراح کیا سوچتا ہے“ مگر کوئی جواب نہیں ملتا۔ دوسرے سوال کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے ”کیا رنگ دیکھا“ مگر جراح کی طرف سے خاموشی کے سوا دوسرا جواب نہیں، زخمی پھر بچھتا ہے ”کیا ہوا“ یہاں آکر مصرع ختم ہوتا ہے۔

اب جراح کا طرز دیکھئے۔ مجروح کا پے در پے سوال کرنا (جو بقراری کی علامت ہے) اور اس پر جراح کی خاموشی یہ مومن ہی اتنے بڑے شاعر کا کام تھا جو اتنی کامیابی کے ساتھ اپنے فرض سے عہدہ برآ ہوا ہے۔

آتی ہے بوسے داغِ شہدِ تارِ ہجر میں سینہ بھی چاک ہونہ گیا ہو قبا کے ساتھ

ورد کا خیال ہے کہ لطیف تاثرات کا لطیف انداز میں بیان کرنا حقیقی شاعری ہے یہاں انداز بیان کی لطافت کا یہ عالم ہے کہ میرودرد کے سوا اردو زبان میں کسی کو نصیب نہ ہوا ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ خیالِ مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے مگر تاثیر ہے کہ شعر سے ٹپکی پڑتی ہے اور مومن کا کمال یہی ہے کہ اسے مبالغہ کی حدود سے نکال دیا۔ سینے کے چاک ہونے کا اپنی زبان صرت احتمال ظاہر کرتا ہے۔ لیکن سامع یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہے کہ سینہ بھی قبا کے ساتھ ضرور بالضرور چاک ہو گیا۔ تیر کا بھی ایک ایسا ہی شعر ہے :-

میرے مرنے کی حقیقت جس میں تھی ایک مدت تک وہ کاغذِ غم رہا

اس شعر میں بھی مبالغہ کے ساتھ تاثیر موجود ہے اور یہی مقصود بالذات ہے۔ بحیثیت ناقد دونوں شاعروں کے کمال فن کو دیکھئے۔ مومن نے سینے کے چاک ہونے کا صرف احتمالی ظاہر کیا ہے۔ میر نے کاغذِ غم رہنے کا حکم لگا دیا، لیکن استاد تھے اور انداز بیان کی اس کمزوری کو محسوس کرتے تھے لہذا ”ایک مدت تک“ کا لفظ جوڑ کر بات بنائی اور تاثیر کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اس ٹکڑے نے کاغذ کے غم کو محدود کر دیا۔ اہل نظر ان دونوں شعروں میں دونوں استادانِ فن کے کمال کا موازنہ نہ کریں تو وہ اس نتیجے تک پہنچنے پر مجبور ہیں کہ اس مقام پر مومن زیادہ کامیاب رہے ہیں۔ مومن کے انداز بیان کی لطافت بڑھی ہوئی ہے :-

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو کہ شبِ غم کوئی کس طور سحر کرتا ہے

ایک طرف مومن نے اگر فارسی ترکیبوں سے اپنے کلام کی بندش کو چست سے چست کر لیا تو دوسری جانب اپنے کلام کی تاثیر کو بڑھا دیا ہے غالب نے جب سادگی اختیار کی تو بقول خود تیر کا طرز آگیا۔ اردو زبان میں سادگی کی آمیزش تاثیر کے ساتھ کر دیجئے پھر تیر کے تتبع کے سوا چارہ کار نہیں اس مقام پر پہنچ کر غالب نے بھی اپنی انفرادیت کھودی جس کا انھوں نے خود اقرار کیا ہے۔ اب مومن کا کمال دیکھئے اور مثال میں یہی شعر لیجئے۔ کمال سادگی کے ساتھ انتہائی تاثیر موجود ہے۔ لیکن تیر کا رنگ نہیں، مومن کی انفرادیت صاف نمایاں ہے اردو شعرا میں مومن نے یہ ایسی کامیابی حاصل کی ہے جس کی نظیر نہیں ملتی :-

بخت بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں، تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے

اگر شاعر کا قلم اتنی بھی تاثیر نہیں پیدا کر سکتا تو اس کا ٹوٹ ہی جانا بہتر ہے۔ مومن کی حالت یہ ہے کہ وہ سرود پر ایک زخم لگا کر اپنے لغموں کو ختم کر دیتا ہے، اس کی آواز فضا میں پھیلی ہے اور محرم کے کان بقدر استعداد اس سے آشنا ہو سکتے ہیں۔ شاعر نے بخت بد کی ایذا رسانیوں کے لئے صرف ”یہ ڈرایا ہے“ سے ایک لطیف اشارہ کر دیا ہے۔ اس ”یہ“ سے بقدر ظرف استفادہ ہو جائے اور شاعر کے کمال فن کی داد دیجئے :-

اب یہ حالت ہے کہ اسے پردہ نشین تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے

جس بلندی پر مومن و تو کا امتیاز اٹھ جاتا ہے، مومن نے اپنے شاعرانہ کمال سے اس کی ایک جھلک اپنے اس شعر میں دکھا دی ہے تاثیر و اصلیت کے جیسے گرنے والے اس شعر میں اس تجلی کا نظارہ کر سکتے ہیں جس کے لئے صرف حقیقی شاعر کی آنکھیں بنی ہیں۔ مومن کا کمال دیکھئے کہ پردہ نشین کی صفت جو محبوب کے لئے مختص تھی اب اپنے لئے ضروری قرار دیدی۔ اب تک وہ خود مریض سے پردہ کرتے تھے لیکن اب مریض ان سے پردہ کر رہا ہے۔ کیا اس سے زیادہ عجیب و غریب انداز بیان اپنی حریفانہ حالت کے اظہار کے لئے اور اس سے بہتر عشق چکاں

اسلوب ادا دنیائے شاعری میں پیش کیا جاسکتا ہے ؟

ایک ناقد کا خیال ہے کہ "معشوق و محبوب کے بجائے مومن نے پردہ نشین کا لفظ پسند فرمایا ہے۔ اور تمام دیوان میں تقریباً بیس کہیں دفعہ استعمال کیا ہے۔ اول تو یہ لفظ ماہ پارہ، غیرت ناہید، رشک آفتاب، آفتاب حسن وغیرہ الفاظ کے مقابلہ میں جو معشوق کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ چست اور فصیح نہیں لیکن پھر بھی اگر اس لفظ کو باندھ کر مومن کوئی خاص مضمون ادا فرماتے۔ جب بھی کوئی بات تھی مگر نہ معلوم انھوں نے کیوں ایک غیر فصیح لفظ کو ایک فصیح لفظ پر ترجیح دیکر اس کی گردان کی "اس میں شک نہیں کہ تفتید نگار نے اپنی رائے نہایت ایماندارانہ طریقہ سے سپرد قلم کی ہے اور میں اُن کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اختلاف پر مجبور ہوں میرا خیال ہے کہ جناب ناقد نے لفظ "پردہ نشین" کو غیر فصیح کہنے میں احتیاط سے کام نہیں لیا۔ ماہ پارہ کو فصیح سمجھنا اور پردہ نشین کو غیر فصیح کہنا کچھ زیادہ درست نہیں معلوم ہوتا۔ نہ تو پردہ نشین کسی اصول فصاحت سے غیر فصیح ہے اور نہ ماہ پارہ کسی ایسے اصول سے فصیح ہے جس سے پردہ نشین فصیح نہ ثابت ہو۔ اگر ذوق کو معیار فصاحت تسلیم کیجئے تو اختلاف یہیں نمایاں ہے۔ جس لفظ کو جناب ناقد غیر فصیح کہتے ہیں میں غیر فصیح ماننے کو طیار نہیں بہت ممکن ہے کہ مومن اس لفظ کو بہت سے الفاظ سے فصیح تر سمجھتے ہوں۔ اب اس لفظ کی معنویت پر جائیے۔ تو میرا خیال ہے کہ یہ لفظ ماہ پارہ، غیرت ناہید، رشک آفتاب، آفتاب حسن سے زیادہ معنویت رکھتا ہے "پردہ نشین" اور غیرت ناہید، رشک آفتاب، آفتاب حسن و ماہ پارہ میں وہی فرق ہے۔ جو حسن پس پردہ اور حسن بے پردہ میں ہے۔ بہت ممکن ہے اس دور میں حسن پس پردہ پر حسن بے پردہ کو ترجیح دیجائے، لیکن مومن کے عہد میں حسن پس پردہ ہی کو ترجیح حاصل تھی۔ پردہ نشین کا اور شعر سنئے :-

جلوہ دکھلائے تا وہ پردہ نشین میں نے دعوائے کیا تحمل کا

ہجر پردہ نشین میں مرتے ہیں زندگی پردہ در نہ ہو جائے

میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

حیوانوں میں انسان کی امتیازی خصوصیت نطق ہے۔ یوں تو اظہار مدعا کے لئے گائے بیل سے بھی ایسے حرکات ظاہر ہوتے ہیں جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس وقت وہ بھوکے ہیں اس وقت وہ پیاسے ہیں اس وقت وہ کسی خطرے سے دوچار ہیں اگر انسان نے بھی اپنی زبان سے اتنا ہی کام لیا تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے غیر ناطق حیوانوں کی صف میں جگہ نہ دیجائے۔ میرا خیال ہے کہ نطق عقل و بیان کے مجموعے کا نام ہے۔ کسی شے کے بیان کے مجموعے کا نام ہے۔ کسی شے کے بیان کرنے میں حدود سے متجاوز نہ ہونا چاہئے منطقی اصطلاح میں اسی کو جامع و مانع بیان کہیں گے شعرا، منطق کی بندشوں سے یقیناً آزاد ہیں لیکن وہ شاعری کی بندشوں سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ اگر شعر میں (accuracy of statement) نہیں ہے تو وہ انسان کا شعر نہیں، اُس کے ہونے سے اُس کا نہ ہونا بہتر ہے۔ صحت مقال کی خصوصیت ہے کہ کوئی ایسا پہلو نکل ہی نہ سکے جو اُسے غلط ثابت کر سکے یہ وہ جگہ ہے جہاں مومن دنیائے شاعری میں یکتائی کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ پہلے میرے خیال کو دوسروں کے اشعار روشنی میں سمجھ لیجئے اُس کے بعد مومن کی اس امتیازی خصوصیت پر بحث کروں گا۔

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں (میر)
مفتی صدر الدین آزاد نے اس شعر کو قل ہوا اللہ کی صورت سے تشبیہ دی تھی۔ یعنی اس کا جواب محال ہے۔ اگر آپ غور کیجئے تو صرف صحت مقالی نتیجہ ہے۔ "شاید" اور اس پر کچھ کے الفاظ نے مضمون کو مطلق العنان ہونے نہیں دیا۔ شعر کی تاثیر ٹھیکہ گئی شاعر کے قول پر کسی پہلو سے کوئی اعتراض وارد ہو نہیں سکتا یہاں نہ پر وار تھنیل ہے نہ اسلوب بیان میں کوئی ندرت ہے نہ جدت ادا ہے مگر شعر ہے کہ ایک مفتی مجبور ہو کر اسے قل ہوا اللہ سے مثال دیدیتا ہے اسی سلسلہ میں درد کا بھی ایک شعر سن لیجئے :-

میرے تغیر حال پر مت جا یوں بھی اے جہربان ہوتا ہے (درد)

اس شعر کے معنی بیان کرتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ شعر کا سما لطف غارت نہ ہو جائے غور کیجئے وہ کون سی چیز ہے جو شاعر بنا ہے ہوئے ہے وہی صحت مقالی ہے جس کو شاعر نے دہی زبان سے ”یوں بھی اسے مہربان ہوتا ہے“ کہا ہے۔ دنیا میں کسی کی جرات ہے جو شاعر کے اس قول کی تکذیب کر سکتا ہے۔ ظلم ہو گا اگر صحت مقالی کی مثالیں پیش کرتے ہوئے شیفتہ، شاگرد مومن کا نہایت مشہور شعر مثلاً ہمیشہ کروں :- شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

اگر صحت مقالی کا خیال نہ رکھئے تو نہایت آسانی کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ سینے کے اندر جو آگ لگی ہوئی ہے اسی کا نام محبت ہے لیکن کیا مضمون میں کوئی لطف باقی رہ گیا۔ یہ صحت مقالی کا کو چہ ایسا ہے جہاں پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ شاید ”اک“ ”سی“ یہ وہ الفاظ ہیں جو سینے کے اندر لگی ہوئی آگ کو ہوادے رہے ہیں۔ شاید یہ بات اب واضح ہو گئی ہو گی کہ اردو زبان کے تین موثر ترین شعر کی امتیازی خصوصیت صحت مقالی ہے۔ صحت مقالی کا جو مفہوم میرے ذہن میں موجود ہے وہ کسی حد تک ان مثالوں سے واضح ہو گیا ہو۔ اب ایک بار مومن کا شعر پھر سن لیجئے :-

میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی ،
یہ شعر بھی انھیں شعروں میں ہے جن کی نزاکت جنبش قلم کو برداشت نہیں کر سکتی۔ حق تو یہ ہے کہ یہ شعر کسی تنقید و تبصرہ کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا مومن نے جن جتنے تے الفاظ میں اپنے خیال کو ظاہر کیا ہے جتنی احتیاط برتی ہے اس کا اندازہ ہونا مشکل ہے۔ ایسے اشعار جن میں صحت مقالی کا خیال رکھا جاتا ہے ان میں جتنے لفظی قیود زیادہ ہوتے ہیں معانی میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ یہاں ذرا اس حقیقت کا تصور کیجئے کہ جو شخص مطلوب کے نباہ نہ کرنے پر شکایت کے بجائے شکرا ادا کرے اُس کی یاس کی دنیا کتنی وسیع ہو گی۔ ”تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی“ یہ الفاظ جس دل سے نکل سکتے ہیں اور جس قلم سے صفحہ قرطاس پر آسکتے ہیں وہ کس دنیا میں ہو گا۔ شاعر جس خیال کو موزوں کرنا چاہتا تھا آپ خود دیکھئے کہ اس نے کتنی کامیابی حاصل کی ہے۔ جس مایوس کے لئے بُرائی بھلائی ہو سکتی ہے جس کے لئے بے وفائی وفا سے کم نہیں ثابت ہوتی اُس کی حالت بعینہ اس شخص کی سی ہے جو انتہائے یاس میں رو نہیں سکتا اور نہ ہنسنے پر مجبور ہے۔ اس کے بعد شاعر دنیا اور اہل دنیا سے قریب تر ہو رہا ہے اور خدا جانے کیا سمجھ کر کہہ اُٹھتا ہے :-
”میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے“

گر دیا خواہش پیدا دے نا احوال تباہ تو تو ظالم نہیں زہار پہ میں ہوں مظلوم
میں نہیں خیال کر سکتا کہ ایک شاعر اس سے زیادہ متعین (مستند) ہو سکتا ہے۔ یہ حسن بیان کا معجزہ ہے کہ کسی کو کچھ سمجھنے کا مجھ سے کوئی حق ہی نہیں میں اگر کچھ کہہ سکتا ہوں تو صرف اپنی ہی بابت۔ کیونکہ کہوں کہ تو ظالم ہے خدا جانے تو ظالم ہے یا رسولِ پر حال میں تو مظلوم ہوں۔ یہ حقیقت ہے اور ناقابل انکار حقیقت۔ ہاں ہاں سچ ہے میں ہی اپنی بربادی کا باعث ہوا ہوں۔ بیشک تو ظالم نہیں۔ تجھ پر الزام نہیں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ مجھ پر ظلم ہوا ہے۔ شاعر کا یہ بیان جس سے انتہائی احتیاط برسر رہی ہے اتنے ہی زور کے ساتھ کسی کے ظالم ہونے کی حقیقت کو سامع کے دل پر نقش کر دیتا ہے جس قدر وہ اپنی مظلومی پر زور دیتا ہے اور کسی کا ظلم بغیر کہ بلکہ انکار کے باوجود بھی آشکارا سا ہو جاتا ہے :

اس کو چپے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا
”سا“ کا لفظ، کو چپے کی ہوا، اور ”میری آہ“ کو پنکھا بنا تے ہوئے پنکھا بنا رہا ہے۔

سب تابہ فتنہ چونک پڑے تیرے عہد میں اک میرا بخت تھا کہ وہ بیدار کم ہوا
”کم ہوا“ کہہ کر شاعر نے یہ محسوس کر دیا کہ میرا بخت کبھی بیدار نہ ہوا۔

کچھ قیاس اور میں ہی نہیں سب کے سب ہوئے اچھا تو دردِ عشق کا بیمار کم ہوا

دیکھئے شاعر اس 'کم' سے کیا کیا کام لے رہا ہے جتنے نرم لہجہ میں کہ رہا ہے اتنا ہی زبردست اثر پیدا کر رہا ہے (ART) اس کا نام ہے۔
 نہ جاؤں گا کبھی جنت میں میں نہ جاؤں گا اگر نہ ہوئے گا نقشہ تمھارے گھر کا سا
 تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

یہ انداز بیان کم شاعروں کو نصیب ہوا ہے۔

یہاں تک تو میں نے اپنے ان تاثرات کی بنا پر جو کلام مومن کے مطالعہ کے بعد مجھ پر طاری ہوئے عمومی طور پر صرف ان کیفیات کا اظہار کیا ہے جو ذوق سلیم میں ایک ہنگامہ کی سی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں اور جس میں ایک شخص اصول تنقید وغیرہ سے بھی گزر جانا چاہتا ہے لیکن چونکہ مقصود اپنے محض جذبات کا اظہار نہیں ہے بلکہ مومن کی شاعری کی صحیح قیمت متعین کرنا ہے، اس لئے میں اب اصل موضوع پر توجہ کرتے ہوئے سبک پہلے یہ بتاؤں گا کہ ان خصوصیات شاعری کے لحاظ سے جن میں اور شعرا بھی مشترک ہو سکتے ہیں، مومن کا کیا مرتبہ تھا اور پھر یہ ظاہر کروں گا کہ اس کی انفرادیت کون کون سی خصوصیات سے متعلق تھی اور یہ کہ وہ اپنی مخصوص شاعرانہ حیثیت اور اپنے ممتاز تقدم شاعری کے لحاظ سے کیا مرتبہ رکھتا تھا۔

اس موضوع پر تفصیلی نظر ڈالنے سے پہلے حکیم مومن خاں کی بابت آزاد کی رائے سن لیجئے، شاید یہ معلوم ہی گا کہ جناب شمس العلماء نے خود مومن پر لکھنے کی زحمت گوار نہیں فرمائی صرف کلام پر رائے ظاہر کی ہے جو خود انھیں کے قلم سے نکلی ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہوں ”غزلوں میں ان کے خیالات نہایت نازک اور مضامین عالی ہیں اور استعارہ اور تشبیہ کے زور نے اور بھی اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہوا ہے ان میں معاملات عاشقانہ عجب مزے سے ادا کئے ہیں اسی واسطے جو شعراء صاف ہوتا ہے اس کا انداز جرات سے ملتا ہے اور اس پر وہ خود بھی نازاں تھے اشعار (مذکورہ) میں فارسی کی عمدہ ترکیبیں، دلکش تراشیں ہیں کہ اردو کی سلاست میں اشکال پیدا کرتی ہیں ان کی زبان میں چند وصف خاص ہیں جن کا جملہ لطف سے خالی نہیں وہ اکثر اشعار میں ”ایک شے کو کسی خاص صفت کے لحاظ سے ذات ثنئے کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اس پر پھر شعر میں عجب لطیف لطیف بلکہ معانی نہیاں پیدا کرتے ہیں“ یعنی آزاد بھی مومن کی نزاکت تخیل، علوئے مضامین، زور تشبیہ و استعارہ کے مدح ہیں۔ وہ گو مومن کی فارسی ترکیبوں کو عمدہ اور تراشوں کو دلکش کہتے ہیں مگر دبی زبان سے یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ یہ باتیں اردو کی سلاست میں اشکال پیدا کرتی ہیں۔ آزاد کی زیر خط عبارت میں کچھ سمجھ نہ سکا غالباً اس سے استعارہ بالکنایہ مراد ہے۔ یہ یاد رہے کہ کثایہ اور استعارہ بالکنایہ میں فرق ہے اگر لفظ با جملہ غیر حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے مگر اس طرح کہ حقیقی معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں تو یہ کنایہ ہلائے گا اور اگر حقیقی معنی مراد نہیں لئے جاسکتے تو وہ استعارہ بالکنایہ ہوتا ہے جو ایک قرعہ تشبیہ کی ہے، بعض نقادوں نے خصوصیات مومن کے ضمن میں ندرت، اسلوب بیان اور شوخی ادا پر بھی زور دیا ہے۔ ذیل میں کچھ مثالیں درج ہیں جن میں نزاکت نمایاں ہے

نزاکت تخیل مومن قدرت کی طرف سے ایک نہایت زبردست بلند پرواز تخیل لائے ہیں وہ اپنی خصوصی فضا میں اڑتے ہیں اور نہایت بلند اڑتے ہیں اور یہ ان کا نہایت ہی اعلیٰ کمال ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اردو شاعری مومن کی نزاکت تخیل کی مثال نہیں پیش کر سکی۔ اب شاعری میں تخیل کا کیا درجہ ہے پہلے اسے متعین کر لیجئے پھر مومن کے کلام پر نظر ڈالئے۔ علامہ شبلی کی رائے کہ ”اگرچہ محاکات اور تخیل شعر کے عنصر ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاعری دراصل تخیل کا نام ہے“ اب مومن کے کلام میں تخیل کی گلکاریاں دیکھئے :-

گروہاں بھی یہ خموشی اثر افغان ہوگا حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہوگا
 اگر میرے نالوں کا یہی خاموش کن اثر رہا جس کے دور ہونے کی کوئی توقع نہیں تو حشر میں بھی کوئی میرا پرساں حال نہ نکلے گا۔ جس شخص کی ساری عمر نالہ و فریاد میں کٹی ہو جس کا دنیا میں کوئی پیہر بھی پرساں حال نہ ہوا ہو وہ اگر یہ نہ سوچے کہ کل بھی حشر میں ہی ہوتا ہے تو کیا کرے۔ زرا اس خموشی اثر افغان کی وسیع المعنی ترکیب پر غور کیجئے۔ ظاہری معنی کے سوا اس ٹکڑے سے یہ معنی بھی پیدا ہوتے ہیں کہ شعور خفا

نے سب آوازوں کو دبا دیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ بلند آواز کے مقابل میں نیچی آواز خاموشی ہی کا حکم رکھتی ہے اور اگر یہ معنی نہ لئے جائیں تو سکوت و خاموشی کے الفاظ مہمل ہو جائیں گے۔ مثلاً سکوت شب کو لئے لیجئے اور شور و شغب کے مقابل میں رات ساکت ہی معلوم ہوتی ہے۔ میں بھی ان لوگوں میں ہوں جو شور و سکوت میں صرف کمیت کا فرق سمجھتے ہیں میں دونوں کی کیفیت میں فرق سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اب مومن کی تحنیل کے کارنامے دیکھئے کہ اس نے شور و غل سے شور و محشر کو دبا دیا ہے اور محشر کو دنیا کے پہلو پہ پہلو لا کر رکھا ہے۔

ہنسے نہ غیر مجھے بزم سے اٹھانے پر سبک ہے وہ چہ تری طبع پر گراں نہ ہوا

مومن نے اس میں تضاد سے بہت فائدہ اٹھایا ہے جس کی مفصل بحث افشاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گی۔ شاعر کی خیال آرائی دیکھئے کہ اس نے اپنی رسوائی میں بھی منطق سے کام لیکر غیر کی سبکی کا پہلو نکال ہی لیا۔ مومن محفل سے نکالے گئے اس سے بڑی سبکی اور کیا ہو سکتی ہے غیر یہ بھی خیال کیا اور مومن کے رسوا کئے جانے پر خندہ زن ہوا لیکن زخم رسوائی پر اغیار کی نمک پاشی دیکھی نہ گئی اور بول اٹھے کہ میرے نکالے جانے پر غیر خندہ زن کیوں ہے۔ میں تو اسوجہ سے اٹھایا گیا کہ تیری طبع نازک پر بار ہوا وہ سبک ہوں گے جیسی تو تیری طبیعت پر بار نہیں گزرے یہاں لفظ سبک سے فائدہ اٹھایا گیا جسکے ایک معنی نوزدیل ہونے کے ہیں اور دوسرے گراں کی ضد۔ یہ مومن کا خاص انداز ہے کہ وہ کسی حالت میں اپنا فائدہ نہیں چھوڑتے۔ یہ تحنیل کے کارنامے ہیں جو عزت کو ذلت اور ذلت کو عزت کر دکھاتے ہیں۔ اسی رنگ کا مومن کا دوسرا شعر ہے:

یاد سہواً اسے اے غیر بے نسیاں عہداً یاد رکھ بھول گیا جس کو وہی یاد رہا

دیت میں روز جزا لے رہیں تے قاتل کو ہمارا جابج کے جانے میں بھی زیاں نہ ہوا

سارا دیوان مومن کا نزاکت و رفعت تحنیل سے بھرا ہوا ہے، چند مثالیں اور ملاحظہ ہوں:

یہ عذر امتحاں جذب دل کیسا نکل آیا میں الزام اُن کو دیتا تھا تصور اپنا نکل آیا

عاشق فرط شوق سے مجبور ہو کر محبوب کی محفل میں جا پہنچا ہے اور محبت کے ثبوت میں یہ پیش کرتا ہے کہ اس کی الفت اسے وہاں کشاں کشاں لائی اگر محبوب کے دل میں بھی عاشق کی الفت ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کے ہاں نہ جاتا اس سے عیاں ہے کہ انھیں اس سے کوئی تعلق نہیں یہ سنکر محبوب فوراً کہہ اٹھتا ہے کہ تمھاری دلیل بجائے اس کے کہ تمھارے لئے مفید ہو میری مویہ مقصد ہے تمھارا میرے ہاں یوں بیتاب ہو کر آتا میرے جذبہ دل کی قوت کا نتیجہ ہے اگر تم میں بھی یہ جذب کارفرما ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ میں تمھارے ہاں کھنچا کھنچا نہ چلا آتا اور کوئی وجہ نہ تھی کہ اگر تمھارا جذبہ دل قوی تر نہ ہوتا تو مجھے اپنی طرف کھینچ نہ لیتا گویا تمھارے جذبہ دل کی کمیت کا یہ امتحاں تھا جس میں تم ناکام میاب رہے اتنے مبسوط مضمون کو مومن نے ایک شعر میں ادا کر کے کس خوبی سے دریا کو گزے میں بند کیا ہے یہ جناب غلام ربانی صاحب عزیز کا خیال ہے جن کا مضمون ”کلام مومن پر اک نظر“ کے عنوان سے سال گزشتہ نگار میں شائع ہو چکا ہے۔ شعر کا مطلب مختصراً یہ ہے کہ عاشق محبوب سے اس کی بے نیازی کا شکوہ نہیچ ہوا۔ ادھر سے جواب ملا کہ میں اب تک تمھارے جذب دل کا امتحاں کرتا تھا کہ اگر تمھارا جذبہ دل صادق ہے تو مجھے خود کھینچ بلائے گا۔

واعظ بتوں کو خلد میں لیجائیں گے کہیں ہے وعدہ کافروں سے عذاب الیم کا

بت پرست کافروں کے لئے سخت سے سخت عذاب یہ ہے کہ بت ان سے جدا کر دئے جائیں۔ مومن کی شوخی اور ساتھ ہی ساتھ تحنیل کی بلندی دیکھئے کہہ رہا ہے کہ اے واعظ شاید بتوں کو جنت ملے گی کیونکہ کافروں سے عذاب الیم کا وعدہ ہے ایک کافر کے لئے عجز بت کے سوا اور کوئی مصیبت نہیں۔ اگر کافر اور بت دونوں دوزخ ہی میں ڈالے گئے تو یہ عذاب الیم نہ ہوا اس سے زیادہ کافر اور کس چیز کا خواہاں ہو سکتا ہے۔ کافروں کو عذاب دینے کی ایک اور صرف ایک صورت ہے اور وہ یہی کہ انھیں کافروں سے علیحدہ کر کے جنت میں جگہ دی جائے۔

صبر و حشت اثر نہ ہو جائے کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے

عموماً شعراء نے جب بلند پروازی کی قد فائدہ سے زیادہ یہ کر سکے کہ کھر کو صحر بنا دیا۔ لیکن مومن نے اس باتیں روش کو چھوڑ کر اپنے لئے دوسری راہ نکالی وہ صحر کو کھر بنا رہے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ صحر پر میں نے قناعت تو کر لی ہے مگر اس کا خون ہر وقت باقی ہے کہ کہیں صحر ابھی میری جنوں چولانیوں کے لئے تنگ نہ ثابت ہو۔

رشتک پیغام ہے عنان کش دل نامہ بر راہ بر نہ ہو جائے
اس رشتک کا کیا ٹھکانا جس نے نامہ بر کو راہ بر بنا دیا ہے۔ نامہ بر یار کو خط دیگا زبانی پیغام کہے گا مومن سے تو یہ دیکھا نہیں جاتا اور وہ بھی نامہ بر کے پیچھے پیچھے جانے کے لئے آمادہ ہے۔

دیکھو مت دیکھو کہ آئینہ غش تمھیں دیکھ کر نہ ہو جائے
اس شعر میں بھی رشتک کا پہلو ملاحظہ ہو کہ آئینہ اس آئینہ رو کو دیکھ رہا ہے، مومن یہ نہیں دیکھ سکتا۔ لہذا وہ کہتا ہے للہ آئینہ مت دیکھو ڈرتا ہوں کہ کہیں تم خود آئینہ کو دیکھ کر غش نہ ہو جاؤ اس شعر کے متعدد پہلوؤں پر نظر رکھئے۔ جمال یار کی تعریف کے لئے کتنا لطیف انداز بیان اختیار کیا ہے کہ آئینہ مت دیکھو کہیں تم اپنا جمال آئینہ میں دیکھ کر خود غش نہ ہو جاؤ۔ رشتک کی وجہ سے عاشق یہ نہیں چاہتا کہ مطلوب آئینہ دیکھے لیکن صاف صاف کیونکر کہے لہذا ایسا انداز اختیار کرتا ہے جس میں بظاہر مطلوب کا فائدہ ہوا اور درپردہ اپنا میرے تغیر رنگ کو مت دیکھ تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

عاشق لاکھ اپنی مصیبتوں میں گرفتار ہو لیکن اس کے دل سے کبھی محبوب کا خیال جا نہیں سکتا۔ وہ اپنی مصیبتوں کو بھول جائیگا مگر مطلوب کو پریشان حال نہیں دیکھ سکتا۔ اس شعر میں مومن نے وہی اپنا مخصوص انداز بیان قائم رکھا ہے۔ جہاں تک تخیل کی نزاکت کا تعلق ہے مومن کا شعر یقیناً میر کے اس شعر سے بڑھا ہوا ہے۔

میرے تغیر حال مت جا اتفاقات ہیں زمانے کے
لیکن شعر میں ایک چیز تخیل و محاکات سے بھی بڑی ہوتی ہے جس کو میں نے ایک جگہ صحت مقامی سے تعبیر کیا ہے، اس نے میر کے شعر کو مومن کے شعر سے کہیں بلند کر دیا ہے لیکن وہ دے میر سے بھی اپنے شعر کو بلند کر دیا ہے:

میرے تغیر حال مت جا یوں بھی اے ہربان ہوتا ہے
مرزا غالب کا شعر بھی سن لیجئے:

نظر لگے نہ کہیں اسکے دست و بازو کو یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں
میرے خیال میں مومن کی نازک خیالی کہیں پڑھی ہوئی ہے۔ شبلی نے لکھا ہے کہ غالب نے خسرو کے اس شعر پر ترقی کی ہے:

جراحت جگر خستگاں چو می پرسی زغزہ پرس کہیں شوخی از کجا آموخت
ہے ایک خلق کا خون سر پر اشک خوں کے مرے سکھائی طرز اسے دامن اٹھائے آنے کی

نازک خیال مومن اپنے انداز بیان کو کبھی ترک نہیں کرتا۔ حسن کو وہ ہمیشہ عشق کا رہن منت ثابت کرتا ہے۔ یہاں بھی دیکھئے اشک خوں کے ڈر سے وہ آتے بھی ہیں تو دامن اٹھائے ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عالم ان کی اس ادا کا شہید ہو گیا اور غریبوں کا خون میرے اشک خوں یعنی میرے سر پر ہوا۔ داغ خوں سے میرے وہ حیراں ہوا دامن اُلجھا ہے گل بے خار سے

شبلی نے شاعری کو محاکات اور تخیل کا مجموعہ کہا ہے۔ اس شعر میں تخیل لطف تشبیہ کی صورت میں جلوہ گر ہوئی ہے وہ اپنے دامن پر خون کے دھبے دیکھ کر حیراں رہ گیا۔ ظاہر ہے کہ شعر کا مطلب صرف اتنا ہے مگر تشبیہ نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اب دامن یار کی نزاکت دیکھئے کہ وہ گل بے خار سے بھی اُلجھتا ہے۔

اب تو مر جاتا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اٹھا جائے ہے

اس شعر میں مومن نے ضعف کی حد کر دی ہے۔ یہاں تک کہ شعر بے تاثیر ہو کر رہ گیا۔ لیکن اب بھی ایک طبقہ اس شعر پر سر دھننے کے لئے تیار ہے۔
 خاک میں ملجائے یارب بیکیسی کی آبرو
 غیر میری نعش کے ہمراہ روتا جائے ہے
 یہ مثالیں نازک خیالی کو تو ضرور ظاہر کرتی ہیں۔ مگر تصنع نے شعر کو شعر نہ رکھا۔ آئندہ صفحات میں میں ان اثرات سے بچت
 کروں گا جنہوں نے مومن سے یہ شعر کھلوائے:

ہے اعتماد مرے بخت خفتہ پر کیا کیا
 دگر نہ خواب کہاں چشم پاسبان کے لئے
 کیا حسن کی تعلیل ہے۔

دفن جب خاک میں ہم سوختہ سماں ہونگے
 فلس ماہی کے گل شمع شبستاں ہونگے

اس مطلع میں مبالغہ حد درجہ کیا گیا ہے۔ یعنی جب ہم سوختہ سماں خاک میں دفن ہونگے تو فلس ماہی ہمارے لئے گل شمع شبستاں
 ہو جائیں گے یعنی ہماری سوختہ بختی کے اثر سے وہ مچھلی جو قدیم خیال کے موافق طبق زمین کے نیچے بالائے آب ہے اور حامل زمین ہے
 اس طور پر کہ مچھلی گائے کوئے ہوئے ہے، اور گائے کے سنگ پر طبق زمین ہے جل جائے گی۔ اور اس کے فلس گل شمع شبستاں کا
 کام دیں گے اور مچھلی کی چربی کی شمع بھی بنتی ہے۔ مومن کے اکثر اشعار میں بناوٹ ہے مگر بناوٹ بھی لازمہ شاعری ہے۔ کیونکہ
 اس کا دوسرا نام معنی آفرینی ہے۔ جب شاعری کو محض سادگی اور بول چال سے بڑھایا جائے گا تو ضرور ہی بلند وازی کیجائے گی
 اور بلند پروازی کا مقتضادقت پسندی ہے۔ یہ ایک لکھنوی کی رائے ہے جن کا مضمون زمانہ سالہ میں شائع ہوا ہے۔ دیکھئے ایسے
 اشعار کی بھی داد دینے والے لوگ موجود ہیں۔ زمانے کے اثر کو دیکھئے غالب کو بھی بعض مرتبہ ایسے ہی شعر کہنے پڑے۔

عرض کیجئے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں
 کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

مومن کیوں پیچھے رہتے انھوں نے مذکورہ بالا مطلع لکھ کر مبالغے کی حد کر دی۔ رفعت تخیل اور نزاکت خیال کے تحت میں سچ
 پوچھئے تو علوئے مضامین۔ جدت ادا۔ اسلوب بیان وغیرہ سب کچھ آجاتا ہے۔ کیونکہ جب تک شاعر کی تخیل بڑھی ہوئی نہ ہوگی وہ ادائے
 بیان میں کیا خاک جدت دکھاسکے گا۔ نزاکت تخیل کا عنوان اتنا جامع ہے کہ مومن کے اکثر اشعار اس کے تحت میں آسکتے ہیں۔ یہاں
 اب میں مثلاً وہ اشعار درج کروں گا جن میں مومن کی تخیل نے علوئے مضامین و جدت ادا و انداز اسلوب بیان سے کام لیا ہے لیکن اشعار
 میں اگر آپ علوئے بیان جدت ادا یا انداز اسلوب بیان کے متجسس ہیں تو مردت اس امر کی ہے کہ چند عنوان مقرر کر لیجئے اور دیکھئے کہ
 مومن نے ایک ایک مضمون کو کس طرح سے باندھا ہے۔ وصل۔ فراق۔ غم۔ ملائی۔ رنج۔ ضد۔ عداوت۔ حسد۔ رشک۔ اضطراب۔
 بیتابی۔ بخوابی کے مضامین۔ بقول شمس العلماء ذواب ادا و ادام اثر مومن خاں خوب باندھتے ہیں ”حقیقت یہ ہے کہ مومن خاں نے جس قدر
 اسالیب بیان میں نزاکت و لطافت پیدا کر دی ہے وہ اُن کی ذہانت اور جلالی طبیعت کی تماشاکاہ ہے۔“

یہ جوش و یاس تو دیکھو کہ اتنے قتل کے وقت
 دعائے وصل نہ کی وقت تھا اثر کا سا
 کیا سناتے ہو کہ ہے پھر میں جینا مشکل
 تم سے میر جم پر مرنے سے تو آساں ہوگا

جمع متضاد میں مومن کو یدِ طولی حاصل ہے یہ بھی اُن کی خصوصیات شاعری میں ہے۔ کہتے ہیں: یہ سب صحیح کہ ہجر میں زندگی مصیبت
 ہو جائے گی، لیکن بہر حال مرنے سے تو جینا آساں ہی ہے۔ لفظ ”مرنے“ سے کیا فائدہ اُٹھایا ہے:

آخر امید ہی سے چارہ حراماں ہوگا
 مرگ کی آس پہ جینا شب بھراں ہوگا

اس انداز بیان کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔ موت کے خیال سے دل کو سمجھا کہ شب بھراں کیا کم تھا۔ کہ اُس کے لئے بھی امید
 کا شرمندہ احسان ہونا پڑتا ہے۔ مومن نے اپنی انفرادیت اس ناوار اسلوب بیان کرنے کے باوجود بھی باقی رکھی ہے۔ مومن کے اکثر
 شعروں میں آپ یہی جمع تضاد کی بات پائیں گے۔

زندگی ہجر بھی ایک موت تھی مرگ نے کیا کارسجیا کیا
زندگی ہجر کا نقشہ اس سے زیادہ موثر طور پر اور کیا کھینچا جاسکتا ہے۔ زندگی ہجر کو مرگ مسلسل کہے جس کی دو اصران موت ہے
جب ہو چکا یقین کہ نہیں طاقت وصال دم میں ہمارے وہ ستم ایجا د آگیا
دیکھے ستم ایجا د نے کیا ستم ایجا د کیا ہے۔ خدا جانے اس ستم ایجا د کرنے کا سہرا مومن کے سر ہے یا ستم ایجا د کے سر۔
وعدہ وصلت سے دل ہوشا د کیا تم سے دشمن کی مبارکباد کیا
تم سے دشمن کے وعدہ وصل کی حقیقت کوئی میرے دل سے پوچھے۔ میں ہی جانتا ہوں کہ وہ کہاں تک باعث سرت ہو سکتا ہے۔
بیخود تھے غش تھے محو تھے دنیا کا غم نہ تھا جینا وصال میں بھی تو مرنے سے کم نہ تھا
وصال و ہجر میں مومن ایسا شاعر کوئی فرق محسوس نہیں کر سکتا، خوف ہیں نگاہیں جانتی ہیں کہ کیفیت میں دونوں ایک ہیں۔
یہی اس شعر میں ثابت کیا ہے۔

ہجر بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش زہر غم پر حرام خوار تو کل نہ ہو سکا
ہجر اور وصال کے مضمون کے لئے مومن نے جو جو اسلوب بیان اختیار کئے ہیں کم شعرا کے ہاں اتنی مثالیں مل سکتی ہیں۔ انداز بیان
میں اتنا تنوع مومن کے نازک خیال دماغ کا بیج پوچھئے تو معجزہ ہے۔

ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا
مومن کے طرز ادا میں ایک بات اور بھی ہے جس کو مولانا شبلی نے شعر العجم میں خصوصیات غالب میں بیان کیا ہے یہ صحیح ہے کہ مرزا غالب
بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔ مگر مومن کے یہاں یہ بات بہت نمایاں ہے کہ اکثر موقعوں پر مضمون کے بعض اجزا چھوڑ جاتے ہیں جس سے
ایک خاص لطف پیدا ہو جاتا ہے، یہ وہ موقع ہوتے ہیں جہاں سننے والے کا ذہن خود بخود اس جزو کی طرف منتقل ہو سکتا ہے، اس شعر
میں مومن نے اپنی اسی اداسے کام لیا ہے اور نہایت حسن کے ساتھ ثابت کر دکھایا ہے کہ وصال ہو یا ہجرتیجہ دونوں کا ایک ہے۔ ملاحظہ ہو
ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا۔ یعنی وعدہ وفا نہیں ہوا اور شب وعدہ شب وصال ہونے کے بجائے شب ہجر ہو گئی لیکن فرض
محال اگر وعدہ وفا بھی ہوتا تو ہم اس پر جان فدا کرتے۔ دوسرا مصرع ملاحظہ ہو ”مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا“ مرنا بہر حال صحت
میں لکھا تھا وہ آتے تو ہم ان پر اپنی جان قربان کرتے وہ نہیں آئے تو ہم غم سے مر گئے۔ مرنا بہر دو حال میں تھا۔ پھر نتیجہ کے لحاظ سے اُنکا
آنا اور نہ آنا دونوں برابر ہے۔

وال طعنہ تیر بار یہاں شکوہ زخم ریز باہم تھی کس مزے کی لڑائی تمام شب
شب وصال کا نقشہ کتنا کامیاب کھینچا ہے۔ فارسی ترکیبوں نے شعر کو کتنا چست کر دیا ہے ان فارسی ترکیبوں کی استعمال کی وجہ بھی
سُن لیجئے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے کہیں دیکھا تھا کہ مومن اور غالب کا یہ خیال تھا ادھیچ خیال کہ غزل میں دو ایک شعر کے سوا زیادہ اچھے
اشعار نکلتا مشکل ہے ایسی حالت میں بہترین صورت ہے کہ فارسی کی عمدہ ترکیبوں کو استعمال کر کے بقیہ اشعار کی بندش چست کر دی جائے
کسو اسطے لے شمع زباں کاٹتے ہیں لوگ کیا تو نے بھی کی تھی شب ہجراں کی شکایت
’بھی‘ کا لفظ رکھ کر کس انداز سے اپنی مصیبت کا ذکر کیا ہے۔

امید وعدہ بھی تو نہیں روز ہجر میں ہم سے وفائے زندگی بے وفا عبث
روز ہجر میں زندگی کا بلائے جان ہونا کس انداز سے ادا کیا ہے۔

اے روزِ حشر کچھ شب ہجراں بھی کم نہیں بدنام ہو جہان میں تیری بلا عبث
مضمون کی بلندی دیکھئے اور اس پر انداز بیان۔ شب ہجراں کو ”نہ حشر سے صرف“ کم نہیں ”کہا ہے، لیکن اثر یہ پیدا

کیا ہے کہ شب ہجر کا نمبر تجھ سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔

اسے دعائے سحری منت تا شیر نہ کھینچ
انتظار اثر نالہ شبگیر نہ کھینچ
کہتے تو ہیں بھلے کی ولیکن بری طرح،

ہم تو بچتے نہیں تا شام وہ آئے تو کیا
رو ز غم کون بھلا آں کے ہوتا ہے شریک
مرچک کہیں کہ تو غم ہجراں سے چھوٹ جائے

کتنا کامیاب انداز بیان ہے۔

کبخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح
سوچھا نہ کچھ مجھے شب مہتاب دیکھکر
برا ہو شوق وصال کا مجھے کہاں لے گیا۔

نئے تاب ہجر میں ہے نہ آرام وصال میں
شوق وصال دیکھ کہ آیا عدو کے گھر
تلاش مضمون دیکھئے شب مہتاب تھی میں سمجھ گیا کہ وہ عدو کے گھر گئے ہوں گے۔

بلبل تصویر کو کب یاد آتی ہے بہار
دیکھئے عشق کا کتنا بلند نظریہ پیش کیا ہے
کچھ نہ سوچھا عالم اس پردہ نشین کو دیکھ کر

نحو حیرت کو وصال و ہجر دونوں ایک ہیں
عاشق حیراں وصال و ہجر سے بلند ہے۔ وہ اپنے خیال ہی میں محو ہے۔
جون نقاب اٹھی مری آنکھوں پر پردہ پڑ گیا

نشانی امیر احمد میتانی کا بھی ایک شعر سن لیجئے :-

نقاب اٹھی تو پردہ پڑ گیا آنکھوں پر حیرت کا

ترے مشتاق کو حسرت رہی دیدار کی تیرے

شاید یہ شعر مومن ہی کے شعر سے ماخوذ ہو۔ مومن نے پردہ نشین کے لفظ کو یہاں بھی نہ چھوڑا۔ لیکن اتنا تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس لفظ نے شعر کی معنویت کو ترقی دیدی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کا معشوق اپنے دور کے مذاق کے خلاف صفت لطیف ہی کا ایک فرد ہوتا تھا۔ اسی ضرورت کو مد نظر رکھ کر مومن نے بار بار پردہ نشین کے لفظ پر اتنا زور دیا ہے۔ رشک آفتاب۔ آفتاب حسن کے الفاظ ایسے ہیں جو ہر دو صفت کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں۔ لیکن پردہ نشین کے لفظ نے مومن کے محبوب کو مختص کر دیا ہے۔ اردو شاعری پر جو یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس کا محبوب جنس قوی سے بھی ہوتا ہے وہ مومن پر وارد نہیں ہو سکتا، غالب کی طرح مومن کا دیوان ایسے اشعار سے پاک ہے۔

یہ زمر د بھی حریف دم افعی نہ ہوا (غالب)

سبزہ خط سے ترا کا کل سرکش نہ دبا

وصل میں احتمال شادی مرگ اس شعر میں مومن ایک پورا جزو چھوڑ گئے ہیں۔ صرت ایک مقدمہ جس میں احتمال کا اختلاف ہو سکتا ہے اسے بیان کر دیا ہے اور دوسرے مقدمہ کی پروا کئے بغیر نتیجہ نکال دیا کہ چارہ گرد در دلا دوا ہے عشق یہ مسلم ہے کہ ہجر میں عاشق کی جانبری ناممکن ہے وصل کی بابت شاعر شادی مرگ کے قوی احتمال کو ظاہر کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عشق کی زندگی دو حال سے خالی نہ ہوگی یا وصل ہوگا یا ہجر۔ ہجر میں مرنا مسلم۔ وصل میں جان کا جانا اغلب۔ پھر اگر درد عشق لا دوا نہیں ہے۔ یہ مومن کا مخصوص انداز بیان ہے۔

طاقت صبر و شکیبائی نہیں

کس توقع پر امید وصل اب

ظالم کہاں و گرنہ اثر میری آہ میں

کیا رحم کھا کے غیر نے دی تھی دعائے وصل

اسلوب بیان اور جدت ادا کی اس سے بہتر مثال ملنا مشکل ہے ملاحظہ ہو کس انداز سے مومن محبوب سے اپنے اہام فرن کی مصیبتوں کو بیان کر گیا۔ وہ مصیبتیں کتنی سخت ہوں گی جن کو دیکھ کر غیر کو بھی رحم آگیا ہو۔

میں نہیں چاہتا کمی اپنی شب دراز میں

تا نہ پڑے خلل کہیں آپ کے خواب ناز میں

کم عاشق دنیا میں پیدا ہوئے ہوں گے جو اپنی شب بھری کی درازی کے خواہاں ہوں۔ دیکھئے مومن نے درازی شب بھری سے کیا بات پیدا کی ہے۔
منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں اتنا رہا ہوں دور کہ ہجر اں کا غم نہیں
جس ہجور کے لئے ہجر عادت ثانیہ بن گئی ہو جس ہجور کے لئے وصل ستم ہو جائے خیال کچھ اس کی ہجری مصیبتیں کیسی ہوں گی۔
اس شعر کو غالب کے اس مشہور شعر سے موازنہ کیجئے:-

ریخ کا خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں
دونوں اشعار میں جو یقیناً ہم معنی ہیں دیکھئے رنگ تغزل کہاں ہے اور کس مقام پر شاعری خشک فلسفے سے علیحدہ ہوتی ہے۔
دن بھی دراز رات بھی کون ہے فراق یار میں کاہے سے فرق آگیا گردش روزگار میں
یہ شعر شرح و تفسیر کی حدود سے بہت بلند ہے۔

اے اجل کاش الٹ جائیں شب بھریاں میں وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں
خیال کی جدت قابلِ داد ہے۔

ربط اُس سے ہے مثل شعلہ و شمع مر جاؤں گر ایک دم جدا ہوں
چھوٹی بکروں میں دراصل مومن کا کمال نمایاں ہوتا ہے۔ حالت جدائی میں جس میں مرنا یقینی ہے اس وقت نظر انداز کر دیجئے صرف
حالت وصل کو لیجئے۔ تشبیہ نے اس میں بھی عاشق کی بقا اری اور تپش کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔

آتی ہے بوئے داغ شب تار ہجر میں سینہ بھی چاک ہو نہ گیا ہو قبا کے ساتھ
اس شعر پر ”زمانہ“ میں ا۔ ز۔ لکھنوی نے لکھا تھا کہ اگر حزیں بھی زندہ ہوتے تو رشک کرتے۔

تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے ہم تو کل خواب عدم میں شب بھریاں ہونگے

ایک ناقد کا خیال ہے کہ مومن کی زبان نہایت پاکیزہ و شستہ ہے کو بعض نقاد ان فن کے یہاں ذوق کی زبان اپنے تمام معاصرین
سے سلیس اور لطیف سمجھی جاتی ہے۔ مگر میرے نزدیک مومن کی زبان اپنے معاصر سے کہیں زیادہ صاف ہے۔ محاورہ کی آمیزش بھی کچھ
کم پر لطف نہیں ہے۔ یہ مومن کی مشہور عام غزل کے مقطع کو چھوڑ کر سب سے زیادہ مشہور شعر ہے۔ ایک لطیف خیال جس لطیف
سے ظاہر کیا گیا ہے صرف ذوق اُس سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ مومن اپنے کو خاتم العشاق سمجھتا ہے۔ لہذا ساری بلائیں ساری
مصیبتیں اس پر ختم تھیں۔ مصیبت تو سب کا ساتھ دیتی لیکن مصیبت کا ساتھ دینے والا عاشق کے سوا کوئی نہیں ملتا۔ اس انداز بیان
کو دیکھئے کہ مومن کو اب اپنی فکر کے بجائے شب بھریاں کا فکر لگی ہوئی ہے۔ غالب نے بھی اسی مضمون کو صرف موزوں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

آئے ہے بے کسی عشق پہ رونا غالب کس کے گھر جانیگا سیلاب فنا میرے بعد

غالب وہ سلاست نہ پیدا کر سکے جو مومن کے اس شعر میں پائی جاتی ہے۔ علاوہ بریں انداز بیان کے فرق نے شعر میں زمین و آسمان
کا فرق پیدا کر دیا۔

لذت مرگ سے ہجر اں میں دعا ہے کہ خدا یہ مزا ہو نہ نصیبوں میں کسی بھیس کے

بھیس لذت مرگ سے کیا خاک لطف اندوز ہو سکتا ہے اسے مومن ہی کے لئے مخصوص ہونا چاہئے۔ نیش کو نوش بنانا شاعر کے بائیں ہاتھ
کا کھیل ہے۔ مومن کی تخیل کو دیکھئے کہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عدد کو نہ کبھی ہجری کی مصیبت اٹھانا پڑے گی نہ اس کے صدموں سے کبھی مرنا ہوگا یہ شرف
توصیف عاشق صادق کی قسمت میں لکھا ہے جب یہی ہونا ہے تو کیوں نہ مرگ کو شربت بنا کر اس طرح پیو کہ ایک بار تو رقیب کو بھی رشک ہو جائے
یہ مومن کی وہ پرواز تخیل ہے جس کے متعلق غلام ربانی صاحب عزیز کا خیال ہے کہ ان بلندیوں پر غالب ایسے سدرہ نشین کے پر جلنے
لگتے ہیں۔
پیم سجود پائے صنم پر دم و دوا مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

فارسی بندشوں سے شعر کو چست کرنا مومن، غالب اور اُن کے متبعین کا طرہ امتیاز ہے۔ مومن کی خصوصیات میں عام طور پر سب سے مشہور خصوصیت تخلص کا نباہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مومن کا تخلص جو اُن کا نام بھی ہے۔ اُن کے لئے بہت کچھ مفید ثابت ہوا لیکن لفظ مومن کی معنوی خصوصیت کو نظر انداز کر دیجئے یا مومن کی جگہ کوئی دوسرا ہمزون تخلص رکھ دیجئے اور پھر بھی اس مقطع کو دیکھئے تو اس کی لطافت میں کوئی کمی واقع ہوگی۔

مومن کے اکثر مقطعے آپ ایسے ہی پائیں گے۔ اگر لفظ مومن ہٹا بھی دیا جائے تو کوئی معنوی نقصان نہیں پیدا ہو سکتا۔ یہ خیال میرے نزدیک صحیح نہیں کہ مومن کا اپنے مقطعوں میں کامیاب ہونا صرف اس کے تخلص کی وجہ سے ہے۔ یہ درست ہے کہ لفظ مومن اختراع مضامین کے لئے ایک بہانہ ضرور ہو جاتا ہے، لیکن جو معانی مومن پیدا کرتے ہیں وہ اُن کے تخلص کے لفظی رعایت سے بہت ارفع و اعلیٰ ہوتے ہیں۔

یاں وصل ہے تلا فی ہجران میں لے فلک
آسمان وصل کا بدلنے کی فکر میں ہے۔ مومن کہتے ہیں بدل کس چیز کا لیگا یہ وصل تو خود ہجر کا بدلہ تھا۔
یارب وصال یار میں کیونکر ہو زندگی
نکلی ہی جان جاتی ہے ہر ہر ادا کے ساتھ
وصال یار میں یار کی جانگداز اداؤں نے ہجر اور وصل میں کم از کم مومن کے لئے کوئی فرق باقی نہ رکھا۔ مومن اپنے لئے وصل و ہجر کو بلحاظ نتیجہ یکساں سمجھتے ہیں۔ اُن کا بھی یہی فلسفہ ہے۔

نہ کٹی ہم سے شب جدائی کی
کتنی ہی طاقت آزمائی کی
کہنا یہ تھا کہ شب ہجر میں ہم بچ نہ سکے لیکن انداز بیان نے اس پاہل اور فرسودہ مضمون میں جان ڈال دی۔
امید مرگ پہ ہر فتنہ راحت جاں ہے
شب فراق میں کیا بیم روزگار مجھے
خوف مرگ کے بجائے امید مرگ پر زندگی بسر کرنے والوں کے لئے اگر ہر فتنہ راحت جاں نہ ہوگا تو کیا ہوگا۔ غالب کا ایک مشہور شعر ہے:-
منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
ناامیدی اس کی دیکھا چاہئے

غالب نے اس شعر میں جتنے معنی پیدا کئے ہیں مومن نے اس سے زیادہ صرف "امید مرگ" کے ٹکڑے سے پیدا کر دیے ہیں۔ غالب کے ہاں دوسرا مصرع بالکل زاید ہے۔ چونکہ خیال میں وہ کوئی وسعت نہ پیدا کر سکے لہذا دوسرے مصرع میں پہلے مصرع سے جو خیال پیدا ہوتا ہے صرف اس کی تفسیر کرنے پر اکتفا کی پہلا مصرع دیکھئے:- "منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید"۔ جس کی امیدوں کا انحصار مرنے پر ہو نظر ہے کہ اس کی ناامیدی کیا ہوگی۔ لیکن دوسرا مصرع جو بدیہی ہے محض بیکار ہو گیا اور وہ پہلے مصرع کو مطلق ترقی نہ دے سکا۔ اس کے معنی پر کوئی اضافہ کر سکا۔ اب مومن کے "امید مرگ" کے ٹکڑے کو لیجئے دنیا اور اہل دنیا کے لئے بیم مرگ ہے مگر عاشق کے لئے امید مرگ، مومن جس وقت شاہراہ عام سے علیحدہ ہوا ہے یعنی جس وقت بیم مرگ کے بجائے اس نے امید مرگ لکھا ہے وہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کی کیا حالت ہوگی جس کے لئے مرگ بیم کے بجائے امید ہو جائے۔ غالب نے دوسری ٹھوکریہ کھائی ہے کہ اُن کی نظر حشر متشائم PESSIMISTIG ہو کر رہ گئی اور مومن نے وہی بات کہی ہے مگر انداز بیان متفادل OPTIMISTIG ہے غالب انتہائے ناامیدی کا نقشہ کھینچتے ہیں اور مومن کمال امید واری کا منظر دکھاتے ہیں۔ تنقید کے اس جزو کو جس مومن کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں جس میں مومن کا پورا رنگ موجود ہے:-
دعا بلا ستمی شب غم سکون جاں کے لئے
سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہاں کے لئے

مومن کے علوئے تخیل کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض اشعار میں تعقید پیدا ہو گئی۔ لیکن پھر بھی ایسے اشعار کی اُن کے کلیات میں کمی نہیں ہے جن کی زبان سے آج بھی ہم پوری طرح لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ شاید مومن کے ایسے ہی اشعار کو دیکھ کر ایک ناقد نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اُن کی زبان ذوق سے بہتر ہے۔ بعض اشعار میں فارسی ترکیبوں نے بندش کو اس قدر چست کر دیا ہے کہ شعر کو کڑی کمان کا تیر، معلوم ہوتا ہے۔ یہاں پر مومن کے کچھ ایسے اشعار میں نقل کر دیں کہ جن کی فصاحت اور سلاست مسلم ہے۔ بعض پوری پوری غزلیں زبان کی

خوبیوں سے آراستہ ہیں۔

اُس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچہ رقیب میں بھی سر کے بل گیا
سجدے کے تسلسل کے اظہار کے لئے 'سر کے بل' چلتے سے بہتر انداز بیان اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

درد ہے جاں کے عوض ہر گت پے میں ساری
چارہ گر کم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا
درد کو جان ثابت کر دیا، لیکن شعر میں سلاست زبان کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ جب درد ہی جان ہے تو ظاہر ہے درماں جان ہی لیکر جائیگا۔
آنکھ نہ لگے سے سب احباب نے
آنکھ کے لگ جانے کا چہر چاکیا،
محاورہ ضرور باندھا ہے مگر استاد ذوق کی طرح شعر کو محض محاورے کی وجہ سے موزوں نہیں کیا ہے اس میں ایک معنویت ہے جو شعرے جدا نہیں ہوتی جس کو جناب غلام ربانی صاحب عزیز نے یوں ظاہر کیا ہے۔

آنکھ نہ لگنا شب بیداری کے معنوں میں آتا ہے اور آنکھ کا لگ جانا محبت کرنے کے معنی دیتا ہے دونوں محاوروں کے بے ساختہ استعمال نے کتنا پرکینے مضمون پیدا کر دیا ہے۔

وقت وداع بے سبب آزرہ کیوں ہوئے
یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا
دم لینے کی طاقت ہے بیمار محبت میں
اتنا بھی غنیمت ہے مومن کا سنبھل جانا
سلاست زبان کے ساتھ تاثیر شعر سے دست و گریہاں ہے۔
سینے پہ ہاتھ دھرتے ہی کچھ دم پہ بن گئی
لو جان کا عذاب ہوا دل کا سخت مانا
اللہ رے ناتوانی جب شدتِ قلق میں
ہالیں سے سر اٹھایا دیوار تک نہ پہنچا
ہجر بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش زہر
غم پر حرام خور تو کل نہ ہو سکا
آپ کی کونسی بڑی عزت
میں اگر بزم میں ذلیل ہوا
رات دن بادہ و صنم مومن
کچھ تو پر مہیزگار ہونا تھا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ور نہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
ایک ایک ادا سو سو دیتی ہے جواب اُسکے
کیونکر لب قاصد سے پیغام ادا ہوتا
ہے یہ بندہ ہی بے وفا صاحب
غیر اور تم بھلے بھلا صاحب
کیوں اُچھتے ہو جنبش لب سے
خیرے میں نے کیا کہا صاحب

مطلع کا طنزیہ انداز ملاحظہ ہو۔ دوسرے شعر میں زبان کو لئے ہوئے کتنا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ اگر آپ نے کسی کو جنبش لب سے اُچھتے دیکھا ہوگا تو یقیناً اس شعر سے محظوظ ہوں گے۔ میرے خیال میں اس حالت کے ظاہر کرنے کے لئے جنبش لب سے اُچھٹنا بالکل نئی تعبیر ہے۔

کیوں لگے دینے خط آذادی
کچھ گنہ بھی غلام کا صاحب
ستم آزار ظلم جو رو جفا
جو کیا سو بھلا کیا صاحب
کس پہ بگڑے تھے کس پہ غصہ تھا
رات تم کس پہ تھے خفا صاحب
کس کو دیتے تھے گالیاں لاکھوں
کس کا شب ذکر خیر تھا صاحب
نام عشق بتاں نہ لو مومن
کچھ بس خدا خدا صاحب

دیکھئے غزل کی غزل لطف زبان میں ڈوبی ہوئی ہے اور ایک طرح کا طنز ہے جو ساری غزل میں ساری ہے لیکن مومن نے محض

لطف زبان کے لئے معنویت کو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

اسے روزِ حشر کچھ شب بھر ایں بھی کم نہیں
بدنام ہو جہان میں تیری بلا عبث
اس شعر میں مومن نے شاعرانہ کمال کی انتہا کر دی ہے۔ مصرعہ اولیٰ پھر ملاحظہ ہو:۔ ”اسے روزِ حشر کچھ شب بھر ایں بھی کم نہیں۔“
شاعر نے یہ تو ضرور کہہ دیا شب بھر ایں روزِ حشر سے کم نہیں لیکن یہ نہ بتایا کہ کس چیز میں۔ مصرع میں اس کا کہیں ذکر نہیں اور یہی شاعر کا
کمال ہے کہ اس نے مقابلہ کسی ایک پہلو کو مخصوص کر کے محدود نہیں کر دیا ہے۔ بلکہ تعمیم سے یہ فائدہ اُٹھایا ہے کہ بغیر اظہارِ مصرع سے یہ
بات ثابت ہے کہ اسے روزِ حشر شب بھر ایں تجھ سے کم نہیں۔ لہذا بدنام ہو جہان میں تیری بلا عبث۔

نئے تاب بھر میں ہے نہ آرام وصل میں
کعبخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح
کیا دکھ نہ دیکھے عشق میں کیا کیا نہ پائے داغ
زخموں پہ زخم جھیلے ہیں داغوں پہ کھائے داغ
جانے دے چارہ گر شب بھر ایں میں مت بلا
وہ کیوں شریک ہوں مرے حالِ تباہ میں
بے جرم پائمال عدو کو کیا کیا
مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

محبوب عاشق سے اپنی وفا جتانے کو کہتا ہے کہ میں نے تمہارے عدو کو بے جرم پائمال کیا مجھے تمہاری خاطر اتنا نظر تھی۔ اب
عاشق کا جواب سُنئے۔ ”بے جرم پائمال عدو کو کیا کیا؟“ مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں۔ تم نے عدو کو بے جرم پائمال کیا، کیا ہوگا
ضرور کیا ہوگا۔ لیکن تمہارے سر کی قسم مجھے اس کا مطلق خیال نہیں۔ اللہ اکبر اب کہ عاشق کی بن آئی ہے مدد کو وہ اتنا حقیر سمجھ
رہا ہے کہ اس کی پائمالی کو وہ کوئی اہمیت نہیں دے رہا ہے۔ یہ صریح انداز بیان ہے جس نے اتنے بڑے مضمون کو دو مصرعوں میں
نہایت سفاقی کے ساتھ ادا کر دیا ہے۔

کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں
عاشق اپنے محبوب سے جو ایک عرصہ کے بعد اُس کے پاس آیا ہے شکوہ کرتا ہے کہ اب تم نے میرے یہاں آنا ہی بند کر دیا ہے۔ وہ
جواب دیتا ہے کیا کروں مجبور ہوں اقربا و طعن دیتے ہیں تمہارے رقیب آوازے کتے ہیں آؤں تو کیونکر آؤں۔ عاشق یہ سنکر جواب دیتا ہے
کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا
تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں
مختب و ہم ہے تو پہمے کھلا دیکھ مجھے
نہ لند نہ اپنی لے مئے ناب نہ ہر آب نہیں
مصرع آخری چار جملوں سے مرکب ہے میرا خیال ہے کہ اس بحر میں ایک مصرع میں چار سے زیادہ مربوط جملوں کا استعمال کرنا
آسان کام نہیں۔ مومن کو زبان پر جو قدرت حاصل ہے اس کا یہ ایک اچھا نمونہ ہے۔

ہر ذرہ میری خاک کا برباد ہو چکا
بس اسے خرام ناز کہ تاب و توان نہیں
مومن تم اور عشق بتاں لے بندہ پرور خیر ہے
یہ ذکر اور منہ آپ کا صاحبِ خدا کا نام لو
عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن
آخری عمر میں کیا خاک مسلمان ہوں گے
در بدر ناصیہ فرسائی سے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے
تسلی و دم واپس ہو چکی
ہمیں ہو چکے جب مہنسی ہو چکی

مومن کی دلکش فارسی تراشوں اور نادر ترکیبوں کی تعریف آزاد کو بھی کرنا پڑی۔ مومن نے فارسی ترکیبوں سے کام لیکر
کہیں شعر کی بندش کو چست کیا ہے کہیں ایک وسیع خیال فارسی کی نئی ترکیب سے ادا کیا ہے۔ چند مثالیں غالباً میرے اس خیال
کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کافی ہوں۔

گرد ہاں بھی یہ خموشی اثر اُٹھاں ہوگا
حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہوگا

خوشی اثر افغان - یعنی وہ فغان جس کا اثر خموشی ہو -

شبم خراب نہرو کتاں سینہ چاک ماہ
دیکھئے فارسی ترکیبوں نے شعر کی بندش کو کتنا چست کر دیا ہے -

چرخ وزیں میں توبہ کا ملتا نہیں سراغ
اہل بازار محبت کا بھی کیا سودا ہے
سجدہ نہ کہیں کرنا مومن قدم بت پر
بیہودہ سری کی کیسی پیاری ترکیب مومن نے اختراع کی ہے -

بیمار اجل چارہ کو گر حضرت عیسیٰ

بیمار اجل چارہ کی ترکیب جس قدر وسیع مفہوم کو ظاہر کرتی ہے وہ ارباب ذوق سے پوشیدہ نہیں - ثنوی - قصاید - اور غزل میں مومن نے بہت سی نئی ترکیبیں ایجاد کی ہیں - مثلاً - خموشی اثر - اجل چارہ - آشوب گاہ حشر غم - جراح زار - آئین سرا - زبان اجابت - بیہودہ سری - دم خوننا - ریز - حادثہ ریز - زخم ریز - تیر بار - رند خمدہ کش - گرم پانی برق تپاں - زبان بیہودہ سایل - گلر ز تکلم - بے پروا خرامی - حسرت فرماں روا - بخت بخواب آسودہ - عقوبت ربا - قدم فرسا - خواب تمنا یاب - عشق حیات - زبول اضطراب - مصیبت بھرہ - قبول شوق دشواری - پسند - رقیب آفرینیاں - میکدہ آشام - آہوئے نیم خواب - جان تہفتہ راز - نالہ رخنہ ساز - اثر اہتمام - چشم ستارہ باز - شوق ہرزہ کار وغیرہ - مثالیں طوائف کے اندیشہ سے نظر انداز کی جاتی ہیں -

یہی وہ مقام ہے جہاں شاعر کے زود طبیعت کا پتہ چلتا ہے -

تشبیہ و استعارہ

کیا کیا شکن دئے ہیں دل زار کو گھر
اس کے خیال میں ورق انتخاب تھا

بالکل اچھوتی تشبیہ ہے - لفظ شکن سے کیا کیا فائدے اٹھائے اور دل زار کو شکن دینے کی کیا پیاری توجیہ کی ہے - ورق انتخاب کو عموماً موڑ دیا جاتا ہے - مومن کا دل اس بنا پر دکھایا جاتا ہے کہ وہ محبوب کی نظروں میں چڑھا ہوا ہے -

کس کی زلفوں کا دھیان تھا کہ میں شب
محو دو د چراغ فانی رہا

زلف کو دو د چراغ کہنا کئی حیثیتوں سے پر لطف ہے - شب بہ اور شبہ میں ایک وجہ شبہ حرکت ہے - دوسری سیاہی - اور تیسری پریشانی - پھر لطف یہ ہے دو د چراغ کی ترکیب فوراً خیال کو چراغ کی لو کی طرف لیجاتی جس کے مقابل یہاں محبوب کا چہرہ ہے -

آتش آہ بے اثر سے مرے
آسمان گلشن خلیل ہوا

تشبیہ کی جدت قابل داد ہے - آسمان کو کس خوبصورتی کے ساتھ گلشن خلیل ثابت کیا ہے -

موسفیدی کے قریب اور ہے غفلت مومن
نیند آتی ہے آرام دگر آخر شب

واں تو ہے زرد پوش یہاں میں ہوں زرد رنگ
لیکن تیری لبنت مستعار ہے اور میری لبنت اصلی ہے -

داغ جدائی در دندان دروے وزلف
ہے اشک شمع شعلا شمع دغاں شمع

کتفی مسلسل تشبیہ ہے -

ربط اُس سے ہے مثل شعلا و شمع
مرجاؤں گر ایک دم جدا ہوں

اس تمثیل سے کس نئے انداز سے یہ خیال ادا کیا ہے - کہ وصل میں جلتا قسمت میں لکھا ہے - اور ہجر میں مرنا -

واعظ کے ذکر مہر قیامت کو کیا کہوں
عالم شب وصال کی آنکھوں میں چھائے

محبوب کے روئے انور کی تابش کو کس لطف سے بیان کیا ہے۔

محاکات

کسی چیز یا حالت کی تعریف اس طرح بیان کرنا کہ اس شے کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جائے۔ محاکات کہلاتی ہے۔ رقیب کی رقابت - غم عشق - وعدہ وصال - امید و فاد وغیرہ سیکڑوں قسم کے واقعات ہیں۔ جو عاشق کو عشق میں پیش آتی ہیں۔ ان واردات کو شعر میں بیان کرنا کہ سننے والے کے دل میں وہی جذبات موجزن ہونے لگیں۔ شاعری کا بہت بڑا کارنامہ ہے، ورنہ رقابت، شب بھر کی مصیبت، عشق کی جانکاہی وعدہ وصال میں انتظار وغیرہ فی نفسہ کوئی ایسے واقعات نہیں جو کسی کو پیش نہ آتے ہوں۔ اس لئے ایک ہی چیز کا وقوع اتنا عام ہو، اس میں کوئی جاذبیت نہیں پیدا ہو سکتی۔ مگر شاعر اپنے جوش بیان اور طرز ادا سے اسے اس قدر لطیف اور پرکیف بنا دیتا ہے کہ اس کا لطف کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے سننے والے سنتے اور سردھنتے ہیں جس قدر شاعری کی تخیل زبردست ہوگی۔ اُس قدر اس کی شاعری کیف بار اور نشہ آور ہوگی۔ محاکات کی مثالیں مومن کے کلام سے پیش کرنے سے پہلے ضرورت اس امر کی ہے کہ اگر محاکات اور تخیل میں کوئی فرق ہے تو اسے واضح کر دیا جائے۔ صاحب مرآۃ الشعر کی رائے ہے کہ شعر کی ایسی تقسیم نہیں کی جاسکتی کہ وہ حکائی ہو اور تخیلی نہ ہو یا تخیلی ہو حکائی نہ ہو۔ غرض یہ ہے کہ محاکات کو ہم تخیل سے الگ نہیں کر سکتے۔ شعر بہر حال تصویر معنوی ہے۔ میری رائے میں محاکات تصویریری اور دوسرے محاکات تخیلی ہے۔ ظاہر ہے کہ محاکات تصویریری میں صورتی پہلو غالب ہوگا اور محاکات تخیلی میں خیالی پہلو۔ اب مثالیں ملاحظہ ہوں:-

لگی ہچکی ہے سر زانوئے غم پر سر ہے کہ یاد آیا

کسی کو زانو پر ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ یہاں بھی تشبیہ کا تسلسل دیکھئے اور وہ زانو پر ہاتھ مارتے ہیں یہاں زانوئے غم پر سر ہے وہاں قد قہ ہے یہاں ہچکی بندھی ہوئی ہے۔

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم
مومن نے بیکسی کی کتنی مکمل تصویر کھینچی ہے۔

جو پہلے دن ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم

اگر نہ ہاتھ میں اس دلبر کے دل دیتے

اگر نہ دام میں زلف سیہ کے آجاتے

اگر نہ لگتی چپ اس بدگماں کی شوخی سے

نہ جاتے اس بت ہر جانی کی گلی میں اگر

اس آفت دل و جاں پر اگر نہ مر جاتے

نہ بھرتے دم جو کسی شعلہ رو کی خواہش کا

اگر نہ آنکھ تغافل شعار سے لگتی

نہ ہوش گھومتے اگر اس پری کی باتوں پر

اگر نہ ہنسنا ہنسنا کسی کا بھا جاتا

اگر نہ دیکھتے وہ پیاری پیاری صورت آہ

جو غم بتوں کا نہ ہوتا تری طرح مومن

غزل کے دوسرے مصرعوں میں جو نقشہ کھینچا گیا وہ کس دلدادہ و آشفتہ حال پر صادق نہ آئے گا راہ عشق میں جن جن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے ان کا کما حقہ بیان اور کیا ہو سکتا ہے۔

کسی کا ہاتھ ہر دم مارنا زانو پہ قد قہ کر

کسی کو زانو پر ہاتھ مار کر ہنستے ہوئے کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ یہاں بھی تشبیہ کا تسلسل دیکھئے اور وہ زانو پر ہاتھ مارتے ہیں یہاں زانوئے غم پر سر ہے وہاں قد قہ ہے یہاں ہچکی بندھی ہوئی ہے۔

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم
مومن نے بیکسی کی کتنی مکمل تصویر کھینچی ہے۔

جو پہلے دن ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم

اگر نہ ہاتھ میں اس دلبر کے دل دیتے

اگر نہ دام میں زلف سیہ کے آجاتے

اگر نہ لگتی چپ اس بدگماں کی شوخی سے

نہ جاتے اس بت ہر جانی کی گلی میں اگر

اس آفت دل و جاں پر اگر نہ مر جاتے

نہ بھرتے دم جو کسی شعلہ رو کی خواہش کا

اگر نہ آنکھ تغافل شعار سے لگتی

نہ ہوش گھومتے اگر اس پری کی باتوں پر

اگر نہ ہنسنا ہنسنا کسی کا بھا جاتا

اگر نہ دیکھتے وہ پیاری پیاری صورت آہ

جو غم بتوں کا نہ ہوتا تری طرح مومن

غزل کے دوسرے مصرعوں میں جو نقشہ کھینچا گیا وہ کس دلدادہ و آشفتہ حال پر صادق نہ آئے گا راہ عشق میں جن جن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے ان کا کما حقہ بیان اور کیا ہو سکتا ہے۔

غزل کے دوسرے مصرعوں میں جو نقشہ کھینچا گیا وہ کس دلدادہ و آشفتہ حال پر صادق نہ آئے گا راہ عشق میں جن جن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے ان کا کما حقہ بیان اور کیا ہو سکتا ہے۔

کس کی خبر اب آنے کی کس لئے ہے یہ بتیابی، کس لئے ہیں ہم ہر دم پھرتے آتے ہیں اور جاتے ہیں
شب وعدہ اپنی بقیہ رسی کا کتنا موثر اور صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ کسی کے انتظار میں بتیابی کا اس طرح مظاہرہ بالکل فطری ہے۔
دمبدم رونا ہمیں چاروں طرف ٹکنا ہمیں کیا کہیں عاشق مہمے یا ہو گیا سودا ہمیں
عاشق کی کتنی حسرت بھری تصویر کھینچی گئی ہے۔ ”دمبدم رونا ہمیں چاروں طرف ٹکنا ہمیں“

اپنی آواز قدم سے بھی وہ ڈر کر رات کو مڑ کے پیچھے دیکھ لیتا ہر قدم پر آپ کو
شاعری بہر حال معنوی مصوری ہے، رات ہے۔ بہت ممکن ہے اندھیری ہو۔ وہ کہیں جانے کے لئے چھپ کر گھر سے نکلے ہیں
قدم قدم پر خوف دامن گیر ہے کہ کہیں کوئی دیکھتا نہ ہو، تنہائی ہے۔ اپنی آواز قدم سے بھی دوسروں کے پیروں کی آواز سنائی دیتی ہے
اس تمام منظر کا ہو بہو نقشہ مومن نے اس شعر میں کھینچ کر رکھ دیا ہے۔

ہوئے اتفاق سے گر ہم تو وفا جتانے کو دمبدم گلہ ملامت اقرار تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
اس ایک شعر میں پوری حدیث شوق موجود ہے۔ آغاز محبت سے لیکر انجام محبت تک کی ساری سرگزشت اس ایک شعر میں کھدی
گئی ہے۔ آغاز عشق کی سرگزشت سنئے۔ راز عشق افشا ہو چکا ہے۔ وہ چھپنے لگے ہیں بلکہ چھپائے جانے لگے ہیں اگر کبھی حسن اتفاق
سے ملاقات ہو گئی تو پیشتر اسکے کہ عاشق اس کی شکایت کرے کہ اب تو آپ نے اپنی صورت دکھانا بھی چھوڑ دیا ہے وہ ملتے ہی بول
اٹھتے ہیں ہم مجبور تھے تم سے نہ مل سکے کیا کریں اور ملامت کرتے ہیں۔ گھر گھر ہماری محبت کا چرچا رہتا ہے مطلب اس کہنے سے یہ ہوتا ہے
کہ ہماری وفا اور محبت میں فرق نہیں آیا ہے عزیزوں کی ملامت سے جان مصیبت میں ہے ہمیں خود تم سے جلد جلد نہ ملنے کا افسوس ہے
اب انجام محبت کا بھی حال سن لیجئے۔ یا ایک وہ زمانہ تھا کہ اتفاقہ ملاقات میں محض اظہار وفا کے لئے تم ملامت اقرار کا ہم سے گلہ
کرتے تھے یا اب وہ دن آگیا ہے کہ اب مجھے اس میں بھی شک ہے کہ آیا تمہیں یاد بھی ہیں یا نہیں۔ ساری غزل کی غزل حالیہ ہے سادگی
اصلیت تاثیر اور تسلسل بیان ایک بار عہد الفت کے بھولے ہوئے افسانے کی یاد کم از کم ضرور تازہ کر سکتا ہے۔ اسی غزل کے چند شعر
اور ملاحظہ ہوں :-

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے بھی راہ تھی سونباہنے کا تو ذکر کیا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے کتے با وفا میں وہی ہوں مومن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
یہ ہے سرگزشت بلا کشان محبت۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مصور کا قلم رک جاتا ہے اور شاعر کی دنیا شروع ہوتی ہے۔
گلہ ہرزہ گردی کا بیجا نہ تھا کچھ وہ کیوں مسکرائے بجا کہتے کہتے

میں نے ہرزہ گردی کا جب شکوہ کیا تو انھوں نے مسکرا کر فرمایا جی ہاں بجا ہے۔ یہ بجا کا طنزیہ استعمال ہے اور اس پر تبسم اہل
بھی قیامت ہو گیا یہاں مومن کی قوت مشاہدہ اور قوت بیان کو دیکھئے۔ آپ نے بھی دیکھا کہ آپ نے جائز شکایت کی اور وہ بجا ہے کہ گر
ٹال دی گئی۔ بجا ہے کے متعدد پہلو ہوتے ہیں۔ ایک تو اس طرز اقرار میں اقرار کی ندامت نہیں باقی رہتی دوسرے انکار کا بھی پہلو نکلتا ہے
یہ سراقوی پہلو طنزیہ ہے۔ مومن نے قیامت یہ کی ہے کہ اس پر مسکرا ہٹ بھی زیادہ کر دی یہاں سے اس دنیا کی سرحد شروع ہوتی ہے
جہاں سے مومن نے دنیا سے الگ ہو کر اپنی دنیا بسائی ہے اور اسی بساط پر مومن کو مس لمن الملکی بجاتے ہیں۔

خصوصیات مومن مومن کے کلام میں ایک مخصوص وصف ہے جس میں کوئی استاد ان سے بہتر تو درکنار ان کے برابر بھی نہ ہو سکا
وہ یہ کہ مومن اپنے مطلب کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ مخاطب اس میں اپنا فائدہ تصور کرتا ہے مثلاً یہ کہنا
ہے کہ دشمن کی طرف نہ دیکھو تو اس کے لئے یہ انداز اختیار کرتے ہیں :-

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
اب بخیال دوستی دشمن محبوب مجبور ہے کہ وہ غیر کی طرف نہ دیکھے۔ محبوب پر ثابت کیا ہے کہ تمھارے نہ دیکھنے سے دشمن کا فائدہ ہے اور فائدہ اپنا متصور ہے۔

سرمگس آنکھوں سے تم نامہ لگاتے کیوں ہو
محبوب کو اور کس طرح رقیب کے خط کی تکریم کرنے سے روکا جاسکتا ہے۔
خاک میں نام کو دشمن کے ملائے کیوں ہو

منظور ہو تو وصل سے بڑھ کر تم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجران کا غم نہیں
یوں کہنے سے کون سنتا ہے کہ آئیے مجھ سے مل جائیے۔ لہذا یہ کہا کہ ہجر کے صدمے اٹھاتے اٹھاتے عادت سی پڑ گئی ہے۔ تم سنگرم ہو
میں تمھیں صلاح نیک دیتا ہوں اب تو تم مجھ پر صرف یہ نہیں ستم کر سکتے ہو کہ کبھی آن کر مل جاؤ لیکن سچ تو یہ ہے کہ یہ شعر محض شوخی ادا کا
کارنامہ نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مومن نے ہجر میں اتنے دن کاٹے ہیں کہ وہ عادت ثانیہ بن گئی ہے اور ہجر کے نشتر میں وہ غلش نہیں
وہ گئی اگر تم ستم ہی کے خوگر ہو تو ایسی حالت میں وصل سے بڑھ کر اور کیا ستم ہو سکتا ہے لیکن یہ بھی تمھاری پسند پر موقوف ہے۔ منظور
ہو تو وصل سے بڑھ کر ستم نہیں، ورنہ میں تو وصل ہجر کے جھگڑوں سے دور نکل گیا ہوں۔

خواہش مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی اراں ہوگا
گو یا مومن خاں محبوب کو جو رجحان سے باز آنے کی صلاح دیکر خود اسی پر احسان کر رہے ہیں۔ دیکھئے محبوب سے کہنے اور استدعا
کرنے کا کتنا لطیف انداز بیان اختیار کیا ہے۔ دبی زبان سے شکوہ جو بھی کرتے جاتے ہیں کہیں کہیں اس داستان کے پردے میں عرضِ فنا
کے بھی افسانے سنائے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ تقاضائے کرم بھی کرتے جاتے ہیں۔ سب کچھ کہتے جاتے ہیں مگر فائدہ اسی دشمن جان
کا مد نظر ہے شعر ایک بار پھر پڑھ لیجئے:-

خواہش مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی اراں ہوگا
بہت سناچکے لاشد اتنا نہ ستاؤ کہ میرے دل میں مرنے کی آرزو پیدا ہو جائے۔ جفا سے باز آؤ ورنہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس دل میں تنگ
تمھاری آرزو بسی ہوئی ہے اسی دل میں موت کی آرزو بھی ہوگی جسے میں نہیں دیکھ سکتا۔ شعر کا بلند پہلو یہ ہے کہ جو دوستم کی عاشق حکایت
ضرور کرتا ہے لیکن نہ اس لئے کہ اسے تکلیف ہوتی ہے، بلکہ صرت اس خوف سے کہ کہیں دل میں دوسری آرزو (موت) کی نہ پیدا ہو جائے۔
یعنی شعر کا ایک سطحی پہلو تو وہی ہے کہ مومن اپنا فائدہ چاہتا ہے لیکن یہ خود غرضی ہے اور دنیا کے عاشقی میں جایز نہیں۔ بلند معیار
عاشقی یہ ہے کہ اپنی جاتی ہے تو جائے لیکن دل میں غیر کا خیال نہ آئے پائے۔ مومن نے اس پہلو کو ترک نہیں کیا ہے۔ بہت تم نے ستایا،
شوق سے ستاؤ، لیکن اتنا نہیں کہ موت کی تمنا بھی دل میں پیدا ہو جائے۔ شکوہ جو، قتلے کرم غرض و فنا، ایک سانس میں مومن
ساری داستان عشق ختم کر گئے۔

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزہ غماز دیکھنا
بزم میں اگر آپ نے سب کی طرف دیکھا اور صرف مجھ سے تجاہل برتا تو، لامحالہ اغیار یہی نتیجہ نکالیں گے کہ آپ کو مجھ سے کوئی نہ کوئی خصوصیت
ضرور ہے، بہتر یہی ہے کہ میری طرف بھی اک نگاہ غلط انداز، ڈال لیجئے:-

شعاعِ دل کو ناز تابش ہے
اپنا جلوہ زرا دکھا جانا

یہ بلند پروازی تنہا مومن کے حصے میں آئی تھی۔ بقول میرے ایک دوست کے جب میں اس شعر کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں
تو کثرت معنی سے میرا دم گھٹنے لگتا ہے اور گھبرا کر شعر بھول جانے کی ناکام کوشش کرتا ہوں۔ ملاقات کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی
اور آتشِ ہجر نے دل و جگر کو پھونک رکھا ہے۔ عاشق محبوب کے مزاج سے واقف ہے اسے معلوم ہے کہ محبوب دعویٰ یکتائی ہے۔

دیکھئے ملاقات کی کیا پیاری صورت نکالی ہے کہتا ہے شعلہ دل کو اپنی تابش پر ناز ہو چلا ہے خدا را آؤ اور اپنا جلوہ تو دکھا جاؤ یہ تو وہی مومن کا مخصوص انداز بیان ہے۔ اب ذرا شعر کی وسعت پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔ کہتا ہے، جو آگ تم نے لگائی تھی وہی آج بلند ہو ہو کر تمھاری بجلی پر چمک زنی کر رہی ہے تمھارے بھر میں بھی وہ اثر ہے کہ وہ شعلہ دل میں اتنی تابش پیدا کر سکتا ہے۔

محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو

محبوب جب کبھی اغیار کو دزدیدہ نظر سے دیکھتا ہے تو عاشق کو تکلیف ہوتی ہے مگر یہ تکلیف دور کیونکر ہو عاشق کو یہ تدبیر سوچھی کہتا ہے آپ اگر راز عشق کو ظاہر ہی کرنے پر تلے ہیں تو محفل اغیار کو دزدیدہ نظر سے دیکھئے اور ضرور دیکھئے۔

شام سے تا صبح مضطرب صبح سے تا شام ہم ایک عالم میں ہیں کیوں لے کر دیش ایام ہم کیوں لے کر دیش ایام کیا اسی کا نام گردش ہے کہ ہم اب تک اسی عالم اضطراب میں ہیں۔

لذت جو رکشتی نے مجھے شرمندہ کیا طعنے کیا کیا اُسے ارباب ستم دیتے ہیں یعنی اب مجھ پر ستم کرنے کی صرف یہی ایک صورت رہ گئی ہے کہ وہ ترک ستم کرے۔

گر ذکر وفا سے یہی غصہ ہے تو اب سے گو قتل کا وعدہ ہے تقاضا نہ کریں گے تقاضا نہ کرنے کے لئے صرف وعدہ قتل کو تجویز کیا ہے۔ اپنا مطلب ہر حال میں حاصل ہے۔

میرے سینے پر قدم زور سے مت رکھ لے ظالم ہاں نہ چہچہ جائیں کف پائیں کہیں دل کے خار

اس شعر کی بندش بھی ملاحظہ فرمائیے۔ یہاں مومن کا کمال فن اپنے متبادل کمال تک پہنچ گیا ہے پہلا مصرع ہے میرے سینے پر قدم زور سے مت رکھ ظالم کیونکہ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ اس شعر کی تحلیل نفسی کیجئے ممکن ہے اس کے بعد مومن کے کمال کا کچھ اندازہ ہو سکے موقعہ یہ ہے کہ عاشق محبوب کو جو رجحان سے باز رکھنا چاہتا ہے جس کی صورت اس کے ذہن میں آتی ہے یعنی یہ کہ کوئی ایسی تدبیر نکالے جس میں بظاہر یا حقیقتاً محبوب کا فائدہ بھی مد نظر رہے اب اس نعیم کو تخصیص سے بدل دیکھئے اور صورت حال یہ پیش نظر رکھئے کہ عاشق کے سینے پر محبوب کا قدم ہے اور اسے تکلیف ہو رہی ہے۔ لہذا یہ ضروری ہو گیا کہ کوئی تدبیر ایسی کی جائے جس سے یہ تکلیف رفع ہو سکے۔ عاشق نے سوچا کہ اگر یہ کہا جائے کہ میرے سینے پر قدم زور سے مت رکھ تو وہ کیوں ماننے لگا لہذا یہ کہا جائے کہ اگر تم نے میرے سینے پر زور سے قدم رکھا تو ڈر ہے کہ میرے دل کے خار تیرے پائے نازک میں چبھ نہ جائیں۔ چونکہ یہ موثر صورت تھی اس نے یہی آخری صورت اختیار کر لیا ارادہ کیا موقعہ کی نزاکت کا یہ خیال ہے کہ سینہ پاؤں کے نیچے دبا ہوا ہے، کہنا چاہتا ہے کہ میرے سینے پر زور سے قدم مت رکھ ورنہ خون ہے کہ میرے دل کے خار تیرے کف پائیں چبھ جائیں۔ ظاہر ہے کہ دوسری صورت محض مقصد براری کے لئے نکالی گئی ہے گھبراہٹ میں عاشق اپنی پہلے سے سوچی ہوئی تدبیر پر عمل کرنے کے بجائے صاف کہہ جاتا ہے کہ میرے سینے پر قدم زور سے مت رکھ ظالم لیکن فوراً اسے احساس ہوتا ہے کہ میں کیا کہنا چاہتا تھا اور کیا کہ گیا فوراً وہیں سے بات بدلتا ہے ”ہاں نہ چہچہ جائیں کف پائیں کہیں دل کے خار“۔ ہاں، کا لفظ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ عاشق نے (وقعۃً اپنی بات بدلی ہے) انسان جھوٹ بولنا چاہتا ہے لیکن بعض اوقات گھبراہٹ بول دیتا ہے اور جب اسے احساس ہوتا ہے کہ میں کیا کہ گیا وہیں سے بات بدلتا چاہتا ہے۔ اور ایسی ہی صورتیں اختیار کرتا ہے، یہ صرف مومن کا کمال ہے کہ اُس نے تمام واردات کو ایک شعر میں پوری طرح ظاہر کر دیا ہے۔

طنز ادبیات میں طنز نے ایک نمایاں حصہ لیا ہے۔ انگریزی ادبیات میں (steel) اسٹیل اور (swift) سوئفٹ

اپنی طنزیہ طرز تحریر کی بابت بہت مشہور ہیں طنز پیرائے میں بیان کے لئے ایک خاص طور کی ذہنیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ طنز بچوں سے مختلف اور بلند ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک بچہ گو طنزیہ شاعری بھی کر سکے بلکہ میر تو خیال ہے کہ حاجی، طنز گو ہو ہی نہیں سکتا۔ طنز نہایت بلند چیز حاجی کی پرواز تخیل و ہاں تک پہنچ نہیں سکتی نثر میں طنزیہ پیرایہ بیان اختیار کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا نظم میں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نثر

کی تحریروں میں کبھی کبھی بعض مصنفین کے یہاں طنزیہ رنگ جھلک جاتا ہے لیکن نظم میں بہت کم شاعر اتنا لطیف مذاق فطرت کی طرف سے لیکر آئے ہیں جو طنزیہ شاعری کر سکیں۔ بچو گو شاعر بہت گزرے ہر زبان میں گزرے لیکن کلام میں طنزیہ پیدا ہو سکا۔ جہاں تک تاثیر کا تعلق ہے میرا خیال ہے کہ طنزیہ نشر ہے جو رنگ جاں پر کارگر ہوتا ہے طنزیہ میں نزاکت ہے اور بچوں میں سخاوت خصوصیات مومن میں طنزیہ شاعری بھی ہے یہ بات کسی شاعر کو کم نصیب ہوتی ہے۔ مومن کی لطافت مذاق کا یہ عالم ہے کہ وہ طنز گو ہیں لیکن بچو گو نہیں۔ میرے ایک محترم دوست نے طنزیات میں پھبتی۔ جلی کٹی آواز سے وغیرہ کو بھی شمار کیا ہے ممکن ہے یہ تقسیم غلط ہو لیکن مجھے تو طنز کے مقابل میں ان سب چیزوں میں سخاوت کی بڑا آتی ہے ان کا شمار طنزیات کے بجائے بچوں میں زیادہ کامیابی کے ساتھ ہو سکتا ہے اور طنز کو میں بچو سے بالکل علیحدہ چیز سمجھتا ہوں بہر حال میرے دوست نے طنزیات میں طعن، آواز، تشنہ، استہزا، زبرد تو بیخ، ملامت، بچو، بولی ٹھولی، شکوہ شکایت، نوک جھونک، رمز و کنایہ، جلی کٹی، واسوخت سب کچھ داخل کیا ہے۔ اردو شاعری میں مومن سے پہلے طنز پایا نہیں جاتا۔ اکبر مرحوم کے کلام میں طنز کا کہیں کہیں ہلکا سا رنگ ضرور موجود ہے مگر چونکہ اکبر مرحوم کی شاعر یکسر سطحی شاعری ہے لہذا ان کے طنزیہ کلام میں وہ نشتیریت نہ پیدا ہو سکی جو مومن کا طرہ امتیاز ہے۔ میں ذیل میں مومن کی طنزیہ شاعری کو چند مثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کروں گا۔

کس دن تھی اُس کے دل میں محبت جو اب نہیں سچ ہے کہ تو عدد سے خفا بے سبب ہوا

طنزیہ کلام کو سمجھنے میں عموماً پہلی غلطی یہ ہوتی ہے کہ متکلم کے بارے میں ہمارا پہلا خیال یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے صحیح نہیں ہے یعنی الفاظ کا مفہوم کچھ اور ہے اور مدعا کچھ اور مثلاً شاعر کہتا ہے:- "سچ ہے کہ تو عدد سے خفا بے سبب ہوا" ظاہر ہے کہ اس کہنے سے وہ یہ مفہوم لے رہا ہے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ تو عدد سے بے سبب خفا ہوا، لیکن یہ طنز کا سطحی پہلو ہے۔ اب ذرا غور کیجئے کہ اگر شاعر جو کہہ رہا ہے اُس کو محسوس بھی کر رہا ہے اور اس سے وہی مطلب لیتا ہے جو کہہ رہا ہے نہ کہ اس کا برعکس تو اس کے کلام کے طنز کا کیا ٹھکانا۔ میں دوسری مثال سے اپنے مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کروں گا **Swift** کے نام سے کم انگریزی دال حضرات ہوں گے جو ناواقف ہوں گے جس ماحول میں اس کی زندگی بسر ہوئی اس کا تقاضا تھا کہ وہ طنز مجسم ہو کر رہ جائے ملک میں محظ و افلاس کا دور دورہ ہے بوڑھے بچے جو ان فاتحے کے ہاتھوں مر رہے ہیں سلطنت اس پریشانی کو دور کرنے کی ہر طرح سعی ہے لیکن کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی سو فٹ کی زندگی ان ایام میں بھی جب خوشحال تھا تنگ دستی کے ساتھ بسر ہو رہی تھی اب کہ ملک میں قیامت برپا تھی اس کا کون پرسان حال تھا۔ سلطنت کی تدابیر جب اس صورت حال کو بدلنے سے ناکامیاب رہی تو سو فٹ بھی تنگ آکر ایک قیامت خیز تجویز پیش کی اور اس کا عنوان **(a modest proposal)** تجویز کیا۔ تجویز میں کیا تھا۔ آپ سننے کی تاب نہ لاسکیں گے۔ اس نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ غریب والدین کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو حلال کر دیا جائے اس کی رائے تھی کہ ان کی رانوں کا کباب نہایت عمدہ ہوگا۔ سینہ قورمے کے لئے بہت موزوں ہے۔ اس تجویز کا فائدہ یہ دکھایا تھا کہ ان بچوں کو حلال کرنے سے انکے والدین کو ایک بڑی مصیبت اور فکر سے نجات مل جائے گی یہ لڑکے جو غذا کھاتے وہ بچے جائے گی، اور دوسرے ان کا گوشت خود غذا کا کام دیگا۔ اس تجویز کے طنزیہ پہلو کو نظر انداز کیجئے کہ ایک شخص دنیا کا ستایا ہوا زندگی کی آسائشوں سے محروم چلے ہوئے مگر صدق دل سے یہ تجویز پیش کرتا ہے تو کیا آپ اسے محض طنز کہہ کر نظر انداز کر دیں گے جن لوگوں نے سو فٹ کی زندگی پر بامعان نظر ڈالی ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ سو فٹ کی یہ تجویز مذاق نہ تھی بلکہ وہ دراصل اسے محسوس کرتا تھا کہ یہی ایک حل اس مشکل کا ممکن ہے اب اپنے شاعروں کو دیکھئے جو دن رات جو آسائش اور معشوق کا گلہ کرتے رہتے ہیں اگر وہ سچے دل سے گلہ کرتے ہیں تو وہ طنز نہیں بول سکتے جو صداقت سے خالی ہو۔ مومن نے دنیا کے عشق و محبت میں جو مصیبتیں جھیلی ہیں جن کا نقشہ ہمیں ان کی آپ بیتی تنویوں میں نظر آتا ہے کم از کم مجھے تو ضرور مجبور کرتا ہے کہ میں ان کے طنزیہ کلام کو محض طعن و تشنیع کہہ کر ٹال نہ دوں، بلکہ اس تلخ حقیقت پر غور کروں جو ان طنزیہ اشعار کے لفظ لفظ میں ساری ہے۔ شعر کے دوسرے

مصرعے میں مومن نے محبوب کے بیان کو بلا اضافہ الفاظ دہرایا ہے۔ سچ ہے کہ تو عدد سے خفا بے سبب ہوا، یہ سچ اگر جھوٹ ہو جائے تو یقیناً اس میں وہ طنز باقی نہ رہے گا جو سچ ہونے کی حالت میں موجود ہے :-

ہے یہ بندہ ہی بے وفا صاحب غیر اور تم بھلے بھلا صاحب
طعن، آواز، تشبیہ، تشبیہ، زجر و توبیخ، ملامت، ہجو، بولی ٹھولی، شکوہ و شکایت، نوک جھونک، رمز و کنیہ، جلی کٹی
و اسوخت وغیرہ اور طنز میں یہی فرق ہے کہ ان سب اصناف سخن کے یہ دو پہلو نکلتے، اسی شعر کو لے لیجئے "ہے یہ بندہ ہی بے وفا صاحب" ایک تو اس کے عام معنی ہوئے کہ بیوفا کہ کو اپنی وفا شاعری پر زور دیا جا رہا ہے۔

لیکن اگر اسی کو سچ سمجھ لیجئے کہ "ہے یہ بندہ ہی بے وفا صاحب" اور اس مصرعے کی کوئی تاویل نہ کیجئے پھر اس کے بعد مومن کی ذہنیت کا تجزیہ کیجئے اس وقت آپ پر روشن ہوگا کہ اس شعر میں کتنے تیر و نشتر پوشیدہ ہیں جو شخص یہ کہہ سکے کہ ہے یہ بندہ ہی بے وفا صاحب۔ غیر اور تم بھلے بھلا صاحب۔ وہ کس دنیا کا رہنے والا ہوگا۔ طنزیہ شاعری میں قدم قدم پر مومن کی انفرادیت نمایاں ہوتی ہے۔
آپ مجھ سے نباہیں گے سچ ہے باد فاحسن و بیوفا ہے عشق،

سچ ہے نباہ نہ کر سکا۔ عشق ہی بے وفا ہے۔ اس ناکامیابی کا احساس کس کامیابی سے کم ہے جو اس تاویل کی ضرورت محسوس ہو کہ شعر طنزیہ ہے اور سیدھے سادے الفاظ میں اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کیا نباہیں گے حسن کیا باد فاحس ہوگا۔ شعر طنزیہ ضرور ہے لیکن طنز سطحی چیز نہیں۔ اقرار ناکامیابی کافی ہے کہ بیوفا عشق کو باد فاحسن پر ترجیح دلا دے۔

خجر تو نہ توڑ سخت جانی، پھر کس کو گلے لگائیں گے ہم
سخت جانی کو قطعہ دیتا ہے کہ تیری بدولت روز مجھ پر خجر ٹوٹے ہیں لیکن کس انداز سے کہ اگر خجر ٹوٹ گیا تو کوئی گلے لگانے کے قابل بھی تو نہ ملے گا۔ یہ ایک لطیف طنزیہ انداز ہے جو مومن پر ختم ہے۔

بندے ہیں ہم صیاد کے کہتا ہے کس کس لطف سے گر ہو سکے راہ چین اے رشتگان دام لو
جب صیاد کو معلوم ہو چکا کہ ہم گرفتار دام نہیں ہیں بلکہ گرفتار صیاد ہیں تو کتنا لطف لے لیکر کہتا ہے اگر ہو سکے راہ چین اے رشتگان دام لو،
صیاد نے کتنا طنزیہ پیرائی بیان اختیار کیا ہے لیکن گرفتار کو مجبوراً یہ زہر کا گھونٹ بھی پینا پڑتا ہے

کر علاج جوش دشت چارہ گر، لادے اک جنگل مجھے بازار سے
اس شعر میں مومن نے طنز کا کمال دکھا دیا ہے۔ ہاں اے چارہ گر اگر تو جوش دشت کا علاج کرتا ہے تو پہلے یہ بتا کہ تو بازار سے جنگل بھی لا سکتا ہے یا نہیں، مومن کا خیال ہے اور صحیح خیال ہے کہ جو لوگ جوش دشت کا علاج کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ گویا بازار سے جنگل خریدنا چاہتے ہیں، جوش دشت کا علاج تو یونہی ممکن ہے کہ وحشیوں کے لئے جنگل مہیا کیا جائے۔ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ بازار سے جنگل لانا کیا معنی ان سے پوچھئے جوش دشت کے علاج کے کیا معنی

میرے آنسو نہ پوچھنا دیکھو کہیں دامن تر نہ ہو جائے
یقیناً میرے آنسو پوچھنے سے ان کا دامن تر ہو جائے گا لیکن اس نشتر کو دیکھئے جو اس شعر کے لفظ لفظ میں پوشیدہ ہے میں رو رہا ہوں وہ دیکھ رہے ہیں اتنا نہیں ہوتا کہ اپنے دامن سے میرے آنسو پوچھ کر مجھے تسلی دیں۔ وہ میرے آنسو پوچھنا گناہ سمجھتے ہیں شعر کا مختصر الفاظ میں مطلب یہ ہوا کہ دیکھئے میرے آنسو نہ پوچھئے گا کہیں آپ گناہگار نہ ہو جائیں یا کہیں دامن تر نہ ہو جائے

ہنسو نہ تہم تو مرے حال پر میں ہوں وہ ذلیل کہ میری ذلت و خواری سے تم کو شان لگی
دنیا مجھ پر ہنستی ہے ہنسے لیکن تمہیں میری ذلت پر ہنسنے کا کوئی حق نہیں میری ذلت و خواری نے تمہاری شان بڑھائی۔ اس شخص کی زندگی پر زرا غور کیجئے جو یہ کہنے پر مجبور ہو جائے۔ ایسے ہی حالات انسان کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ طنز مجسم ہو جائے۔

رشتک دشمن بہانہ تھا سچ ہے میں نے ہی تم سے بے وفائی کی
یہ محبوب کے الفاظ تھے مومن نے صرف انھیں دہرا دیا اور صرف ایک ٹکڑا 'سچ ہے' کا بڑھا دیا محبوب کی شکایت کو مومن نے
پلٹ کر طنز بنا دیا 'سچ ہے' میں نے ہی تم سے بیوفائی کی۔ میں ہی خطا دار ہوں
میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی
اب تک آپ نے طنز پر انداز بیان میں مومن کا کمال دیکھا۔ اس شعر میں مومن کچھ اور بلند اڑ رہے ہیں، یہاں مومن نے طنز کو
بقدر کیا ہے جو حقیقت سے ہمدوش ہے۔ ہر حقیقت آگے چل کر تلخ حقیقت ثابت ہوتی ہے اور ہر تلخ حقیقت طنز کا دوسرا نام ہے۔
طنز کا دوسرا پہلو جو میں نے سوٹ کی (a modest proposal) میں واضح کیا ہے وہ یہاں اس سے
بھی زیادہ عریانی اور تلخی کے ساتھ روشن ہے، محبوب سے کوئی شکایت نہیں بلکہ اُلٹے شکریہ ادا کیا جا رہا ہے لیکن یہ شکریہ شکایت سے
تلخ تر ہے۔ طنز کی نثریت اس کی واقعیت میں پوشیدہ ہے۔ میر کا ایک شعر ہے:

اب حال دل ہے ان کے انخواہ کیا پوچھتے ہو الحمد للہ

الحمد للہ میں جو طنز اور معنویت ہے زبان اس کے بیان سے قاصر ہے لیکن مومن کا شعر بھی پڑھئے:-

میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

ممكن ہے کہ آپ بھی میرے ہنچال ہو جائیں کہ مومن نے اسی تلخ حقیقت کا اظہار کچھ کم قابلِ نچہ میں نہیں کیا ہے۔

اجتماع ضدین

شعری ایک تعریف یہ بھی ہے کہ موسیقی جب الفاظ کا جامہ پہن لیتی ہے تو شعر کہلاتی ہے، موسیقی کا تخیل توازن
اور تسلسل کے بغیر نہیں ہو سکتا یہ توازن کیا ہے، یہ تسلسل کیا ہے۔ سکون و حرکت کا دوسرا نام بغیر سکون کے
سمجھے ہوئے ہم حرکت کو سمجھ نہیں سکتے اسی طرح حرکت کو سمجھے بغیر ہم سکون کی بابت کوئی رائے نہیں قائم کر سکتے۔ اجتماع ضدین کے
بغیر تخلیق کا تصور محال ہو جاتا ہے۔ مثال میں موسیقی ہی کو لیجئے ترنم تال و سم کے بغیر پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ محض تال یا محض سم یعنی
محض حرکت یا سکون سے ترنم نہیں پیدا ہو سکتا ضدین میں (compromise) مصالحت کے سوا کوئی دوسرا
طریقہ ممکن نہیں۔ بجلی جو آپ کے گھروں کو روشن کرتی ہے مثبت اور منفی لہروں کے اتصال کا نتیجہ ہے تنہا مثبت یا تنہا منفی لہر بیکار
ہے، کائنات میں بھی یہی اصول کار فرما ہے "خلقناہ کل شیء زوجین" جنھوں نے مخلوقات کے اس پہلو پر غور کیا ہے کہ ان کی
تخلیق اتصال اضداد کے سوا کسی اور طریقے سے ممکن نہیں کچھ وہی اُس کو سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا میں جن مسائل سے ہمیں دوچار ہونا پڑتا ہے
ان کا حل اضداد میں مصالحت پیدا کرنا ہے مذہب کا یہی کام ہے کہ وہ ایسا راستہ بتائے جو حیات قبل موت اور حیات بعد موت میں
یکرنگی پیدا کر دے۔ بعض مذاہب نے اس دنیا کی زندگی پر انتہائی زور دیا ہے۔ بعض مذاہب نے عقبی کے لئے اس دنیا کو ترک کر دینے
کا مشورہ دیا ہے۔ اسلام کی کامیابی یہی ہے کہ اُس نے دونوں کا خیال رکھا۔ الغرض تمام عالم اجتماع ضدین کا مظہر ہے۔ ایک حقیقی
شاعر خلقت کے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتا مومن کے شاعرانہ دل و دماغ نے حقیقت کو پایا اور مختلف طریقوں سے مختلف
صورتوں میں اپنے اشعار میں اس حقیقت کو بیان کیا ہے۔ چند مثالیں مومن کی اس خصوصیت کو بھی ظاہر کر دیں گی جہاں تک کم
شاعروں کی نظریں پہنچتی ہوں گی

آخر امید ہی سے چارہ حرام ہوگا مرگ کی آس پہ جینا شب ہجران ہوگا

حرام یعنی ناامیدی کا علاج امید ہی سے ہو سکتا ہے بظاہر اس مرض کا اصول علاج بالضد معلوم ہوتا ہے لیکن غور کرنے
سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اس مرض کا اصول علاج۔ علاج بالمثل ہے۔ حرام کیا ہے نا کامیاب امیدیں۔ اس کا علاج
کیا ہے وہی امید ہی مرض حرام کا باعث ہوئی امید ہی سے اس کا علاج ہو سکتا ہے۔

موتے نہ عشق میں جب تک وہ مہربان ہوا بلائے جان ہے وہ دل جو بلائے جاں نہ ہوا
مومن پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ وہ بعض الفاظ ایسے بھی استعمال کرتے ہیں جو مذاق سلیم پر گراں گزرتے ہیں
حالانکہ دوسرا بہتر لفظ موجود ہوتا ہے۔ مثلاً یہاں 'موتے' کہا ہے جس کا ترک اولیٰ تھا۔ ہم اس امر کو قطع نظر کر کے کہ 'موتے'،
مومن کے عہد میں متروک تھا یا نہیں، یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ 'موتے' آج بھی قابل ترک ہے یا نہیں۔ 'موتے' کو ترک کر کے مرے
استعمال کرنے کی صلاح دی جاتی ہے۔ مصرع اولیٰ میں 'موتے' کے بجائے 'مرے' رکھئے اور پھر غور کیجئے کہ مرنے کا لفظ 'موتے' کی
جگہ رکھنے سے مصرعے میں کتنی معنوی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ 'مرے' نہ عشق میں جب تک وہ مہربان نہ ہوا، یہاں نہ سکے، کی
مزید ضرورت مصرعے میں محسوس ہوتی ہے۔ لفظ 'موتے'، نہ سکے کا محتاج نہیں۔ علاوہ بریں مرے اور موتے دونوں طرح سے
مصرعے کو پڑھئے۔ اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو محسوس ہوگا۔ کہ 'مرے' سے مصرعے میں ایک نقل بھی پیدا ہو جاتا ہے جو 'موتے'
رکھنے کی صورت میں باقی نہیں رہتا کیونکہ 'ر' حرف صحیح ہے اور 'و' حرف علت۔ حرف علت سے زیادہ تفصیل ہوتا ہے 'موتے'،
میں جو روانی لوح اور نرمی ہے و مرے میں نہیں، بنا بریں میں تو اسے قابل ترک نہیں سمجھتا شاید مومن بھی مرے کو موتے کے
مقابلے میں ثقیل سمجھتے ہیں۔ رہ گیا یہ شعر وہ خود جس عالمگیر حقیقت کا منظر ہے اس سے انکار ناممکن ہے۔ عشق کے بغیر زندگی کا
لطف نہیں اور عشق کے بعد زندگی ممکن نہیں۔ اس حقیقت کا اظہار اس سے بہتر لفظوں میں ممکن نہیں کہ بلائے جان ہے وہ دل
جو بلائے جاں نہ ہوا، ایسے اشعار میں صنعت تجنیس یا صفت تضاد تلاش کرنے کے بجائے معنی پر زیادہ زور دینا چاہئے۔

تیرے پردے نے کی یہ پردہ درسی تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا
فطرت انسانی کا تقاضا ہے کہ وہ زیر نقاب ہستی کو براہِ فکندہ نقاب دیکھنا چاہتی ہے نگاہ شوق کو نقاب حجاب ہونے کے بجائے
تاربانہ ہو جاتی ہے۔ مومن اسی واسطے پردے کو پردہ در سمجھتا ہے

گرہِ خاک ہے گردش میں تیش سے میری میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں بھی آزاد رہا
مومن خاں سے قبل شعرائے اردو زمین کی گردش سے واقف بھی نہ رہے ہوں گے چہ جائیکہ انھیں یہ بھی معلوم ہوتا کہ زمین کی
گردش کا ایک سبب اس کی تیش بھی ہے۔ مومن نے زمین کی گردش سے فائدہ اٹھایا اور کہہ دیا کہ کہنے کو تو میں زنداں میں ہوں لیکن
در حقیقت آزاد ہوں۔ حیات انسانی انھیں اجتماع اضداد کا نام ہے انھیں قضیوں نے جبر و اختیار کے جھگڑے کھڑے کر دئے ایک
شخص جس کو اختیار کہتا ہے اُسی کو دوسرا شخص جبر کہتا ہے انھیں قضیوں نے جبر و اختیار کے جھگڑے کھڑے کر دئے ایک شخص جس کو اختیار
کہتا ہے اُسی کو دوسرا شخص جبر کہتا ہے۔ ایک شخص جس کو اسیری کہتا ہے دوسرا اسی کو آزادی سمجھتا ہے۔

ہوں نقاب اکٹھی مری آنکھوں پہ پردہ پڑ گیا کچھ نہ سوچھا عالم اُس پردہ نشیں کا دیکھ کر
نقاب مانع دید تھی۔ جب تک چہرے پر نقاب رہی دیدار نہ ہو سکا لیکن قیامت تو یہ ہے کہ نقاب اکٹھی بھی تو دیدار نہ ہو سکا۔
انوار جمال کی کثرت نے آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہونچ کر جبر و اختیار کی حقیقت کھلتی ہے جہاں حسن زیر نقاب اور
حسن براہِ فکندہ نقاب نگاہ شوق کی دسترس سے دور ہیں۔ یہاں امتیاز ضدین محال ہو جاتا ہے۔

اُس کو میں جامیں گے مدد اے بچم شوق آج اور زور کرتے ہیں بیطاقتی سے ہم
زمانہ ثابت کر رہا ہے کہ بیطاقتی ہی اصل طاقت ہے جس کا توڑ نہیں۔

اے آہ آسمان میں عبث رخنہ گر نہ ہو ڈر ہے کہیں نزول بلا بیشتر نہ ہو
وہی آہ جو کبھی آسمان سے اثر لاتی تھی اب بڑھتے بڑھتے آسمان میں رخنہ گر مرنے لگی جو علاج تھا وہی اب مرض ثابت ہو رہا ہے۔
پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے اس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے

معلوم نہیں نہ دیکھنے کا شکر ادا کیا جائے یا شکایت۔

قصاید مومن کے قصاید بہت بلند ہیں اور ان سے علمی لیاقت اور شاعرانہ تخیل بخوبی ثابت ہے اور بیشک ان کے قصاید نہ صرف ان کے معاصرین مشہور کے ہمپا یہ ہیں۔ بلکہ ان کا درجہ اساتذہ فارسی سے ملتا ہوا ہے اور ان کے مطالعہ سے معمولی استعداد کا آدمی لطف نہیں اٹھا سکتا۔ اردو میں مومن نے وہ قصاید لکھے جو سلمان سادگی کے قصیدوں سے ملتے ہوئے ہیں الحمد للہ اب العطا یا اس شور نے کیا مزہ چکھایا۔ والشکر لصانع البرا یا جس نے ہمیں آدمی بنایا دوسرے شعر میں ترقی محال ہے کسی زبان میں اس سے بہتر حمد کا شعر ملنا دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا اکرم ہم پر یہی ہے کہ اس نے ہمیں آدمی بنایا

اب بھی نظر اس مجاز میں ہے
نے عقل بسیط اس کا پر تو
کیوں نہر نگاہ میں سمایا
نے نور نجر د اس کا سایا
سجائک یا الہ عالم
ہر جائے ہے تیرا جلوہ لیکن
یاں عقل ہے کم کہ بس تجھی کو
پالا ہر شے میں پر نہ پایا

مومن نے شریعت اور شاعری دونوں کو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ مولوی ضیاء احمد صاحب ایم اے کی رائے ہے کہ مومن سے پہلے جس قدر شعراء گزرے ہیں قصیدہ میں باتننائے سودا۔ مومن کا کوئی ہمسر نہیں اگرچہ بختگی اور روانی میں قصاید ذوق کا درجہ کہیں ارفع ہے۔ تاہم زور اور ندرت میں مومن کا جواب نہیں ہو سکتا۔ ان کی تشبیب عموماً نادر اور انوکھی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہر قصیدے میں تعلی اور شکایت زمانہ کہ شعرا کی سنت ہے اس شکوہ اور زور کے ساتھ پائی جاتی ہے کہ عرفی کا دھوکا ہوتا ہے۔ تخلص یا گریز البتہ نسبتاً کمزور ہوتی ہے، کلام میں عقیدت کی جھلک اکثر نظر آتی ہے اور اسی کے ساتھ کہیں کہیں مذہبی تعرض بھی کر جاتے ہیں قصاید میں علمی مضامین بکثرت لاتے ہیں اور چونکہ خود نجوم و رمل و طب میں یدِ طولی رکھتے ہیں اس لئے مخصوص مصطلحات سے کلام کا اغلاق بڑھا دیتے ہیں، کہیں کہیں تمبیحات اور آیات و احادیث کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں اور عربی جملوں کو تو اس خوبی سے تضمین کر جاتے ہیں کہ انگوٹھی میں نگینے کا گمان ہوتا ہے

صاحب موصون کا یہ جملہ کہ بختگی اور روانی میں قصاید ذوق کا درجہ کہیں ارفع ہے۔ میں کو شش کے باوجود بھی نہ سمجھ سکا۔ اگر بختگی کے معنی ہیں زیادہ قصاید کہنے کے تو اس میں شک نہیں کہ ذوق نے زیادہ قصیدے لکھے ہیں۔ ورنہ قصاید کے لئے اگر شوکت الفاظ۔ ندرت تشبیہ۔ زور بیان۔ بلند پروازی۔ عالی خیالی، علوئے مضامین کی ضرورت ہے تو وہ مومن کے یہاں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں آئندہ مثالیں اس امر کو واضح کریں گی۔ مومن کی قصیدہ گوئی پر کوئی مفصل بحث کرنے سے پہلے یہ طے کر لینا چاہئے کہ تقاضائے قصیدہ گوئی کیا ہے اور مومن کے قصاید اس معیار پر کہاں تک پورے اترتے ہیں۔ نواب امداد امام صاحب اتر فرماتے ہیں کہ ”جاننا چاہئے کہ قصیدہ کی اصل غرض یہ ہے کہ شاعری کے پیرایہ میں مسایل اخلاقی و معاشرتی و تمدن و معاش و معاد وغیرہ کی تعلیم دینی و دنیوی بنی آدم کو نصیب ہو یا حمد خدا و نعت محمد مصطفیٰ و منقبت علی مرتضیٰ و ایماہ باصفا سے شاعر کو ثواب حاصل ہو اور سامعین کو ذکر خدا و رسول سے توفیق عبادت پیدا ہو“

اگر تقاضائے قصیدہ گوئی بھی ہے تو مومن سے زیادہ اردو قصیدہ گو شعراء میں شاید ہی کوئی زیادہ کامیاب ہوا ہو۔ مومن نے

کل نو قصیدے کہے ہیں ایک حمد میں ایک لغت میں چار چار یار کی منقبت میں ایک سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں ایک معذرت میں ایک بسلسلہ اعتراف احسان یعنی نو قصیدوں میں سات قصیدے مذہبی رنگ لئے ہوئے ہیں اور باقی دو کسی صملہ کی خواہش یا امید پر نہیں لکھے گئے۔ ان قصیدوں میں سختی روانی، شکوہ علوئے مضامین بلند پر وازی سب کچھ موجود ہے گریز یقیناً نسبتاً کمزور ہے۔ اگر یہی ثبوت قصیدوں کے پختہ نہ ہونے کا ہے تو بیشک مومن کے قصاید میں سختی نہیں ملاحظہ ہو:-

صبح ہوئی تو کیا ہوا ہے وہی تیرہ اختری
کثرت دود سے سیہ شعلہ شمع خاوری
سامعہ سوز و دھڑکاش گریہ نزا و زخم ریز
نغمہ نوک عندلیب قہقہہ گل تری
مجھ کو نغاں سے کام اور ذکر میں اہل خانقاہ
دیر میں شور بید خواں میکدے میں رواگری
صبح کی جب بہار ہے ساقی غنچہ لب ہو پاس
میرے یہ بخت ہائے بخت ایسے نصیب یا نصیب
جان جہاں کو دل دیا دشمن جاں ہوا جہاں
چارہ یاس امید شتر، مرگ علاج مضطری
یک دل و گونہ گونہ زخم یک تن و فوج فوج حصم
سر میں ہوا نظر میں یاس سینہ میں آرزو بھری
یک جگر و ہزار نیش یک سر و صد گراں سہری
یہ قصیدہ راجہ اجیت سنگھ کی تعریف میں کہا گیا ہے۔ راجہ صاحب نے ایک روز مومن خاں کو بلوایا اور رخصت کے وقت ہتھنی کسو اگر ان راس پر بٹھا کر رخصت کیا۔

راجہ اجیت سنگھ نام کامروائے خاص و عام
جو دے جس کے بانظام کار جہاں کی ابتری
فیل نشیں بنا دیا خاک نشیں کو اُسے اب
خاک نہیں فلک کچھ زیب لاف و گزان برتری
اسی قصیدے میں راجہ اجیت سنگھ کے نیزہ کی تعریف میں کیا شعر کہا ہے:-
افعی رنج سینہ کو چیر کے دل نکال لے،
مار سیاہ زلف سے ہونہ سکے یہ دلبری
تعریف تیغ و تیر:-

خندہ برق تیغ میں گرمی مہر ماہ تیر
گر یہ زخم تیر میں جوش سحاب آذری
تعلیماں ملاحظہ ہوں:-

شاعر بے نظیر ہوں سحر بیاں دبیر ہوں
دم ہے مرا نمود مجنوںہ پنہیری
سحر حلال سے مرے جادوے سامری حجل
طور کلیم اوج فکر نور خدا فصول گری
لات زنی پس مدیح رسم قدیم کیا کروں
اس غم تازہ سے نہیں مجھ کو امید جانبری
کفر حکایت غرور اس کے بغیر یہ محال
تا متبنی و جبر یہ عار ہے مجھ کو ہمسری
میری زبان میں وہ بات جس سے ملک سخن پرست
میرے بیان میں وہ سحر جس سے جنوں زدہ پری
مجھ کو یہ گل زمیں پسند آگئی اتفاق سے
مزرع غیر میں گسے در نہ سر کر پوری
نان گدا پہ رغبت شاہ جہاں غلط غلط
باہمہ برتری دروغ آرزوی فرد تری
اب نہیں کی ہے اختیار نظم کو میں نے یہ زباں
باغ میں اپنے ہر شجر تابہ چنار و سر و بید
لذت مدح جانفرا تلخی بجو تا بگاہ
میری طلاق لسان میری فصاحت کلام
آپ ہیں لب پہ بوسہ دن ہندی و نازی دہوری
اول و آخر بہار باد فروش نو بری
شہد ہے یاں تو شہد ناب صبری تو سقوطی
چارہ صدرہ آزما از پے گنگی و کبری

میرے معاند و حسود ہرزہ تاسے رنگاں
ہیں یہ سگان جیفہ خوار شعر سخن سے بے نصیب
ہیں وہ شہ سرِ فضل جس کے خطیب کے لئے
اُردو شاعری اس شکوہ و زور کا جواب کہاں سے لاسکتی ہے۔ سودا، انشا، ذوق، غالب تو کس شمار قطار میں ہیں، فارسی زبان میں بھی چند ہی قصیدے اتنے زوردار نکل سکتے ہیں، چند مدحیہ اشعار ملاحظہ ہوں :-

اس کے ادیم حشمت و مایہ جلال پر
جوش طراوت مشام وجہ عطاس عروج و جاہ
بوسہ روا بہر طریق سجدہ و فرق ہر فرق
تو وہ بہار باغ حسن جس پہ کرے تار جاں
لب کو مثال کس سے دول لعل و عقیق بے مزہ
چشم کا تیری امتیاز روح فزا نظر فزا
فصل بہار بعد یاس کس لئے غنچہ پھر ہوا
جمع ہیں تجھ میں عدل و حسن جس سے خرابیاں خراب
دعائیہ اشعار کا اندازہ دیکھئے :-

تار ہے آرزو فزا طرزا دوائے دلبری
تار ہے الفت آزما ناز و غرور دلربا،
اس حُسن بیان کا جواب ہو سکتا ہے :-

حور پہ تیرے جاں نثار غارتیان دین و مال
تا کہ ہو تو بہار میں قسمت رند مشرباں
بہر حسود جام زہر سا غرے ترے لئے
رقص و سرود سے تری انجمن نشاط گرم
سوئے ہزار گوش جاں روئے زمیں پہ زرفشاں
تجھ کو نصیب بزم میں داد دہی صلہ دہی
وصل سے تیرے کامیاب لب شکران عسکری
مستی و بے حجابی و نغمہ زنی و میخوری
تاتہ ہونا گوار طبع تلخی بادہ شکری
شعلہ و دود عارض روشن و زلف عنبری
باغ میں جب تک اس طرح جلوہ کرے گل تری
مجھ کو مبارک ایکسو مدح گری گداگری

مومن عمر بھر مدح گری کو گداگری سمجھتے رہے یہ صرف سر سے راجہ کا بار احسان اتارنا تھا جس کے لئے اتنا زور طبع دکھایا گیا۔ مومن کا زور بیان آپ دیکھ چکے اور بہت ممکن ہے کہ آپ بھی میرے بھیال ہو جائیں کہ اُن کے قصاید ادب اُردو کے لئے سرمایہ نازش ہیں۔ اب مومن خاں کے دریائے فکر کی روانی دیکھئے جس کی بابت ضیاء احمد صاحب کی رائے ہے کہ ذوق کے یہاں بڑھی ہوئی ہے۔ حمد یہ قصیدہ آپ کی نظر سے گزر چکا ہے ایک دوسرا قصیدہ ملاحظہ ہو جو ٹونک نہ پہنچ سکے کی معذرت میں لکھا گیا ہے :-

یادِ ایام عشرت فانی،
جائیں وحشت میں سوئے صحرا کیوں
خاک میں رشک آسماں سے ملی
کر دیا گردشیں سپہ نے حیث
نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی
کم نہیں اپنے گھر کی دیرانی
ہائے کیسی بلند ایوانی
برج خاکی سیر کیوانی

برج خاکی کی یہ تاثیر ہے کہ اگر سعد سیارہ ہے تو اس کی سعادت بڑھا دے گا اور اگر نحس سیارہ ہے تو اس کی نحست میں اضافہ

گردے گا۔ میری نحوست دیکھئے کہ کیوں گھوم پھر کے برج خاکی ہی میں رہتا ہے:-

ایسی وحشت سرا میں آئے کون
کیا ہوئی وہ بلندی دیوار
جائے گل ہیں چین میں ریزہ سنگ
اٹ گئے حوض و نہر - غیر از چشم
نہ ملا کچھ نشان آب رواں
سقف رنگیں و زر نگار کہاں
بے درسی کر رہی ہے در بانی
کیا ہوئے وہ عماد طولانی
گاہ کرتی ہے ناز ریحانی
ایک قطرہ کہیں نہیں پانی
خاک سارے جہان میں چھانی
جز سپر و نجوم نورانی

تخلیص عموماً مومن کی کمزور خیال کی جاتی ہے:-

اے فلک دل کو داغ کرتی ہے
بے درسی سے مری تجھے حاصل
جان مومن پہ گو نہ گو نہ ستم
تا کجا اے یزید شمر خصال
اس سے کاوش نہ کر نہ ہو ظالم
تجھے معلوم ہے کہ ہے وہ کون
مدح خوان شہ و زیر لقب
پایہ سنج کمال اہل کمال
گھوڑے کی تعریف اس سے بہتر کیا ہو سکتی ہے:-
شوخی یار کی سی چالاکی
انداز دعا دیکھئے کتنا پاکیزہ ہے:-

نگہ شوق کی سی جولانی

ہے وصال و فراق جانا نانی
تیرے احباب اور تن آسانی
جیسے مومن پہ لطف رحمانی

جب تلک باعث نشاط و ملال
تیرے حساد و رنج گونا گوں
تیرا اقبال روز افزوں ہو

روانی کی مثال میں نہیں تسلیم کر سکتا کہ ذوق کی قصیدہ گوئی اس سے بہتر پیش کر سکتی ہے مومن کی قصیدہ گوئی کی وہ خصوصیت جس کے اردو اور فارسی شاعری میں وہ تنہا مالک ہیں ان کی تشبیہ جو حقیقی معنوں میں تشبیہ کہلانے کی مستحق ہے۔ تشبیہ کے لغوی معنی پر اگر نظر رکھی جائے تو اس کا انداز تغزل سے جدا نہیں ہو سکتا۔ مذہبی تصاید سے میں چند ایسی مثالیں پیش کرونگا جو مومن کی اس خصوصیت کو روشن کریں گی:-

کہ جان کو بھی ٹھکانے لگا رکھے کا دل

دل ابکی بار ہوا ایسی بے جگہ مایل
بے جگہ کا استعمال کتنا با محسن ہے:-

امید وصل خطا ترک آرزو و مشکل
میں نیم جاں نہ رہا امتحان کے قابل
غضب ہے شوق رسائی و دوری منزل

وہ بد شعار طرہ دار دلربا جس سے
تم اور حسرت ناز آہ گیا علاج گردل
چلا ہی جاتا ہوں میں گویلا نہیں جاتا

کہ تو جفا سے نہ ہوا اور وفا سے ہوں میں نجل
دم شماری کی مری عمر ہے تار و زخم شمار
راز دل غیر سے کس طرح میں کرتا اظہار
مجھ سے اللہ نہ پوچھے گا عذاب شب تار؟

خدا سے ڈر بہت بیدار ہے یہ کیا انصاف
ہے یہی حسرت دیدار تو مرنا دشوار
برگمانی نے دعا سے بھی رکھا محروم آہ
دھوم ہے تابش غور شید قیامت کی مگر
غالب کے دو شعر سن لیجئے اس کے بعد مندرجہ بالا شعر کو دیکھئے :-

مجھ سے مری گزرتا حساب ایخدا نہ مانگ
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

آتا ہے یاد حسرت دل کا شمار یاد
ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد

اگر کتنا یہ صراحت سے زیادہ لطیف ہے تو غالب کی کردہ گناہوں کی سزا اور مومن کی تابش غور شید قیامت کی دھوم اور غالب کے
ناکردہ گناہوں کی حسرت کی داد اور مومن کی پرستش عذاب شب تار سے کیا نسبت۔ غالب نے ایک ہی بات کو دو طریقوں سے ادا کیا
لیکن بھونڈے طریقے سے مومن نے اسی خیالی کے لئے کتنا لطیف پیرایہ بیان اختیار کیا ہے

چھوڑ دوں آج وفا اگر ہو وفا سے بیزار
نیک نامی نہ سہی مجھ کو ہے تم سے سروکار
دنیا کی شاعری اس سے بہتر تسلیم و رضا کا درس نہیں پیش کر سکتی تباہی کا فلسفہ اس سے اونچی تعلیم پیش کر سکتا
نقد جاں اپنی تجلی کی نہ کہنا قیمت
صبح محشر کہیں بن جائے نہ روز بازار

میں قصاید کی بحث مومن کی دعا پر ختم کرتا ہوں بحث ضرور تشنہ ہے مگر اتنا مواد جمع کر دیا گیا ہے جس کو دیکھ کر ارباب نظر مومن
کی قصیدہ گوئی پر کسی نتیجے پر خود پہنچ سکیں

وہ شیوہ نبی نے جو بتایا
جس نے کہ اُس آگ کو بجھایا
سرنار مجسم نے اُسٹھایا
یوسف کو گناہ سے بچایا
منصور کو دار پر چڑھایا

وہ عشق دے جس کا نام اسلام
وہ نعرہ علمہ سحابی
کچھ آب زنی کرے نہیں تو
مجھ کو بھی بجائے جیسے تو نے
وہ رفعت حال دے کہ جس نے

مومن غیر مقلد تھے اور عقاید میں نہایت سخت۔ تصوف جو ان کے یہاں نہیں پایا جاتا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ وحدت وجود کو
اسلام کے منافی سمجھتے تھے ان کا ایمان وحدت شہود پر تھا۔ وحدت وجود کے مسئلہ کو ترک کر دیکئے پھر تصوف میں کیا خاک رہ جاتا
ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس مہر یہ قصیدہ میں مومن یہ دعا کر رہے گئے کہ :-

منصور کو دار پر چڑھایا

وہ رفعت حال دے کہ جس نے

بہت ممکن ہے کہ یہ قصیدہ شاہ سید احمد بریلوی کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے پہلے لکھا گیا ہو :-

جس شعلہ نے طور کو جلا یا
ہے کون ترے سوا خدا یا

اس کا مرے دل پہ ایک پر تو
مومن کہے کس سے حال آخر

مقطع کی کس زبان سے تعریف کی جائے۔

مومن کی شنوایاں ان کی حیات معاشقہ کی منظوم تصویر ہے۔ ان کی سیرت کا وہ پہلو جس نے ان کے کلام پر اثر کیا ان
شنوایاں شنویوں کے مطالعہ سے صاف واضح ہو جاتا ہے، سوال یہ اٹھ سکتا ہے کہ شنویوں میں جو واقعات قلمبند ہوئے ہیں انکے
امرواقعہ ہونے کا کیا ثبوت ہے۔ داخلی ثبوت تو یہ ہے کہ شنویوں میں جو سوز و گداز ہے وہ اس بات کا شاہد ہے کہ وہ سب آپس میں

فرضی قصوں میں یہ بات نہیں پیدا ہوتی دوسری بات جو ان ثنویوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مومن کی حیات معاشقہ میں صرف ایک حادثہ پیش آیا ہے کہ محبوب کا انتقال ہو گیا۔ ثنوی ہی میں اس کا ماتم کیا گیا ہے لیکن طبیعت کو اس سے تسلی نہ ہوئی مومن نے دل کو تسکین دینے کے لئے ایک درد انگیز مرثیہ بھی لکھا جس کے ابتدا میں لکھا ہوا ہے۔ ”ترکیب بندہ مضمون مرثیہ معشوقہ“ اور ملک شیم حصلی وصالہا فی جنت النعیم“ آخر کا ٹکڑا ”حاصلی وصالہا فی جنت النعیم“ اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ کسی فرضی معشوقہ کا مرثیہ نہیں تیسری بات جو خلاف روش وقت مومن کے کلام میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جس لطیف ہی کا کوئی نہ کوئی فردان کا محبوب و مطلوب رہا ہے، مومن کے سارے کلیات میں ایک مصرع بھی ایسا نہیں نکل سکتا جس سے یہ وہم ہو سکے کہ مومن کا محبوب کبھی دوسری جنس کا کوئی فرد رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ مومن خاں اپنے کلام میں بار بار لفظ پردہ نشین پر زور دیتے ہیں۔ ثنویوں کی سادگی اور ان میں کسی (پلاٹ) کی عدم موجودگی بھی میرے اس خیال کو یقین کے درجے تک پہنچاتی ہیں کہ یہ سب مومن نے اپنی ہی سرگزشت لکھی ہے ورنہ حکیم مومن ایسا نازک خیال شاعر اور یہ سادگی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ خارجی ثبوت صرف ایک معتبر مل سکا ہے اور وہ گلشن بیار ہے جس کے مولف نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، مومن کے ہمراز اور شاگرد ہیں شیفتہ صاحب کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔ ”نام امۃ الفاطمہ سلیم عرف صاحب جی۔ بتقریب مراد ابا مومن خاں کارش افتادہ ہے چند کار بار دو دو ابود۔ ثنوی قول غمیں نام کہ از مصنفات خاں مغرب الیہ است شرح نسخہ حسن و جمال ہماں مولدوں قد است۔ ثنوی قول غمیں کی صاحب جی (ہیروئن) ہیں قصہ مختصر طور پر یہ ہے۔“

ایک چند سے یہی اوقات رہی	روز پہروں کی ملاقات رہی
واں ہر اک طرح بہلتا تھا دل	کہ ہوئی اس میں بلا اک نازل
کہیں باہر سے کوئی واں آیا	میرے بیٹھے ہی وہ جہاں آیا
سننے ہی اور کے آنے کی خبر	پر دے کے واسطے آیا باہر
اتنے میں دل جو مرا گھبرا یا	جی میں کچھ سوچ کے میں گھر آیا
دوسرے دن جو ہوا گھر سے رواں	جانب کو چہ رشک بستاں
الغرض جب میں واپس جا پہنچا	تازہ پیغام اجل آپہنچا
دم لیا بھی نہ کہ دم دینے لگے	تلخ کامی کے مزے لینے لگے
دام الفت میں گرفتار ہوئے	پائے بند ستم یار ہوئے
یہ کچھ آشفۃ سری نے مارا	کہ مجھے چارہ گری نے مارا
کی یہ تشخیص نے میری تدبیر	کہ ہوا دمبدم احوال تغیر
ہو گیا نبض شناسی سے جنوں	سنو حال دل دیوانہ کہوں
صاحب خانہ نے بعد اکرام	بیقرارانہ کیا مجھ سے کلام
کہ یہاں عید و محرم ہے بہم	کل سے کیا کیا طرب و غم ہے بہم
یعنی وار دہے وہ جہاں عزیز	جس کے قربان مری جان عزیز
ایک بیمار پریشان احوال	نہ وہ جلوہ نہ وہ رونق نہ جمال
آپ کچھ چارہ گری کیجئے غرض	نبض دیکھو کہ ہو تشخیص مرض
میں نے اس نبض پہ جو ہاتھ دھرا	ہاتھ سے میرے میرا دل ہی چلا

آفت تازہ جو جاں پر آئی
 کیا لگا دست دلا رام سے ہاتھ
 سارے دن تو رہے ہم صحبت یار
 اس کے کوچہ سے نہ اٹھتا تھا قدم
 واں سے آنے کی کہاں طاقت تھی
 دل میں جب ہوک اٹھی بیٹھ گیا
 عجب احوال سے گھرتک پہونچا
 گھر میں آیا تو وہ بے ہوش کہاں
 شوق فرمائے کہ ہاں پھر چلے
 دل بیتاب کو پھر بھتا م لیا
 بوئے گل لائی صبا بستیاں سے
 وا کیا جوں وہ طلسم افسوں
 کہ تمھارے بھی عجب ہیں حرکات
 کیا مناسب تھے یہ بیباک سخن
 حرکت اچھی نہیں بدنامی کی
 پاس رسوائی کا گرا اپنی نہ ہو
 بسکہ ہوتا ہے محبت میں اثر
 دل مشتاق تپاں ہے یاں بھی
 اب گیا واں تو تکلم برب
 پر وہی اگلی سی شیریں سخنی
 اوروں سے حرف دلا ویزانہ
 یونہی باعشرت و عیش و آرام
 بعد چندے فلک ناہنبار
 جمع احباب پریشاں گرداں
 دیکھ واں روز کا جانا میرا
 راہ بیداد کی لی ظالم نے
 سر پر اک آفت تازہ لایا
 یعنی واں کوچ کی ان کی ٹھہری
 جس گھڑی ہم تلک آئی یہ خبر
 اک غلو ہوش پہ بیہوشی کا
 خود فرا موشی و غفلت کوشی

یہ غزل اپنی زباں پر آئی
 دل گیا ہاتھ سے اور کام سے ہاتھ
 جب ہوئی شام تو اٹھے ناچار
 بیٹھے جاتے تھے ہر اک کام پہ ہم
 کیا کہوں آہ عجب حالت تھی
 پاؤں اٹھا بھی تو جی بیٹھ گیا
 خون دل دیدہ تر تک پہونچا
 دل دہاں جان دہاں دھیان دہاں
 جی میں یہ آئے کہ واں پھر چلے
 بیقراری ہی میں آرام لیا
 یعنی اک نامہ بر آیا واں سے
 ہاتھ آیا یہی گنج مضمون
 ایسے ناداں کہ سمجھتے نہیں بات
 نامناسب تھے یہ بیباک سخن
 یہی باتیں تو ہیں ناکامی کی
 دیکھو تم مجھ کو تو رسوا نہ کرو
 مجھ کو سب درد کی تیرے ہے خبر
 زینت لب یہ فغاں ہے یاں بھی
 دشنہ در جان و تبسم برب
 دل میں سوز خم و لے خندہ زنی
 آشنا سے سخن بیگانہ
 جب کہ گزرے ہمیں کچھ اور ایام
 بد چلن بد روش و کج رفتار
 گردش افزائے بیاباں گرداں
 بیٹھنا ہنہنا ہنسانا میرا
 چھوڑ دی راست روی ظالم نے
 بد سلوکی سے مرے پیش آیا

 چھا گئی بے خبری سی دل پر
 عالم اک اپنی فرا موشی کا
 بیخودی بخبری بیہوشی

اس میں پیغامبر آیا دال سے
جی میں آجائے تو آجاؤ یہاں
اور اسوقت بھی گر آپ نہ آئے
سن کے یہ بات میں با حال تباہ
پایہ شوق کہاں تک پہونچا
کیانے ڈھب سے ملاقات ہوئی
ملکے حیرت زدگان بکیس
خونفشاں لب پہ وہ آہیں باہم
گرچہ سیر گز بھی نہ تھی تاب کلام
کہ یہ کیا حال ہے کیوں روتے ہو
اب تم اور دل سے لگا لیجو جی
ہاں اگر فکرم ہو تو ہم کو ہو
کہ بری آہ ہماری خوش ہے
خیر رہنا ہوا اب تک اپنا
تم رہو خوش کسی جاناں کے ساتھ
کام دل رنج و بلا کو سونپنا
کہہ کے یہ اٹھکئی جی کھوتی ہوئی
ہم بھی روتے ہوئے اپنے گھر آئے
کیا کہوں کیونکر گز اری وہ رات
کس سے یہ صدمہ سہا جاتا ہے
جو ہو دلدادہ وہ سمجھے آپنی

ترجماں نعل لب جاناں سے
آنکر شکل دکھا جاؤ یہاں
ہم کہاں اور کہاں تم پھر آئے
بیخودانہ ہوا اس کے ہمراہ
وہ تھے جس جائے دہانک پہونچا
کہ نہ کچھ بولی نہ کچھ بات ہوئی
دور پیٹھے ہوئے روتے رہے بس
حسرت آلودہ، نگاہیں باہم
پر یہ بولی کہ زرا جی کو سحام
سفت کس واسطے جی کھوتے ہو
نہ ہوئے ہم تو کوئی اور سہی
رنج و اندوہ ہو جو ہم کو ہو
ہم میں اک ہر وفا کی بوسہ ہے
اب وطن تم کو مبارک اپنا
ہم چلے حسرت و حیران کے ساتھ
تم کو لو ہم نے خدا کو سونپنا
ہچکیاں لیتی ہوئی روتی ہوئی
بادل مضطرب و مضطرب آئے
گزری کس حال میں ساری وہ رات
کس سے وہ حال کہا جاتا ہے
کار افتادہ سمجھ لے آپنی

صاحب آب حیات کی رائے ہے کہ "شعریاں نہایت درد انگیز ہیں کیونکہ درد خیز دل سے نکلی ہیں۔ زبان کے لحاظ سے جو غزلوں کا انداز ہے وہی ان کا ہے" مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ مومن خاں کی شعریوں سے ملک نے کیوں اتنی بے اعتنائی برتی۔ اگر ان شعریوں کو کوئی صاحب اخلاق سے گری ہوئی سمجھتے ہیں تو انھیں میرا اثر دہلوی کی شعوی خواب و خیال دیکھنا چاہئے جسکی عربانی کہیں بڑھی ہوئی ہے جس معیار اخلاق سے مومن کی شعریاں پست سمجھی جاتی ہیں اس کے لحاظ سے شاید غزل کا کوئی شعر بھی پڑھنے کے قابل نہ مل سکے نہ یہاں موقع ہے نہ مجھے فرصت کہ میں اس معیار اخلاق پر بحث کر دوں جس نے ہمیں تنگ نظر بنا رکھا ہے۔ میں تو ایسے اخلاق کو جو اظہار حقایق سے چشم پوشی کرے تنگ اخلاق سمجھتا ہوں۔ مذکورہ بالا شعوی کے یہ چند اشعار اردو زبان کے لئے قابل فخر ہیں۔

کیانے ڈھب سے ملاقات ہوئی

کہ نہ کچھ بولی نہ کچھ بات ہوئی

آخری ملاقات کا کیا صحیح مرقع کھینچا گیا ہے۔ اس منظر کی حسرتا کی اگر بیان ہو سکتی ہے تو اس کے لئے اس سے زیادہ بہتر الفاظ

کہاں سے آئیں گے عاشق و معشوق گفتگو کرنے کے لئے بیتاب ہیں لیکن ہر لب صوفی زبان حال شرح آرد و ذکر سکتی ہے:

دور پیٹھے ہوئے روتے رہے بس

مل کے حسرت زدگان بکیس

آخری ملاقات ہے۔ وقت گزر رہا ہے اور زبان نہیں کھلتی ایک دوسرے کو حسرت زدہ دیکھتے ہیں اور روتے ہیں۔ عورت عورت ہے اس کے تاثرات مرد سے ہمیشہ زیادہ ہوتے ہیں۔ اس نے شنوی پڑھے اور دیکھے کہ یہ جدائی صاحب جی پر کیا اثر کر رہی ہے اور مومن اس سے کہاں تک متاثر ہیں۔ عورت کے لفظ لفظ سے اس کی محبت اور مصیبت ٹپک رہی ہے :

گرچہ سرگزر بھی نہ تھی تابہ کلام
پر یہ بولی کہ زرا جی کو کھتاں
کہ یہ کیا حال ہے کیوں روتے ہو
مفت کسو اسطے جی کھوتے ہو
اب تم اور دل سے لگا لیجیو جی
نہ ہوئے ہم تو کوئی اور سہی

یہی صاحب جی نے کہا ہو گا اور اس کا خیال غلط نہ نکلا مومن نے دوسروں سے اس کے بعد طبیعت بھلائی۔ لیکن صاحب جی کا کیا حشر ہو گا اسے بھی سن لیجئے :

ہاں اگر فکر ہو تو ہم کو ہو
کہ بری آہ ہماری خوش ہے
کم از کم اس وقت عورت کے تاثرات اتنے عمیق ہیں کہ ہم مجبور ہیں کہ اس کی مہر وفا کی داد دیں :
خیر رہنا ہوا اب تک اپنا
اب وطن تم کو مبارک اپنا

یعنی اب تم ہو اور عیش و عشرت ہم ہیں اور رنج و مصیبت !

کام دل رنج و بلا کو سونپا
تم کو ہم نے خدا کو سونپا
عورت جانتی ہے کہ جہاں میں جدا ہوئی مرد مجھے بھول جائے گا لیکن محض یہ خیال اس کی محبت کو کم نہیں کر سکتا۔ ہم پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹیں۔ لیکن تم خوش رہو :

کہ کے یہ اٹھ گئی جی کھوتی ہوئی
ہم بھی روتے ہوئے اپنے گھر آئے
ہچکیاں لیتی ہوئی روتی ہوئی
بادل مضطرب و مضطرب آئے

دونوں اٹھ کر چلے ہیں لیکن صاحب جی ہچکیاں لیتی ہوئی اٹھی ہے اور مومن روتے ہوئے اپنے گھر آئے۔

عورت بے اختیار ہو کر رو رہی ہے لیکن مومن صرف اس بنا پر روتے ہوئے اٹھے ہیں کہ محبوب روتا ہوا اٹھا ہے۔ خود ان کے رنج و غم کا ہم پر وہ اثر نہیں پڑتا جو صاحب جی کی رنج و مصیبت کو دیکھ کر پڑتا ہے

مومن کی شنویوں میں خارجی مناظر کا بیان تلاش کرنا بے سود ہے۔ مومن نے شنویاں نہیں لکھی ہیں بلکہ دل کے چند چھپوے ہیں جو توڑے گئے ہیں۔ مومن کی شنویوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے ضرورت ہے کہ انھیں اسی روشنی میں پڑھا جائے جن کے تحت وہ لکھی گئی ہیں، مصنوعی معیار پر انھیں پرکھنے سے کچھ حاصل نہیں

مومن کی ہمہ گیر طبیعت نے کس صنف سخن میں اپنی جولانی نہیں دکھائی۔ مومن کے اس زور طبیعت کو دیکھتے ہوئے اگر شفیقہ نے گلشن بخت میں یہ لکھا تو کیا غلط ہے کہ ”ہر غم فقیر بقوت شاعری ایشاں کم گئے ہر خات در ہر جنس آ پنجاں مکانے وانی دارد کہ کسے در یک صنف ہم میر نیامدہ اگر خطے از فہم خدا داد داری بیا دید پویش نظر کن و بتصدیق و کذب من زبان انصاف بکش“ جس طرح شنویاں مومن کی عاشقانہ زندگی کی آئینہ دار ہیں اسی طرح رباعیاں مومن کے عقاید پر روشنی ڈالتی ہیں :

محررم حصول مدعا نے چاہا
مومن اس بخت نے گرنے چاہا نہ سہی
حسرت زدہ بخت نارسانے چاہا
ہم خوش ہیں اسی میں جو خدائے چاہا

بالکل سچ ہے صبر و شکر اسی مجبوری کا نام ہے :-

ہے عہد شباب زندگی کا مزا
اب یہ بھی کوئی دن میں فسانہ ہوگا

پیری میں کہاں وہ نوجوانی کا مزا
باتوں میں جو باقی ہے کہانی کا مزا

جو انہرگ مومن کا یہ صرف زور طبیعت تھا جس نے یہ رباعی کہلائی ورنہ پیری تو دیکھنا ہی نصیب نہ ہوتی :

لکھا نہ گیا اگرچہ دفتر لکھا
حیراں ہوں کہ جو حال پریشیاں ہے مڑ

لکھا وہی بالکل کہ ہے دل پر لکھا
یہ کاتب تقدیر نے کیونکر لکھا

حق تو یہ ہے کہ اردو زبان رباعیوں سے قریب قریب خالی ہی ہے - کوئی عمر خیام کوئی ابو سعید ابوالخیر کوئی سرمد اردو زبان میں

پیدا نہ ہوا درد، مومن، انیس و دبیر کے یہاں کچھ رباعیاں ضرور ملتی ہیں لیکن انہیں فارسی زبان کی رباعیوں سے کیا نسبت -

مومن ہے اگرچہ سب اسی کا یہ ظہور
یعنی کہ بنائے ہیں خدا نے بندے

توحید و جود ہی کا نہ کرنا مذکور
بندے کو خدا بنائے کس کا مقدور

توحید و جود ہی کو چھوڑ کر تصوف کی شاعری ناممکن ہو جاتی ہے یہ صرف مومن خاں کا کمال تھا کہ انہوں نے توحید و جود ہی لیکر

شاعری کی ہے - ایک جگہ لکھتے ہیں :

مظہر سے بری ہے کبریائی اس کی
آئینہ گداز خود نمائی اس کی

آئینہ گداز خود نمائی اس کی
آئینہ گداز خود نمائی اس کی

روتا ہوں حسین ابن علی کے غم میں
حیف آل نہی میں کوئی باقی نہ رہا

ہے عیش جناں کی آرزو اس ماتم میں
لازم ہے کہ باقی نہ رہے کچھ ہم میں

مومن نے جہاں دوسرے مذاہب پر شاعرانہ انداز سے مذہبی چوٹیں کی ہیں وہاں اس امر کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ حضرت امام حسین

کے ماتم میں بھی وہ سیاہ پوش نظر آتے ہیں اسی مضمون کی پانچ چھ رباعیاں ان کے دیوان میں موجود تھیں، حالانکہ رباعیوں کی

حیثیت سے ان کا پایہ چننا قابل ذکر نہیں

مومن یہ اثر سیاہ مستی کا نہ ہو
توحید و جود ہی میں جو ہے کیفیت

اندیشہ بلند و پستی کا نہ ہو
ڈرتا ہوں یہ حیلہ خود پرستی کا نہ ہو

ایک نئے مضمون کو بالکل نئے انداز سے لکھا ہے :

بے شاہد دے بادہ و صبر تو بہ تو بہ
ایام شباب اور دلجو ساقی

اس عمر میں دل پہ جبر تو بہ تو بہ
فصل گل و جوش ابر تو بہ تو بہ

کلیات میں سوا سو سے زیادہ رباعیاں موجود ہیں اور بقول ۱- ز - لکھنوی، رباعیوں میں بھی طبیعت کا اصل رنگ موجود ہے۔

مومن کی عاشقانہ زندگی کا دور نویں سال سے شروع ہوتا ہے :

یعنی طفلی سے ہوں میں پیر منیاں
تھے برس ہم شمارہ افلاک

بلند راہ گمر بان جہاں
کہ ہوا پائمال صورت خاک

ابھی دو سال بھی آرام سے نہیں کئے تھے کہ "معتوقہ حور و ملک شیم کا انتقال ہو گیا :

آفت جان و دل فراق و دصال
بہر تسکین شدت خفتاں

الغرض کٹ گئے یونہی دو سال
ٹھہری گلگشت روضہ رضواں

گئی جنت میں بسکہ ایسی حور

ہوئی بیتاب کیسی کیسی حور

مومن کی ساری حیات معاشقہ میں صرف اسی ایک محبوبہ کا انتقال ہوا اور یہ مرثیہ اسی کا لکھا گیا ہے ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں مرثیہ بہت بعد کو لکھا گیا ہوگا۔ یہ مومن کا کمال ہے کہ بلا کسی فوری اثر سے متاثر ہوئے اتنا بھی اثر پیدا کر دیا ہے۔ میرا نیت اور مرزا دبیر کے مرانی ہیں اگر وہ تاثیر پیدا کر سکتے ہیں تو اس کی وجہ اور بھی قوی ہے کہ وہ رونما کر لانا باعث نجات سمجھتے ہیں۔ حالی نے غالب کا جو مرثیہ لکھا ہے وہ غالب کے مرنے کے بعد لکھا ہے اور حالی خود مرگیا غالب سے نہایت متاثر تھے۔ غالب نے عارف کا مرثیہ لکھا ہے اور خوب لکھا ہے لیکن وہ بھی فوری تاثیر کے ماتحت، مومن نے جو مرثیہ لکھا ہے وہ کسی فوری تاثیر کے تحت نہیں لکھا ہے اس کے باوجود بھی مومن نے اپنے مرثیہ میں کسی سے کم اثر نہیں پیدا کیا ہے، یہیں کافر مومن کی شاعری پر ایمان لانا پڑتا ہے نمونہ کے لئے دو بند پراکتفا کرتا ہوں جنہیں پڑھ کر شاید آپ بھی میرے ہمنیال ہو جائیں کہ مرثیہ میں مومن کی کامیابی شاعر اعجاز سے کم نہیں۔

دل کی طرح سے یہ بھی چلی جاں کو کیا ہوا
سر پیٹا ہے شانہ پڑا دونوں ہاتھ سے
پیتی ہے اپنا خون دل افسوس سے حنا
شبم کو پھر ہے جانبِ خود رشید التفات
دل میں شکن ہے زلفِ مسلسل کو طرگئی
بوئے قبا سے یوسفِ گل ہے نسیم میں
لذتِ فزا نہیں الم اس لب پہ کیا بنی
گردش پہ اپنی ناز ہے پھر روزگار کو
دعویٰ ہے شوخیوں کا غزالوں کو دشت میں
کٹاں ہے سینہ چاک رخِ ماہ دیکھ کر
عیب و حجابِ شمعِ رخاں جہاں گیا

دم میں نہیں ہے دم مرے جاناں کو کیا ہوا
کیا جانے اس کی زلف پریشاں کو کیا ہوا
اس دستِ رشک پنجہ مر جاں کو کیا ہوا
شرمندہ ساز مہر درخشاں کو کیا ہوا
برہم ہے حال کا کل پچپاں کو کیا ہوا
اس کی شمیمِ عطر گر سیباں کو کیا ہوا
کچھ زخمِ بھیرہ ہیں نمکدان کو کیا ہوا
اس چشمِ رشکِ فتنہ دو ریاں کو کیا ہوا
اس خوشِ نظر کی جنبشِ مژگاں کو کیا ہوا
اُس غیرتِ مہ تاباں کو کیا ہوا
وہ مہر آسمان نکوئی کہاں گیا

کھو دی خزاں نے رونقِ گلزار ہائے ہائے
پھرتی نہ تھی جو پردہ نشیں گھر میں بیجا
سروِ قنادہ قامتِ محشر خرام ہے
ہمنجوابِ مہجیں کی مرے آنکھِ مند گئیں
وہ شمعِ مہر پہ تو مہ جلوہ بچھ گئی
ہے کچھ خبر بھی گھر مرا دیران ہو گیا
اب پوچھے مجھ سے عاشقِ بکیں کی بات کون
روتا ہوں جان کو ملکِ لموت کی زرا
اے چرخِ یار کش تجھے پاس وفا نہیں
نظارہ ہے محرکِ ماتم ہزار جیف

پتھر مردہ ہو گئے گلِ رخسار ہائے ہائے
نقشِ اس کی جائے ہے سر بازار ہائے ہائے
کیا ہو گئی وہ شوخیِ رفتار ہائے ہائے
کیا سو گئے ہیں طالعِ بیدار ہائے ہائے
دن رات ہے فروغِ شبِ تار ہائے ہائے
سرِ چھوڑ دیا اپنا اس درو دیوار ہائے ہائے
اس میں نہیں ہے طاقتِ گفتار ہائے ہائے
کہ میرے ساتھ تو بھی تو غنوار ہائے ہائے
میں اور رنج و محنتِ آزار ہائے ہائے
ابر و ہوا ہلالِ محرم ہزار جیف

اس مرتبے میں بھی مومن کا کمال فن درجہ کمال کو پہنچ گیا۔ فن کی اس سے بہتر مثال اردو شاعری پیش نہیں کر سکتی تا شیر صرف زور قلم سے پیدا کی گئی ہے۔

حکیم مومن خاں کے کلیات میں نین و اسوخت بھی موجود ہیں مومن کی عاشقانہ طبیعت کے لئے یہ صنف بھی خصوصیت و اسوخت کے ساتھ موزون تھی۔ انھوں نے معشوقوں کی بیوفائیاں دیکھی ہیں۔ و اسوخت میں جو فرضی باتیں ہوتی ہیں وہ ان پر الف تائید گزر چکی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی و اسوخت کی نشریت کس بلا کی ہوگی لیکن میں بخوف طوالت انھیں نقل نہیں کر سکتا کہیں کہیں سے کوئی بند لے لیا گیا ہے بہت ممکن ہے ان مثالوں سے ان کے طرز کا پتہ چل سکے۔

کچھ زمانے کا اعتبار نہیں
دور گردوں پہ اختیار نہیں
عشرت دہر پا پیدا نہیں
چرخ کو ایک دم قرار نہیں

ہو نہ جائے ہماری بات بڑی
کبھی دن ہے کبھی ہے رات بڑی

زلف تھی ہم اشہر شام غریباں کس دن
صبح محشر تھا بھلا چاک گریباں کس دن
برق خرم تھا کہو خندہ پنہاں کس دن
سرمہ تھا رشک بلائے شب بھر اں کس دن
خوبی طرز قفا نسل کی خبر کا ہب کو تھی
شرخی جنبش مڑگاں پہ نظر کا ہب کو تھی

میں ہی تو رہا ہوں کہیں شب کو خوش و خرم
میں نے ہی تو کی بادہ کشی غیر سے باہم
میری ہی نظر سے ہے عیاں نیند کا عالم
آتی ہے جمائی پہ جمائی مجھے ہر دم
انگڑائیاں لیتا ہوں یہ اب میں ہی تو سہم
میری ہی تو آنکھوں میں غضب نیند بھری ہے
میری ہی جبین ہے کہ جو گھٹنے پہ دھری ہے

آخری بند کا طنز قابل ملاحظہ ہے۔ مومن کی کامیاب و اسوخت نویسی کی داد مومن کی شاعرانہ مندرت کو کچھ ایسا بلند نہیں کر سکتی صرف عاشق مزاجی اور موزون طبیعت ان کے و اسوخت کو و اسوخت بنا سکتی ہے۔

شاعر کی زور طبیعت اور سخن فہمی کی آئینہ دار ہوتی ہے بعض اوقات اپنے شاعروں کی تفہیم اصل غزل یا قصیدے کو بلند
تفہیم کر دیتی ہیں اور خود ان سے بلند ہوتی ہیں مثال میں محسن کا کوروی کا مشہور قصیدہ لے لیجئے جس کا مطلع ہے:

مٹانا لوح دل سے نقش ناموس ابجد کا
دہستان محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا

نور دانشی امیر احمد صاحب محسن کا کوروی سے بلند یا یہ شاعر تھے اور میری رائے میں ان کی تفہیم اصل قصیدے سے بلند مرتبہ رکھتی ہے۔ اسی طرح مومن نے اپنے شاگرد شفیقہ کے ایک غزل کی تفہیم کی ہے اور غزل کو بلند کر دیا ہے
تفہیم شعر طوطی شکرستان ہند :-

صبح و مید شب گزشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر یہ کنید یار بایں بہانہ رفت
تفہیم کے دو تین بند ملاحظہ ہوں :-

ہائے نظر میں پھرتی ہیں شب کی سیاہ مستیاں
بادہ سرخ رنگ کے فرش پہ ہیں کئی نشاں
تاب گسل خمار ہے نشہ وصل اب کہاں
سیل شرک لالہ گولی چشم سے کیوں نہ پوراں
صبح و مید شب گزشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر یہ کنید یار بایں بہانہ رفت

زمزمہ و ترنم و رقص و ترانہ ہائے
گردش چرخ حیف حیف دور زمانہ ہائے
روئے سحر سیہ کنید یار بایں بہانہ رفت
رات کو یاں گزر ہوا اس بت دلنواز کا
کس سے ادا ہوا بصلوۃ ہوش کہاں نماز کا
روئے سحر سیہ کنید یار بایں بہانہ رفت

جلوہ بزم عشرت و رونق خانہ ہائے
ساقی و مطرب و سے وصل شبانہ ہائے
صبح و مید شب گزشت ماہ شبینہ خانہ رفت
مومن یا وہ گو حریف تو نہیں اپنے راز کا
وقت اذان تلک رہا زمزمہ عیش و ناز کا
صبح و مید شب گزشت ماہ شبینہ خانہ رفت

حافظ، نظیری، عرقی، کلیم، میلی، قدسی کی غزلوں پر تفسیمیں موجود ہیں کلیات ملاحظہ ہو۔

معنی اور تاریخیں مومن کی طبع رسائی تاریخوں میں معنی و تخریج کو جن کا شمار عیوب میں ہوتا تھا محضات تاریخ میں داخل کر دیا مومن سے پہلے شعراء اور ان کے معاصرین نے بھی تاریخیں لکھی ہیں لیکن اعداد کو جمع کرنے کے علاوہ اور کوئی تکلیف گوارا نہیں کی ہے۔ مومن کی تاریخیں شاعرانہ نزاکتوں سے مالا مال ہیں۔

تاریخ رحلت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز؛
دست بیداد اجل سے بے سرو پا ہو گئے فقر و دیں فضل و بہر لطف و کرم علم و عمل
فقر و دیں فضل و بہر علم و عمل کے پہلے حرف کے اعداد خارج کر دینے سے تاریخ نکلتی ہے۔
تاریخ ولادت و دختر مومن خاں :-

نال کٹنے کے ساتھ ہاتھ نے کہی تاریخ دختر مومن
دختر مومن سے نال کے اعداد خارج کر دیجئے ۱۲۵۹ھ مکمل آئے گا۔

تاریخ وفات دختر :- خاک بر فرق دولت و دنیا من فشاندم خزانہ بر سر خاک

سادہ تاریخوں میں مومن نے اپنے والد ماجد حکیم نبی خاں کی وفات کی تاریخ قد فاز فوزاً عظیماً اور اپنی جدہ کے انتقال کی تاریخ ذہلت بالنعیم سے نکالی ہے۔

گلشن بیجا کی تاریخ مع قطعہ دیکھنے کی چیز ہے :-

کیا تذکرہ شیفہ نے لکھا
یوں نکتہ شناس ہیں پر ایسا
افکار بلند سے بنایا
ہر فقرہ منتر جان مضمون
کیا بات ہے منتخب کی تیرے
ہر نقطہ انتخاب تیرا
تیرے جو سخن سے ہے سرفراز
معنی ہیں شاطر از الفاظ
ہے تذکرہ یا ریاض فردوس
اے تازہ بہار باغ مضمون
مومن نے جب اس میں یرنگ کی
ہے شیفہ جس کے جاں معنی
کوئی نہیں متدردان معنی
نہ چرخ پہ آسمان معنی
ہر شعر رواں دواں معنی
اے منتخب جہان معنی
حال رخ دلبران معنی
الفاظ کا پایہ شان معنی
الفاظ مدیح خوان معنی
فردوس ہے یا جہان معنی
اے گلشن بے خزان معنی
سیر گل و صنوبران معنی

آیا ہے خیال سال اتمام
غنچہ کی طرح سے سرفروختھا
جب نغمہ سرائے ہو سکا وہ
ہاتھ نے کہا ہے اسکی تاریخ

تھا وہ بھی تو باغبان معنی
یک چند وہ ہم زبان معنی
دستان زن داستان معنی
گلستان گلستان معنی

معمول میں ایک معمہ لاجواب ہے اور بقول آزاد ایسا تو سنا نہیں گیا۔

معمہ باسم جہتاب رائے

ہم اے بات یار کو اٹ دیکھے جہتاب رائے نکل آئے گا۔
ہم اے بات یار کو اٹ دیکھے جہتاب رائے نکل آئے گا۔

مومن کی عدم مقبولیت کے اسباب

مومن کی کلیات پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد بھی جو پہلا سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اتنا بڑا جامع شاعر جس نے کوئی صنف سخن رسی نہیں چھوڑی جس میں اس نے کما حقہ داد و سخنوری نہ دی ہو کیونکر اپنے معاصرین کی بہ نسبت گننام رہا۔ فوراً کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مومن خاں کے زیادہ مشہور نہ ہونے کا سبب انکی خودداری تھی جو خود پرستی تک پہنچ گئی تھی دوسرا سبب ان کی مذہبیت تھی جس میں تعصب کا رنگ آگیا تھا، تیسرا سبب ان کے کلام کی نازک خیالی تھی جس کی زمانہ قدر نہ کر سکتا تھا۔ یہی تین وجوہ دراصل ان کی عدم مقبولیت کا باعث تھے اور مجھے یقین ہے کہ ایک زمانہ وہ بھی آئے گا بلکہ آ رہا ہے جب یہی عیوب محاسن ہر ان کی شہرت کا باعث ہوں گے۔ مومن کی خودداری کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے احباب کا ادنیٰ سا احسان بھی گوارا نہ کرتے تھے یہی خودداری تھی جنہوں نے ان کو شاہی دربار سے کبھی وابستہ نہ ہونے دیا خود ان کا کلام ان کی خودداری کا شاہد ہے۔ خود پرستی بڑی چیز بھی جائے لیکن خود شناسی کا شمار عیوب میں نہیں ہو سکتا۔ اسی خود شناسی نے مومن میں خود اعتمادی پیدا کر دی تھی جس نے یہ صورت اختیار کر لی تھی کہ وہ اپنے معاصرین کو شاعر ہی نہیں سمجھتے تھے۔ بار بار انہوں نے ان کو سگان جیفہ خوار لکھا ہے لیکن کسی کی ذات پر حملہ نہیں کیا، ذاتی طور پر ان کو ذوق یا غالب کسی سے پر غاش نہیں تھی۔ جس طرح ذوق و غالب میں چوٹیں چلتی رہتی تھیں۔ مومن اس سے بلند نظر آتے ہیں اگر مومن نے غالب و ذوق پر چوٹیں نہیں کی ہیں تو اس کی صرف وجہ یہ ہے کہ وہ ان شعرا کو اپنا مقابل گوارا ہی نہ کرتے تھے۔ مومن کے تبحر علمی اور جامعیت کے سامنے مفتی صدر الدین آزاد جیسے فاضلوں کو خاموش رہنے کے سوا چارہ کار نظر نہیں آتا ذوق و غالب غریب کس شمار قطار میں تھے۔ آزاد نے ذوق کو شیخ اکبر ابو حنیفہ، نیرازی سب کچھ لکھا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز کے شاگرد مومن کے سامنے ذوق کے ادعائے علمیت کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔ مومن کی یہ ادائیگری جو یا بھلی مومن کے کلام میں نمایاں ہے۔

یہ سگان جیفہ خوار معزز سخن سے بے نصیب
کافر استخوان پرست طرفہ کی وکافری

اپنے معاصرین کی طرف اشارہ ہے لیکن انداز کلام اس کا شاہد ہے کہ کسی کی ذات پر حملہ نہیں کیا گیا ہے۔

اپنے انداز کی بھی ایک غزلی پڑھ مومن
آخر اس ہزم میں کوئی بھی سمجھتا ہوگا

سخن گو تو کیا مومن مشکل سے کسی کو سخن ہم سمجھتے تھے۔

مومن بخدا سحر بیانی کا بھی تک
گرچہ شعر مومن بھی نہایت خوب کہتا ہے

ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کہاں ہے ایک معنی بند مضمون باب اپنا سا

مومن سمجھے تو وہ سب ہے مومن ہی وہ نہیں
جو مستند نہیں تری طبع مسایم کا

مومن اُسی نے مجھ سے دی برتری کسی کو
حق تو یہ ہے کیا غزل اک اور مومن نے پڑھی
ایسی غزل کہی یہ کہ جھکتا ہے سب کا سر
وہ مشق نہی اور نہ وہ شوق ہے مومن
مومن سے اچھی ہو غزل تھا اسلئے یہ زور شور
پڑھتا ہے کہیں غزل جو مومن
ایک اور پڑھ وہ مومن شعلہ زبان غزل
مومن یہ شاعروں کا مرے آگے رنگ ہے
مرد دل کو تجھ پہ دیتے ہیں ترجیح جو حسود
شعر تر وہ ہیں مرے مومن کو ہنگام جواب
مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارے آج

جو پست فہم میرے اشعار تک نہ پہونچا
آج باطل سارے استاد دل کا دعویٰ ہو گیا
مومن نے اس زمین کو مسجد بنا دیا
کیا شعر کہیں گے اگر الہام نہ ہو گا
کیا کیا مضامین لائے ہم کس کس ہنر سے باز ہو کر
لگ اُٹھتی ہے ایک بار آتش
جل جائیں جس کے رشک سے حاسد لبان شمع
جول پیش آفتاب ہو بے نور تر چراغ
مومن یہ جان لے کہ سنگ جیفہ خوار ہیں
خوف سے منہ اور زبان ہر سخنور خشک ہو
دیکھا بھی ہم نے اس شعرا کے امام کو

عبث ترقی فن کی ہوس ہے مومن کو
زادہ ہوئیگا کیا اس سے بيمثال تو ہے
اسی طرح قصاید میں تعلیایں کی لگیں لیکن مومن اسے تعلی نہیں کہتا امر واقعہ سمجھتا ہے۔ بہر حال معاصرین فطرتاً مومن سے خوش
نہ رہ سکے اور نہ رہ سکتے تھے۔

دوسری بات مومن کی مذہبیت ہے۔ انھوں نے شیعوں پر اور حنفیوں پر جہاں موقعہ پایا ہے چوٹیں کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسکا
اثر مومن کی شہرت پر اچھا نہیں پڑا۔ پہلا بدلہ مومن سے شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے لیا کہ آپ حیات کے پہلے اڈیشن
میں مومن کا نام ہی نہ آیا۔ لیکن جب آپ حیات میں مومن کی عدم موجودگی کی توجیہ لوگوں نے نہی نہی طرح کرنا شروع کر دی تو مجبوراً
شمس العلماء کو دوسرے اڈیشن میں یہ کہہ کر مومن کو بھی جگہ دینی پڑی۔ کہ مجھے یہ مجبوری اُن کا حال قلم انداز کرنا پڑا تھا۔ دنیا کے
کے لوگوں نے اپنے اپنے حوصلے کے بموجب اس پر جو چاہا سو کہا۔

قصاید اور مثنویوں میں اثنا عشریوں پر حملے کئے ہیں غزل اور رباعیاں حنفیوں کے لئے وقف ہیں۔
ایک قصیدہ کی تشبیب کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ بدشعار طر حدار دلر با جس سے
وہ شوخ بے سبب آزار بے گنہ خونریز
وہ نکتہ داں کہ تقیہ کو اصل دین کہے
وہ دور ہیں کہ خدا پر کرے بد اثابت
وہ کج ادا صنم خود پسند کافر کیش
وہ فتنہ گر بت حق ناشناس نا انصاف
امید وصل خطا ترک آرزو مشکل
کہ جرم قاتل عثمان کا نہ ہوتا یل
دم شکایت عاشق نہ ہو جفا سے نجل
نہیں ہے غیر زبں اعتماد کے قابل
کہ جس کے زعم میں باطل حق اور حق باطل
جو فرض عین گئے کین داور عادل

نرا لاسب سے اس کا کیش و آئیں
غضب خونریز و کافر ماجرا ہے
رقیب اہل بیت و دشمن دیں
فضائے خانہ دشت کربلا ہے

لکھے اپنے شہیدوں کے لئے خاک
جس مردے کا اس مذہب میں ناپاک
دھونڈھے قتل عاشق میں سبب کچھ
برائے مصلحت جا رُز ہے سب کچھ
.....
طلسم شیعگی جا دو کلامی

لیکن یہ دل آنے کی باتیں تھیں۔ خفیوں پر تو خالص مذہبی نقطہ نظر سے حملہ کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

یہ چند منافق و سراپا بدعت
ہے کفر و ضلال و فسق جن کی طینت
بتلاتے ہیں بدعتی امام حق کو
گویا کہ جہاد ہے خلاف سنت
یہ کچھ رہ سنت نہ طریق تو حید
پھر کیا ہے ضرور سب کی یکساں فہمید
ہم سمجھے ہیں معنی حقیقی یعنی
حیواں ہیں حقیقت میں یہ اہل تقلید
ہر چند نہیں قیاس سے کچھ سروکار
پر تو بہ سے از بسکہ ہوا میں بیمار
مے بہر دوا اپنے کو مفتی کے حضور
تقلید ابو حنیفہ کا ہے اقرار

غرض ہر ممکن پہلو سے خفیوں پر حملہ کیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ سنی کوئی ال سے خوش نہ رہا اور اس جرم میں ان کا کلام جس داد کا مستحق تھا اس سے بھی محروم رہا۔ لیکن اس عصبیت کا کیا سبب ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سیاسی ہے نہ کہ مذہبی مومن اپنے عقاید میں وہ مذہبی ہوں یا سیاسی (نہایت شدید) واقع ہوئے تھے۔ ان کی شاعری بھی ان کی اسی خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے دلی بھر میں مومن ناں کے ہمنیال ایک مولوی اسماعیل شہید تھے۔ ہندوستان نصرا نیوں کے بچہ آرزو کا رفتہ رفتہ شکار ہو رہا تھا مولوی سید احمد صاحب بریلوی کی دور بین نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ اگر اس نصرائی فتنہ کا سد باب نہ کیا گیا تو وہ دن دور نہیں جب سارا ہندوستان ان کے قبضہ میں ہوگا چنانچہ جہاد اسی خیال کا نتیجہ تھا۔ مسلمانوں پر ہمیشہ یہ الزام رکھا جاتا ہے کہ انھیں ہندوستان سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی، ان کی ہمدردی ہمیشہ عربوں اور ترکوں کے ساتھ ہی، مسلمانوں کو یہ طعنہ دینے والے دیکھیں کہ انیسویں صدی کے وسط میں مولوی سید احمد صاحب بریلوی نے جو تحریک جہاد کی تھی وہ کس خیال پر مبنی تھی۔ مومن خاں مولوی صاحب کے سرگرم قبیع تھے۔ دوسرے لوگ جب اس تحریک کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر رہے تو مومن خاں کو مجبور ہو کر ان کے خلاف اپنی آواز بلند کرنی پڑی۔ مومن خاں کا انتقال غدر سے پہلے ۱۸۷۷ء میں ہو گیا۔ ہندوستان رفتہ رفتہ انگریزوں کے قبضہ میں جا رہا تھا یہ دیکھ کر مومن خاں کا دل دکھتا تھا دلی میں کوئی ایسا نہ تھا جس سے وہ اپنا درد دل کہتا سارا غبار وہ شعر کہتا تھا تحریک جہاد کی وجہ بھی سن لیجئے:-

مومن حسد سے کرتے ہیں ساماں جہاد کا ترسا صنم کو دیکھ کے نصرا نیوں میں ہم

کلیات میں ایک جہاد یہ شنوی بھی موجود ہے۔ افسوس دلی اس غیر معمولی دل و دماغ کے آدمی کی قارئین کی اور اس تحریک جہاد کو کا حقہ کامیابی نہ حاصل ہو سکی ورنہ آج ہندوستان آزاد ہوتا۔ بہر حال سطلی نگاہوں نے مومن کی اس عصبیت کو دیکھ کر ان کے کلام کو بھی ٹھکرا دیا، لیکن اس جذبہ کی قدر نہ کی جس کا وہ نتیجہ تھا اردو میں فارسی کی چیت بندشوں کے اول اول استعمال کرنے کا سہرا جو آج غالب کے سر ہے اس کے بانی اردو شاعری میں مومن خاں ہوئے ہیں۔ جس دلی نے اس دود میں غالب کی قدر نہ کی وہ مومن کی قدر کیا کر سکتی تھی۔ ذوق کے کلام سے لطف اٹھانے والے مومن کی شاعری کیا خاک سمجھ سکتے تھے، زمانہ نے پلٹا دکھایا اور دنیا ذوق کو چھوڑ کر غالب سے لطف اندوز ہونے لگی اب وہ زمانہ بھی دور نہیں کہ مومن اردو شاعری میں غالب کے دوش بہ دوش نظر آئیں، فلسفہ اخلاق و تصوف کو جو لوگ شاعری میں ڈھونڈتے ہیں ان کے لئے مومن کی کلیات میں کوئی سامان دلچسپی کا نہیں لیکن جو لوگ اظہار جذبات اور لطیف انداز بیان کو شاعری سمجھتے ہیں وہی مومن کی قدر کر سکتے ہیں۔ مومن فلسفہ اخلاق و تصوف کو شاعری

موضوع نہیں سمجھتے وہ جذبات کی شاعری کو شاعری جانتے ہیں۔

جذبات کے اظہار کے لئے مومن نے نئے نئے اسلوب بیان اختیار کئے جہاں کہیں جذبات کا تجزیہ شکل ہو جاتا ہے وہاں شاعر کو اپنی قدرت بیان اور زور طبیعت کا جو ہر دکھانا پڑتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات اسے نئی نئی بندشیں اور ترکیبیں ایجاد کرنا پڑتی ہیں اور بعض موقعوں پر خیالات اتنی پیچیدگی اختیار کر لیتے ہیں کہ معمولی سمجھ کا آدمی ان سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ذوق کی سادگی بیان کے سامنے مومن وغالب کا رنگ نہ جم سکا۔ لیکن اسلوب بیان کی قدرت بھی کوئی معمولی چیز نہ تھی وہ وقت بھی آیا کہ مومن اور غالب نگاہوں پر چڑھے اور وہی وجہ جو کبھی مومن کے عام مقبولیت کا باعث تھی اب قبول عام کا سبب بن رہی ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ ایک ناقد کا تلخ فرض یہ ہے کہ تصویر کے روشن رخ کی طرح اس کے تاریک رخ کو بھی منظر عام پر لائے اس لئے یہ ضروری ہے کہ محاسن کے ساتھ عیوب کا بھی بیان کیا جائے۔ اصل یہ ہے کہ عرقی کی طرح مومن کی اٹھان بھی خوب ہوئی مگر افسوس کہ ترقی کا موقع نہ مل سکا۔ اگر مومن کی عمر وفا کرتی اور ان کی مجتہدانہ ایجاد پسندی اور لاابالیانہ وارستہ مزاجی کچھ جہلت دیتی تو اس میں شک نہیں کہ اردو شاعری میں ان کا جہاں نہ ہوتا۔ انھوں نے شاعری کو فن کی حیثیت سے کبھی اختیار نہیں کیا البتہ تفریح کی نیت سے کیا اور اپنے دوسرے مشاغل کی طرح سامان دلچسپی سمجھا۔ یہی سبب تھا کہ ان کے کلام میں چند نقائص رہ گئے جنھوں نے کلام کو پیچیدہ بنا دیا۔ اغلاق کی بہ میں خیالات کی پیچیدگی اور زبان کی ناہمداری دو خاص عنصر ہیں جو قابل بحث ہیں۔ مومن پر بحث کرتے ہوئے اس امر کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ وہ شاہ نصیر کے شاگرد تھے گو وہ شاگرد ہی چند ہی دن کی کیوں نہ رہی ہو صاحب شعر البند نے شاہ نصیر کو بجا طور پر دہلی کا ناسخ لکھا ہے۔ مومن نے جب آنکھ کھولی تو دہلی میں شاہ نصیر کی استادی کا ڈنک بج رہا تھا جب جوان ہوئے تو دہلی میں ناسخ کا دیوان پہنچ چکا تھا جس کا وہ شہرہ تھا کہ قول غالب ہم نے اور مومن خاں نے یہ عہد کر لیا کہ ناسخ کا تتبع کرنا چاہئے۔ لیکن یہ عہد کسی سے بچھ نہ سکا مومن خاں اپنے پیرانے رنگ پر آگئے اور میں نے میر کا طرنا اختیار کیا۔ نسخہ حمید یہ میں غالب کی ایسی غزلیں ہیں جن میں ناسخ کا رنگ تیزی کے ساتھ جھلکتا نظر آتا ہے اسی طرح کلیات مومن میں بہت سی غزلیں ایسی نظر آئیں گی جن میں نصیر اور ناسخ کا تتبع صاف ظاہر ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ شاعری بحیثیت (آرٹ) فن ناسخ کے یہاں حد کمال کو پہنچ گئی لیکن شعرائے دلی کے لئے جن کی شاعری سراسر جذبات کی شاعری ہے یہ تتبع مفید نہیں ہو سکتا کیونکہ کلام میں آرد و جذبات کے اثر کو کھو دیتا ہے۔ ذیل کی مثالیں میرے اس بیان کو واضح کر دیں گی:

بن ترے اسے شعلہ دو آتشکہ تن ہو گیا	شمع قد پر میرے پروانہ برہمن ہو گیا
بسکہ میں سارے برس روتا رہا غم میں تیرے	جیٹھ اور بیساکھ کا بھی چاند سا دن ہو گیا
آخر اشکوں کے بھر آنے نے ڈبویا ہے مجھے	چشم کا سوراخ کو کشتی کا روزن ہو گیا
ظلم کا ثمرہ یہی تھا دیکھ کر گلہائے داغ	بید مجنوں دیکھ کر وہ سرو رعنا ہو گیا
چہ مشک بسکہ روتے روتے چشم اسے ماہرو	شب جو اشک آیا تو اک عقد ثریا ہو گیا
تاش کا ہدم کفن لانا کہ بس میں مر گیا	چلو نوز سے جلوہ خورشید سیما دیکھ کر
یاد آیا سوئے دشمن اُس کا جانا گرم گرم	پانی پانی ہو گیا میں موج دریا دیکھ کر
دوستو مرنے والوں اس روع عرق آلودہ پر	لاش بھی میری بہانا بعد مردن آب میں

خیالات کی پیچیدگی مومن خاں فارسی کے نہایت اچھے شاعر تھے اس نے متاخرین کے طرز سے ان کو خاص دلچسپی تھی اسی وجہ سے اردو میں بھی طرنا اختیار کی اگرچہ اس کی تقلید کا اعتراف کرنا ان کی شان اجتہاد کے

خلافت تھا۔ علاوہ بریں خاں صاحب طبع و روش عام سے احتراز کرنا اپنی خودداری کا مقتضا سمجھتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے اردو میں تیسروں مرزا، سیدانشار و شیخ مصحفی کسی کی پیروی نہ کی بلکہ اپنی راہ دنیا سے الگ لگائی۔ حد ہو گئی کہ خیالات کی پرواز اور اسلوب بیان کی جہت میں غالب بھی ان سے پیچھے رہ جاتے ہیں، سننے والے سنتے ہیں اور سردھنٹے ہیں یہی بلند پروازی اور نازک خیالی جب اعتدال سے بڑھ جاتی ہے تو معمر بن کر رہ جاتی ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:-

دیکھ اپنا حال زار منجسم ہوا رقیب
ان سے پری دوش کو نہ دیکھے کوئی
تا شیر بقراری ناکام آفریں
کیا رم نہ کرو گے اگر ابرام نہ ہوگا
ذکر اغیار سے ہوا معلوم،
دفن جب خاک میں ہم سوختہ سماں ہونگے
لیا ہے دل کے عوض، جان دے رقیب تو دواں
تھا سازگار طالع نا ساز دیکھنا
مجھ کو مری شرم نے رسوا کیا
ہے کام ان سے شوخ شمایل کو تھا منا
الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہوگا
صرف ناصح برا نہیں ہوتا
فلس ماہی کے گل شمع شبستاں ہوں گے
میں اور آپ کی سوداگری زیاں کے لئے

(۲) زبان کی ناہمواری :- اساتذہ دہلی باتشائے ذوق معنی کو الفاظ پر ترجیح دیتے ہیں جس کا اکثر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود ان کے کلام میں صحت زبان اور درستی بندش کی خامیاں جا بجا نظر آتی ہیں یہی حال مومن خاں کا ہے کہ انھوں نے کبھی صحت زبان کی طرف توجہ نہ کی اس بات کو ان کے رتبے سے فروتر سمجھے یا بالآخر مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اس بارے میں مرزا غالب سے بھی زیادہ بدنام ہیں اور بجا طور پر بدنام ہیں، خیالات کی نزاکت اور ندرت کے علاوہ بندش کی تعقید خاص طور پر ان کے کلام کے اغلاق کی ذمہ دار ہے۔ دیوان ایسے اشعار سے بھرا پڑا ہے یہاں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:-

بے حجابی کا گلہ کیجئے تو کہتا ہے ترے
شوخی کہتا ہے بے حیا جانا،
ہاں جوش تپش چھڑا دیا جائے کہ پر تو
غریب گریہ خونیں رہا نہ کر جدم
خدا یا لشکر اسلام تک پہنچا کہ آپ پہنچا
ہے کفر و بدعت ایک نہیں تار سجدے سے
لکھ کے بدستی غم تاکہ وہ میکش پڑھ لے
غم خانہ تنگ و تاریک اور ہم سیاہ روز
وہ گردن دیکھ یہ حالت ہوئی تغیر شیشی
محفل میں تم اغیار کو روز دیدہ نظر سے
پردہ چشم کی تقصیر کہ حایل نہ ہوا
دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا
جھڑ جائیں گے فرسودہ اگر دام نہ ہوگا
لباس یعنی پہنتے نہیں مسلمان شرج
لبوں پر دم بلا ہے جوش خوں شوق شہادت کا
زار مومن آئے ہے کیوں برہمن کی یاد
بانزدہ دیتا ہوں سر شیشہ صہبا کاغذ
جلتے ہیں یعنی چاہئے آنکھوں پر چاہیے
کہ تھمتی ہی نہیں پکی ہوئی ہے دیر شیشہ کی
منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو

ان کی عادت ہے کہ جملے کا ایک ٹکڑا ایک مصرع میں اور دوسرا ٹکڑا دوسرے مصرع میں لاتے ہیں جن کی مثالیں اوپر گزری ہیں کبھی نامانوس ترکیبوں اور تفصیل الفاظ سے کبھی مشکل اصطلاحات اور اشارات بعبیدہ سے شعر کو گور کو دھندا بنا دیتے ہیں، جیسے بندہ شور عجز اور اک سیمیا سے عرض شمس، نہ فلک نو آفریں، وجہ عطاس عز و جاہ، خجالت آب پیکری، زبان بیدہ سایل غیور یا اطاوس، افیوس، ادا فیوس، شامو، بلبوس، جام نرود، فال اختر، قمر چاکر، مثلث عامل، تجدد امثال، افتائے سدوم، حدیث صدغانی وغیرہ۔

جس نے کہ اس آگ کو بجھایا

مومن غضب ہے لذت آتش فرائے داغ

اپنے ہی خوں سے گمراہ امن فریاد بھرے

خاں صاحب نے باوجود تبحر علمی بے پروائی سے بعض الفاظ کا غلط استعمال کیا ہے مثلاً شمر بسکون میم کو شمر بفتح میم لکھا ہے یا مضاف الیہ کی نون آخر کا اعلان کیا ہے، جیسے ”یہ دیکھ لو کہ مجھے طاقت بیان نہیں“ اسی سلسلہ میں ہم اتنا اودھ اضافہ کرتا چاہتے ہیں کہ مومن نے بعض موقعوں پر ردیف بالکل بے کار رکھی ہے، جیسے :-

مفت بیٹھے بٹھائے لوگوں نے

کیا کیا ہی جلی ہے یار آتش

یہ نقایص ان کے کلام میں نہ ہوتے تو بہتر تھا، تاہم ان کے کمال میں فرق نہیں آسکتا۔

شاگردانِ مومن

بے سخن ہے دلربا جن کا سخن

.....

.....

نکتہ خاطر نشان جن کا رسم

شاگردانِ مومن وغالب نے مومن اور غالب کی چست و نادر ترکیبیں بجالا رکھیں اور صفائی زبان کا زیادہ اہتمام کیا۔ آج حسرت، فانی، جگر نے اردو شاعری میں جو رنگ اختیار کیا ہے اس کی بنا مومن اور غالب نے ڈالی تھی۔ اردو شاعری فوق کے نقش قدم پر چل کر ترقی نہیں کر سکتی۔ آج تو وہی مومن کا اجتہاد و کام آرہا ہے جو کبھی بُری نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ مومن کے کئی ایک شاگردوں نے ان کے مرنے کے بعد مرزا غالب سے اصلاح لی۔ جن شاگردوں کا کلام تلاش و جستجو سے دستیاب ہو سکا ان کا انتخاب ہر پُر ناظرین ہے:

آشفقت - حکیم سید منو علی خلیف سید علی نواز رضوی سادات بارہا سے تھے۔ دلی ہی میں رہتے تھے :-

کسی کا ہم نے بتلاؤ لیا کیا

کئی دن ہو گئے اس کو نہ مرا ہے نہ جیتا ہے

.....

.....

.....

.....

.....

.....

بہت روئے تو اپنی جان کھوئی

سنا تھا ہم نے آشفقت کو کوئی دم کا تھاں ہے

.....

.....

.....

.....

.....

.....

قلق - حکیم مولا بخش میرٹھی :-

.....

.....

اٹھائے نالہ کیوں تہمت اثر کی
اک آسماں کو بھونکا اک آسماں بنایا
یاں آشیاں بنایا ویاں آشیاں بنایا
اک زمانے کو قتل کر بیٹھے

محبت میں کہاں شرکت گوارا
دیکھو ستم ظریفی دعوہ دل و جگر کی
فصل بہار اپنی گزری ہے پول ہی ساری
کچھ تماشا ہے کھیل ہے کیا ہے

پیتاب۔ نواب عباس علی خاں رامپوری :-

داد سے روز جزا کے بھی رہونگا محروم
سحر نہ دیکھنی ہم کو نصیب ہو یا رب

یہ نظر آئی ہے طول شب ہجراں مجھ کو
شب فراق میں اپنی یہی دُعا ہوگی
خمنانہ جاوید میں مصحفی اور غفلت کے شاگرد بتائے گئے ہیں
مولانا حسرت موہانی کی تحقیق ہے کہ قدرت اللہ شوق کے شاگرد ہیں۔ اڈیٹر نگار نے نظام شاہ رامپوری کے تذکرے میں انھیں مومن
کاشاگر دکھایا ہے :-

کون پر سناں ہے حال بیل کا
لب جو کون سیر کو آیا
سانس آہستہ لہجہ بھیاں

تسکین۔ میر حسین ۱۹۶۸ء میں وفات پائی۔ مومن خاں کے ارشد تلامذہ میں انکا شمار ہوتا ہے :-

کوٹہ یار میں نے تسکین
تسکین کروں کیا دل مضطر کا علاج اب
تسکین نے لے کے نام تراوت مرگ آہ
قاصد آیا ہے وہاں سے تو زرا تھم تو سہی
فتنہ محشر کا تھا سب کو گساں
اب یہ حالت ہے کہ اُن سا بیدرد
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

پاؤں رکھا تھا کہ سر یاد آیا
کبخت کو مر کر بھی تو آرام نہ آیا
کیا جانے کیا کہا تھا کسی نے سنا نہیں
بات تو کرنے دے اس سے دل بیتاب مجھے
تجھ کو پہچانا تری رفتار سے
میرے مرنے کی دُعا مانگے ہے
کہ دیتی ہے شوخی نقش پا کی

تہور۔ مرزا غلام فخر الدین مرزا صاحب کے بھائی تھے۔ کبھی کبھی مومن سے بھی اصلاح لی ہے :-

اب ہے کیا باقی جو کاوش ہے تری دست جنوں
برق۔ قاضی نجم الدین ابن سراج الدین سکندر آبادی :-
اسے برق تیز دستی و حشت کو دیکھنا
وہ بھی نہ رہا جو ش محبت ہیں ابھی
دستی نے تیرے خاک اڑائی یہاں ملک
حرم و دیر کے جھگڑے ترے چھپنے سے پڑے
راحت۔ مرزا محمود بیگ دہلوی :-

چاک داماں ہو گیا ٹکڑے گریباں ہو گیا

دامن کو سیتے سیتے گریباں نکل گیا
پہلے جو مری آہ میں تھوڑا سا اثر تھا
میتا نہیں نہ میں کا پتہ آسماں ملک
تو اگر یہ وہ اٹھادے تو تو ہی تو ہو جائے

ہم سے تو وہ بھی چھٹے اور دل شیدا چھوٹا
راسخ۔ سعادت علی خاں متوطن دہلی :-
ہوں تو آنکھوں میں پر نہیں یہ خبر

یا د کس کس کو کس کی خیر چھوٹا چھوٹا
سر نہ ہوں یا غبار ہوں کیا ہوں

سوالگ - مرزا قربان علی بیگ سائک غالباً مومن کی حیات تک خاں مرحوم سے اصلاح لیتے رہے۔ اس کے بعد غالب کے شاگرد ہو گئے صاحب دیوان ہیں :-

داں دھل و ہم کو نہ گزرے خیال کا
دل وہ کا فر ہے کہ مجھ کو نہ دیا چین کبھی
یوں عمر گزار رہی تری فرقت میں کہ ہر دم
جب تھک کے تری راہ میں بیٹھے تو کھلا حال
ہم بیٹھے ہیں یوں منتظر اس راہ گزر میں
اچھی جگہ ہے دل کو بھروسہ وصال کا
بیوفا تو بھی اسے لیکے پشیمان ہوگا
چینے کا گماں تھا مجھے مرنے کا یقین تھا
جو کھوئے ہوئے ہیں وہی کچھ پائے ہوئے ہیں
گو یا کہ اسی شوخ کے ٹھہرائے ہوئے ہیں

صاحب - نام امۃ الفاطمہ سلیم عرف صاحب جی، صاحب گلشن بیچار نے لکھا ہے کہ "بتقریب مداد ابامومن خاں کارش افتادہ
ماہے چند کار بار و در دا بود ثنوی قول غمیں، نام کہ از مصنفات خاں معز الیہ است شرح نسخہ حسن و جمال بہمال موزون قد است
القصد بفضیل شان دلش بشعر و شاعری میل کرد از موزونی قامت بموزونی طبع گرایندہ و از آرایش زلف پیچاں بموشگافی
اشعار سچیدہ از دست :-

گنہ کیا صنم کے نظارے میں زاہد
کھوئے ہیں اس نے پیر بن یوسفی کے بند
شیفتہ - نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ :-
خدا نے یہ جلوہ دکھایا تو دیکھا
تہ کر رکھے نسیم سے کہد و قبائے گل

ہائے اس برق جہاں سوز پہ آنا دل کا
کس لئے لطف کی باتیں ہیں پھر
کہتا تھا وقت نزع کے ہر اک سے شیفتہ
آشفۃ زلف چاک قبائیم بار چشم
اسے تاب برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی
یا اپنے جوش عشوہ پہیم کو تھام لے
آشفۃ خاطر سی وہ بلا ہے کہ شیفتہ
کچھ اور بیدلی کے سوا آرزو نہیں
شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک نیم ناز بس ہے ہمارے ہلاک کو

ظہور - ظہور علی ابن مولوی فتح علی ہریالونی مومن سے بھی اصلاح لی ہے :-

اے اشک مرے دیدہ مناک سے باہر
عظمت - پیر عظمت اللہ دلیر قدرت اللہ جذب دہلوی :-
نام عظمت ہے نہ شوکت نہ شکوہ
شورش - نام غلام احمد :-
جاتا ہے کہ ہر تو تو مرا لخت جگر ہے
کیا ہی اس نام سے گہراتا ہوں

ایمان نہ کھوتا کسی مایوس کرم کا
شورش سے مزا پوچھئے تلخ ابالم کا
نامہ جو بنا لائے ہے قاصد تو صنم کا
کیا جانے عدو خون جگر پیئے کی لذت

صغیر۔ میاں جان دہلوی :-

کہتے ہو جان جائے تری اور تمہیں ہو جاں
ہوا ہو سہو تو پھر خوب یا دگر لیجئے

قینصر۔ مرزا خدا بخش نواسہ شاہ عالم :-

تو لطف کرے یا نہ کرے خوش ہو کہ ناخوش

کاظم۔ کاظم علی منڈا اور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے :-

اے طفل اشک ہم تجھے آنکھوں میں یوں کھیں

کرم شیخ غلام علی ضامن دہلوی کچھ دنوں حیدر آباد میں رہے۔ بھوپال میں انتقال کیا :-

ہاتھ ہو دیگا مرا اور ترا داماں ہوگا

سہو میں گے جو رطقت و تاب و توان تلک

نسیم۔ مرزا اصغر علی نسیم کچھ دنوں اصغر بھی تخلص کیا :-

جب دیکھے قراہ نہیں ایک شکل پر

جب اور کسی پر کوئی پیدا کرو گے

کہے دیتی تھیں یہ بچی نگاہیں

نام میرا سنتے ہی شرمائے

ہاتھ میں خنجر مگر میں تیغ تیز

سفر ہے دشوار خواب کب تک بہت بڑی منزل عدم ہے

وحشت۔ میر غلام علی خاں وحشت ابن پیر فرحت اللہ خاں مراد آبادی :-

دل میں عدد کے بڑھ گئی کیا الفت آپ کی

میرے مرنے کی خبر غیر کو یوں دیتے ہیں

کیوں نہ باطل سمجھوں اقرار وفا

یاس۔ خیر الدین دہلوی :-

وصل کی شب دیکھتا بھی ہے تو شرمایا ہوا

یاس کا مصرع اولیٰ یوں تھا :- اس طرف کو دیکھتا بھی ہے تو شرمایا ہوا

شریت وصل نہ پینے دو نہ سم کھانے دو

ہے ہے خدا نخواستہ یہ تم نے کیا کہا
کہ رہ نہ جائے کوئی جو آسماں کے لئے

اس بات پہ مرنے والوں کہ عاشق ہوں ترا میں

اور تو ہمارے راز کو یوں بر ملا کرے

چاک جب صبح قیامت کا گریباں ہوگا

لیکن یہ پوچھتے ہیں تجھی سے کہاں تلک

میرا سنا اب تو حال ہوا روزگار کا

یہ یاد رہے ہم کہ بہت یاد کرو گے

کہ بالائے زمین کیا کیا نہ ہوگا

تم نے تو خود آپ کو رسوا کیا

یہ ارا دے ایک مشت خاک پر

نسیم جاگو مگر کو بانہو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

کچھ ان دنوں میں پہلے سے لطف و کرم نہیں

مگر کیا وحشت جانناز تری جان سے دور

سحر ٹپکے ہے تری گفتار سے

اب تلک ہے آنکھ میں شب کا سماں چھایا ہوا

یاس کا مصرع اولیٰ یوں تھا :- اس طرف کو دیکھتا بھی ہے تو شرمایا ہوا

کیا قیامت ہے نہ پینے دو نہ مر جانے دو

سید امتیاز احمد

مذہب

حضرت نیاز کا وہ معرکہ الآرامقالہ جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ مذہب کی کیا حقیقت ہے اور دنیا میں کیونکر رائج ہوا۔ اس کے مطالعہ کے بعد انسان خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ مذہب کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ علاوہ محسول۔ - منجر نگار

مومن کا تغزل

سن رکھو سیکھ رکھو اس کو غزل کہتے ہیں
مومن اسے اہل فن اظہار ہنر کرتا ہے

دلت سے ارادہ تھا کہ مومن کی شاعری پر ایک مبسوط مضمون لکھوں مگر افکار و مشاغل نے کبھی اتنا موقع نہیں دیا۔ جب حضرت نیاز نے مومن پر بہترین مضمون کے واسطے انعام کا اعلان کیا میں نے ہسیہ کر لیا کہ اب اس موضوع پر قلم نہ اٹھاؤں گا۔ مگر اُنکے الٹیمٹم نے مجبور کر دیا۔ اب جو کچھ لکھ رہا ہوں محض امتثال امر ہے۔ انعامی مضمون سے کوئی سروکار نہیں۔ کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ میں اپنے مضمون کو انعام کا مستحق سمجھتا ہوں۔ حاشا اللہ! اس کا وہم و گمان بھی نہیں۔ مومن کی شاعری میں چند ایسی خصوصیتیں ہیں (میں صرف غزل سے بحث کر دوں گا) جو اردو کے کسی دوسرے شاعر میں نہیں پائی جاتیں یا الشاذ کا لعدوم کا حکم رکھتی ہیں۔

اول۔ اُس نے اپنے دائرہ تخیل کو بہت محدود کر دیا ہے۔ مسائل قصوں و سائنس و فلسفہ کی کہنا چاہئے کہ جھلک بھی نہیں صرف ایک متادین شاہد مجازی سے محبت ہے اور اسی کے تمام لوازم ہیں ادا و ناز و غمزہ و ذکر شمع کی مصوری ہے اپنے یا غیر کے جذبہ رشک و حسد و رقابت کی نقاشی ہے ادا بندی و معاملہ نگاری ہے واردات حسن و عشق کا تذکرہ و تجزیہ ہے مگر سب مجاز کا پہلوئے ہوسے تاہم اس محدود دائرہ میں اُس نے ایسی حیرت انگیز جدت اور تنوع سے کام لیا ہے کہ جو شعر ہے نیا ہے اور اسی کے ساتھ سچید دلکش۔

دوم۔ باوجودیکہ اشعار میں نہ تو اسرار حکمیہ ہیں نہ دقیق مسائل علمیہ۔ نہ الفاظ مشکل یا غیر مانوس ہیں نہ محذوفات ہیں نہ مقدرات فرض کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر بھی اکثر اشعار ایسے ہیں جن کا مفہوم سمجھنے میں نہایت کاہش اور دماغ سوزی کی ضرورت ہوتی ہے۔ صرف انداز بیان سے خیال کو مشکل بنا کر ایسی صورت میں پیش کرتا ہے کہ مطلب تک ذہن کی رسانی باسانی نہیں ہوتی۔ خود کہتے ہیں

اگرچہ شعر مومن بھی نہایت خوب کہتا ہے

کہاں ہے لیک معنی بند مضمون یا ب اپنا سا

اس دشواری مطالب کا ایک سبب ایہام بھی ہے اپنے معاصرین میں غالباً مومن ہی ایسا شاعر ہے جس نے ایہام کا احیا کیا

ورنہ یہ اسلوب متروک ہو چکا تھا۔

کہیں ایجاز نے معنی میں تنوع پیدا کر دیا ہے مگر یہ صفت مومن اور دیگر اساتذہ میں مشترک ہے۔

سوم۔ جس خوبی سے وہ اپنا تخلص مقطع میں لاتا ہے دوسرے شاعر کو یہ بات نصیب نہیں ہوتی۔ یہ سچ ہے کہ تخلص ہی ایسا ہے جو کافریا بت یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ کے تقابل یا تناسب سے محض تخلص نہیں رہتا بلکہ اور معنی بھی دیتا ہے مگر اس قسم کے تخلص اور بھی ہیں مثلاً حسرت، جبرأت، سودا وغیرہ وغیرہ۔ ان شاعروں نے اپنے تخلص سے مومن کی طرح فائدہ نہیں اٹھایا۔

مومن کا معشوق عورت ہے۔ میں نے جہاں تک مطالعہ کیا اُس کے دیوان میں ایک شعر بھی ایسا نہیں ملا جس سے وثوق کے ساتھ کہا جاسکے کہ یہ معشوق کوئی امر دیا سبزہ آغاز نوجوان ہے۔ حالانکہ غالب بھی اس بلا سے نہیں بچے :-

سبزہ خط سے ترا کا کل سرکش نہ دبا
یہ زمرہ بھی حریت دم افھی نہ ہوا

(غالب)

اور صفات جو مومن کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اُن کے معاصرین میں بھی پائی جاتی ہیں، مجلاً یہ ہیں :-

فارسی کی خوشنما ترکیبوں کو سلیقہ سے بر محل صرف کرنا۔ اس صفت میں وہ غالب کا در مقابل ہی نہیں بلکہ اس لحاظ سے پیش پیش ہے کہ ان کی طرح ایسی ترکیبوں کے استعمال میں بے اعتدالی نہیں برتی۔ جو ترکیب ہے خوبصورت ہے اور گویا اسی جگہ کے لئے وضع ہوئی تھی بعض ترکیبیں فارسی شعرا سے مستعار لینے کے بجائے اُس نے خود گڑھی ہیں۔ ان میں بھی وہی لطافت ہے۔ اصول صرف و نحو کے اعتبار سے ان کی صحت میں تامل نہیں البتہ اُن حضرات کے اعتراض کا کوئی جواب نہیں جو ایسی ترکیبوں کو جائز نہیں سمجھتے جن کی سند شعرا نے فارسی کے دواوین میں نہ ملے۔

مومن کے دیوان میں ایک شعر بھی شاید آپ کو ایسا نہ ملے گا جس کی بندش سست ہو یا انداز بیان شاعرانہ نہ ہو یا خیال میں تانگی نہ ہو۔ فن کے لحاظ سے یہی شاعری کی معراج کمال ہے۔

نفسیات کے دشوار ترین مسائل کو سادہ الفاظ میں دلکش طریقہ سے بیان کیا ہے البتہ جیسا پہلے عرض کیا جا چکا تصوف نہیں ہے دوچار شعر کھینچ تان کر شاید اس زمرہ میں آجائیں ورنہ خیریت ہے مگر یہ کمی مومن کی شاعرانہ عظمت کو اور زیادہ نمایاں کرتی ہے اور شاعروں کے بیشتر اشعار میں وسعت معانی صرف ان مسائل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، حقایق و معارف کی بحث کا یہ لازمی نتیجہ ہے لیکن مجردات کو چھوڑ کر نفسیات کے مسائل کو مختصر الفاظ میں نظم کر دینا آسان کام نہیں۔ مومن کو زبان پر ایسی قدرت ہے ان فطرت انسانی کا اس قدر گہرا مطالعہ کیا ہے کہ واردات قلبیہ و محسوسات ذہنیہ کو متشکل کر کے آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے اخلاقی نقطہ نظر سے بعض اشعار قابل گرفت ہوں تو ہوں مگر جہاں تک فن کا واسطہ ہے اس کا ہر شعر مکمل ہے۔

مثال کے طور پر چند اشعار درج کر کے اس مضمون کو جس کی تشنگی کا اعتراف اور اسی کے ساتھ تاسف ہے ختم کرتا ہوں۔ انتخاب اشعار میں کوئی خاص التزام نہیں کیا گیا۔ اپنے انتخاب سے (اصل دیوان سے نہیں) الفت کی ردیف شروع کی کہ وہ بھی ختم نہ ہو سکی۔ اس میں سے بھی متعدد ایسے اشعار جو بہت اچھے اور شرح طلب تھے کلیجہ پر پتھر رکھ کے چھوڑ دیئے۔ کہتے ہیں :-

غنایت کر مجھے آشوب گاہ حشر غم اک دل
کہ جس کا ہر نفس ہم نغمہ ہو شور قیامت کا

پہلے مصرع میں ایسے دل کی تمنائی ہے جو صرف تمام عالم کے غم و رنج کا مجموعہ ہو۔ (لفظ حشر میں یہ انہوں نے آلام مضموم ہے) بلکہ اس ہنگامہ زار میں بھی ایک شورش برپا کر دے ”آشوب گاہ حشر غم“ ہوتا کہ میرا ہر نفس شور قیامت کا ہمنوا ہو جائے۔ دل درد مند و غم آشنائی اس سے بہتر کیا تعریف ہو سکتی ہے اور یہ صرف ترکیب فارسی کی تراش و تراش اور ان کا بر محل استعمال ہے جس سے مطلب اس قوت کے ساتھ ادا ہو گیا :-

کیا روؤں خیرہ چشمی بخت سبیاہ کو
واں شغل سرمہ ہے ابھی یا نیل ڈھل گیا

خط کشیدہ الفاظ کی ترکیب و معنویت قابل ملاحظہ ہے۔ دوسرے مصرع میں ہندی کا محاورہ نیل ڈھلنا نظم ہے جس کے معنی ہیں نزع میں آنکھوں کا لہو نور ہو جانا۔ پتلیاں پھر جانا۔ وہاں معشوق سرمہ لگا رہا ہے یہاں نیل ڈھل چکا ہے۔ معنی و محاورہ کے علاوہ سرمہ و نیل میں رنگ کے لحاظ سے جو مناسب ہے ظاہر ہے مگر پہلے مصرع سے اس لفظ نیل نے جو عجیب و غریب ربط پیدا کیا ہے اس کی تعریف نہیں

ہو سکتی نیل کی سلاخی آنکھوں میں پھرنے سے بصارت زایل ہو جاتی ہے۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ شام وعدہ معشوق مصروف آرائش ہے مگر قیمت کی خوبی کہ اضطراب شوق نے عاشق کی حالت غیر کر دی۔
سرمد اور آنکھ کی رعایت سے بخت کی شکایت ان الفاظ میں کرنا کہ :-

کیا روؤں خیرہ چشمی بخت سیاہ کو
کس قدر بلخ ہے جس نے پورے شعر میں تازگی کی ایک روح پھونک دی و نہ مضمون فرسودہ و پیش پا افتادہ ہے۔ اس فقرہ خیرہ چشمی
بخت سیاہ نے شعر کے مفہوم کو اور وسیع کر دیا۔ معشوق مجھ سے ملنے کو آرائش میں اس قدر اہتمام کر رہا تھا مگر بد بخت نامساعد کی
خیرہ چشمی کو نہ سمجھا اور بتیابی انتظار نے قبل از وقت مجھے مارا تارا :-

اُس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل

میں کو چہ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

بہت مشہور شعر ہے اور اس کی خوبیاں کسی شرح کی محتاج نہیں، معشوق کے نقش پا کا سجدہ فریضہ عشق ہے مگر مصیبت یہ ہے
کہ یہ نقوش کو چہ رقیب کی رہبری کرتے ہیں اور دیکھنے والے یہ تو سمجھیں گے نہیں کہ عاشق نقش پا کے سجدے کر رہا ہے بلکہ یہ خیال
کریں گے کہ رقیب سے مرعوب ہو گیا اور اُس کی خوشنودی کے واسطے ناصیہ فرسائی کرتا ہے لہذا کو چہ رقیب میں نقش پا کے سجدے
باعث ذلت ہوئے۔ سر کے بل (لکھنؤ میں بھل) چلنا اظہارِ وائسار کے موقع پر استعمال ہوتا ہے :-

یہ جوش یاس تو دیکھو کہ اپنے قتل کے وقت

دُعائے وصل نہ کی وقت تھا اثر کا سا

جذبہ یاس کی تصویر کس خوبی سے کھینچی ہے۔ وصل سے مایوس ہو کر اپنے مرنے کی دُعا مانگی جو اس طرح قبول ہوئی کہ معشوق قتل پر آمادہ ہو گیا
جس کا لازمی نتیجہ قرب قاتل و مقتول ہے اب وصل کوئی مشکل نہ تھا مگر جوش یاس نے دعائے وصل سے باز رکھا اور نہ دعائے مرگ کی طرح
وہ بھی مستجاب ہوتی :-

زرا ہو گرمی صحبت تو خاک کر دے چرخ

مرا سرور ہے گل خندہ شر کا سا

گل خندہ شر کی ترکیب کتنی خوبصورت اور معنی خیز ہے۔ تناسبات لفظی نے معانی میں جو وسعت پیدا کر دی ہے اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔
شعر کا مطلب صاف ہے اور کسی وضاحت کی ضرورت نہیں :-

گر وہاں بھی خموشی اثر افغاں ہوگا،

حشر میں کون مرے حال کا پُرساں ہوگا،

افغاں بجائے افغاں اب متروک ہے۔ یہاں بھی فارسی کی ایک خوبصورت اور مومن کی وضع کردہ ترکیب نے ایک بڑے مطلب کو مختصر
الفاظ میں ادا کر دیا۔ خموشی اثر افغاں یعنی ایسی افغاں جس کا اثر خموشی ہو :-

اُن سے بد خو کا کرم بھی ستم جاں ہوگا

میں تو میں غیر بھی دل دے کے پشیاں ہوگا

معشوق بد خو ہے یہ اس کی سرشت ہے جو بدل نہیں سکتی۔ ایک مومن ہیں ایک غیر۔ کہتے ہیں کہ میں نشانہ ستم ہوں اور غیر مورد کرم ہے میں
تو ایسے بد خو سے محبت کر کے پشیاں ہوا مگر غیر خوش نہ ہو اُس کا بھی یہی انجام ہوگا کیونکہ معشوق کی تند خوئی کرم میں ایک زہر آلود تیر چھپا دیگی
حاصل یہ ہے کہ معشوق کی خوشی بد کا اثر کرم کو بھی ستم میں مبدل کر دے گا۔ ایسے معشوق کو چاہنے میں سوائے پشیاں ہونے کے اور کیا

دھرا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے آپ کو اخلاقاً رقیب سے بہتر ثابت کیا ہے ستم اٹھاتے اٹھاتے محبت سے پشیمان ہونا اس قدر مذموم نہیں جتنا معشوق کے باوجود پشیمان ہونا ہے۔ ایک پہلو یہ بھی نکالتا ہے کہ ممکن ہے کہ رقیب ہوا ہو اس ان کا قول باور کر کے معشوق کی محبت سے ہاتھ اٹھائے اور اس طرح ان کی اشک شونی ہو جائے

خواہش مرگ ہو اتنا سستانا ورنہ

دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

ہمیں اتنا نہ ستا کہ جان سے عاجز ہو کر مرنے کی آرزو کریں۔ ایسی صورت میں تیرے ارمان کے سوا دل میں خواہش مرگ کو بھی جگہ نیگی اور اس میں منقصت حسن ہے کیونکہ دل عاشق میں تیری آرزو کے سوا اور کسی خواہش کا امکان بھی نہ ہونا چاہئے۔

کیا سناتے ہو کہ ہے مجھ میں جینا مشکل

تم سے بے رحم پر مرنے سے تو آسان ہوگا،

کیا مزے کا شعر ہے۔ معشوق (دم رخصت) کہتا ہے کہ میرے ہجر میں تیرا جینا مشکل ہے بظاہر اظہار بہدردی ہے مگر عاشق سمجھتا ہے کہ معشوق کا یہ قول محبت یا ترجم پر مبنی نہیں ہے بلکہ ادائے ناز ہے جس کا منشا یہ ہے کہ عاشق کو میری محبت اور بڑھے اور میری جدائی کے صدمے کے علاوہ ان الفاظ کی یاد میں نے دم رخصت کہے ہیں تڑپا تڑپا کے مار ڈالے۔ عاشق اپنے دل میں کہتا ہے کہ اگر اسے میرا کچھ بھی خیال ہوتا تو مجھ سے جدا ہی کیوں ہوتا۔ لہذا جس طرح معشوق نے سچیدار الفاظ سے زخموں پر نمک چھڑکا تھا ویسا ہی اس کو جواب دیا کہ ہجر میں جینا مشکل سہی مگر تم سے بے رحم پر مرنے (عاشق ہونے) سے آسان ہے۔ تمہارے عشق میں ہر طرح مشکل ہے۔

کیونکر امید و ناسا سے ہوتی دل کی

فکر ہے یہ کہ وہ وعدے سے پشیمان ہوگا

معشوق نے وعدہ کیا اور امید ہے کہ وعدہ پورا ہوگا تاہم دل کو تسکین نہیں ہوتی کیونکہ یہ فکر لگی ہوئی ہے کہ معشوق وعدہ کر کے پشیمان ہوا ہوگا اس لئے کہ ایفائے وعدہ تو بڑی چیز ہے وعدہ کرنا ہی اس کی فطرت اور انداز ستم کے خلاف ہے خاطر مروت یا کسی مصلحت یا مجبوری سے وعدہ کر لیا ہے مگر پچھتا تا ہوگا کہ وعدہ کیوں کیا۔ عاشق کو گوارا نہیں کہ معشوق پشیمان ہو لہذا ایفائے وعدہ کی امید سے دل کو تسلی نہیں ہوتی وہی الجھن اور جھپٹی ہے جو وعدہ خلافی یا وعدہ نہ کرنے کی صورت میں لاحق ہوتی ہے۔

درد ہے جاں کے عوض ہر گ و پے میں ساری

چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

ہر لحاظ سے ایک لاجواب شعر ہے جب دردِ گ و پے میں ساری ہو گیا تو اب درماں موجبِ ہلاکت ہے۔ یہ آخری ٹکڑا شعر کو اس مطلع سے بھی بلند کر دیتا ہے۔

عشق سے طبیعت نے زینت کا مزہ پایا

درد کی دوا پائی درد سے دوا پایا

مومن کے شعر میں درد بے دوا ہی نہیں ہے بلکہ اس کے درماں کی فکر چھلک ہے۔ دردِ گ و پے میں ساری ہے بہتوں نے کہا ہوگا مگر ”جان کے عوض کا اضافہ صرف مومن کا حصہ ہے اور اسی نے شعر میں تمام خوبیاں پیدا کر دیں۔

بات کرنے میں رقیبوں سے ابھی ٹوٹ گیا

دل بھی شاید اسی بد عہد کا پیمان ہوگا

معشوق نے وعدہ کیا تھا جس کا ایسا تو درکنار عاشق کی موجودگی میں رقیبوں سے ہمکلام ہے اور اس سے ملتفت نہیں ہوتا۔ معشوق کے اس طرز عمل سے عاشق کا دل ٹوٹ گیا۔ جس طرح معشوق کا بیمان بات کی بات میں ٹوٹ گیا۔ دل کی تشبیہ معشوق کے بیمان سے (دونوں نہایت بوسے) کس قدر عظیم ہے۔ اس کی غمگینیاں یہیں تک ختم نہیں ہوتیں۔ اسی کے سبب سے پردے پردے میں معشوق کا بھی گلہ ہو گیا ہے

دیدہ حیراں نے تراشا کیا

دیر تک وہ مجھے دیکھا کیا

حیرت عشق نے معشوق کو بھی محو کر دیا۔ یہ مطلع محاکات کی عمدہ مثال ہے۔

آنکھ نہ لگنے سے سب احباب نے

آنکھ کے لگ جانے کا چہرہ چا کیا

لطف محاورہ و زبان ملاحظہ فرمائیے پہلے مصرع میں آنکھ نہ لگنا بمعنی منہ نہ آنا ہے اور دوسرے مصرع میں آنکھ لگ جانا بمعنی عاشق ہونا ہے۔ یہ امر بدیہی ہے کہ عشق میں نیند اڑ جاتی ہے۔

غیر عیادت سے برا مانتے ہیں

قتل کیا آن کے اچھا کیا

دیکھئے ان سادہ الفاظ کے انداز بیان نے کس قدر معنی پیدا کئے ہیں۔ معشوق دراصل عاشق زار کو قتل کرنے آیا تھا جو اتنا ہنس مچا ہے کہ معشوق کی شان بھی ہے مگر اسے عشق جو معشوق کے آنے کو عیادت پر محمول کرتا ہے اور قتل کو حوائے معشوق کا پردہ بتاتا ہے اس کے ساتھ اظہار رشک کرتا ہے جو جان عاشقی ہے۔ کہتا ہے کہ دراصل میری عیادت کو آیا تھا مگر اسی کے ساتھ تجھے غیر دل کا بھی پاس تھا اور اسی لئے کہ وہ برا نہ مانیں ان کے سمجھانے کو تو نے مجھے قتل کر ڈالا تاکہ اب وہ عیادت کا شکوہ نہ کر سکیں بلکہ یہ سمجھیں کہ تو میری عیادت کو نہیں گیا بلکہ قتل کرنا مقصود تھا۔

قافیہ ”اچھا“ سے ایک اور نازک مطلب پیدا ہوتا ہے۔ میں قتل ہوا اچھا ہوا اب رقیبان ہوا ہوس اگر بیمار ہوں گے تو اپنی جان کے ڈر سے تجھ سے عیادت کے متمنی نہ ہوں گے بلکہ اسی دھڑکے میں مرجا بیٹھ گئے کہ تو کہیں عیادت کے بہانہ سے آکر مار نہ ڈالے۔

رحم فلک اور مرے حال پر

تو نے کرم اے ستم آرا کیا

فلک سنگدل مشہور ہے مگر معشوق نے ایسے ستم توڑے کہ فلک بھی کانپ اٹھا اور مظلوم عاشق کو رحم کی نظر دل سے دیکھنے لگا۔ یہیں سے مومن کلیچ شروع ہوتا ہے۔ اب تیرا ستم ستم نہیں رہا بلکہ کرم ہوا کیونکہ فلک سے بیدرد کو میرے حال پر ہر بان کر دیا ہے۔

جسے نہ غیر مجھے بزم سے اٹھانے پر

سبک ہے وہ جو تیری طبع پر گراں نہ ہوا

معشوق نے عاشق کو بزم سے اٹھا کر غیر کو ہنسی کا موقع دیا۔ معشوق سے عاشق کہتا ہے کہ تو ایسا نازک مزاج ہے کہ جو شخص تیری طبع پر گراں نہ ہو اس سے زیادہ ذلیل اور چھچھورا کوئی نہیں ہو سکتا۔

اس شعر میں پہلے مصرع کا انداز بیان بلاغت کا عمدہ نمونہ ہے۔ غیر کو مخاطب نہیں کرتے نہ اس سے آئادہ پیکار ہوتے ہیں کیونکہ ایسے سبک وضع شخص سے جو دوسروں کی تذلیل سے عویش ہو گفتگو کسر شان ہے بلکہ معشوق کو مخاطب اور غیر کو سنا کر کہتے ہیں کہ میں سبک نہیں ہوں بلکہ سبک دراصل وہ ہے جو تیری طبع پر گراں نہ ہوا۔ ہم بزم ہونے کا مقصد ضایہ تھا کہ غیر مجھ سے ہمدردی کرتا نہ کہ خندہ زبان ہو۔

مگر غیر خوش نہ ہوا یکدن وہ بھی یونہی نکالا جائے گا۔ نازک مزاج معشوق اُس سے بھی ایسا ہی سلوک کرے گا اور اُسکی حالت مجھ سے زیادہ قابلِ عبرت ہوگی کیونکہ میری مثال سے اُسے کان ہوتے معلوم نہیں ہوتے ورنہ میری توہین کا مضحکہ نہ اُڑاتا ہے
لگی نہیں ہے یہ چپ، لذتِ ستم سے میں
حریف کشمکشِ نالہ و فغاں نہ ہوا

فارسی ترکیب کی لطافت قابلِ داد ہے۔

کیا مجھ میں دم بھی لینے کی طاقت نہیں رہی
کیوں شورِ ناہائے عزا بارِ کم ہوا

ناہائے عزا بار کی ترکیب کے علاوہ شعر معافی کے لحاظ سے بھی بہت بلند ہے۔

عاشق کے ناہائے غم نے ایک شور برپا کر دیا تھا مگر کہاں تک آخر طاقتِ جواب دے گئی اپنے آپ سے مخاطب ہو کر پوچھتا ہے کہ نالہ و زاری کی نہ سہی کیا مجھ میں سانس لینے کی بھی طاقت نہیں رہی ورنہ ہر نفسِ ناہائے عزا بار کا کام کیوں نہیں دیتا۔ میں نے ناہائے عزا بار کا مفہوم ناہائے غم لکھ دیا مگر دراصل ان الفاظ سے ادا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ناہائے عزا بار کا یہ مطلب ہے کہ وہ نالے نہ صرف غمگین دل سے نکلے ہیں بلکہ جو انھیں سن لیتا ہے مصروفِ شیون ہو جاتا ہے۔

وصل کی شبِ شام سے میں سو گیا
جاگنا، حیران کا بلا ہو گیا،

مجازی وصل کی یہ بلند حقیقت مومن نے اپنے خاص رنگ میں نظم کی ہے۔ جب خود معشوق مل گیا تو کوئی حسرت و آرزو نہ رہی دل کو آرام ملا اور میند آگئی۔ غالب نے اپنے اس شعر میں بھی نکتہ ملحوظ رکھا ہے۔ اور اسی نے شعر کو دلکش بنا دیا ہے

میند اُس کی ہے دماغ اُس کا ہے راتیں اُس کی ہیں
جس کے بازو پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں
آئینہ جلدی سے پڑک دو کہیں،
دل ہی نہیں ہاتھ سے دیکھو گیا،

الشاعرے رشک یہ بھی گوارا نہیں کہ معشوق آئینہ میں اپنے جمال کا نظارہ کرے لیکن اس کا خیال کیونکر بٹے اور کس طرح باز رہے؟
دل ہی نہیں ہاتھ سے دیکھو گیا،

”پڑک دو“ سے ایک خوبی یہ پیدا ہوئی کہ آئینہ ٹوٹ جائے گا اور آئینہ کے لئے بھی خود بینی کا سد باب ہو جائے گا۔
قریب قریب یہی مفہوم غالب کے اس شعر کا ہے :-

آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا عز و رکھتا

اس میں رشک کا پہلو مفقود ہے صرف معشوق سے چھٹ چھاڑ کا لطف ہے۔

تیرے پردے نے کی یہ پردہ درسی،
تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا

مضمون جدید نہیں مگر انداز بیان انوکھا ہے۔ نہ معشوق پردہ کرتا نہ عاشق کا راز عشق انتہائے اضطراب کے باعث افشا ہوتا۔ یہ شعرا ان معدودے چند اشعار میں ہے جن کو حقیقت کی طرف منجر کر سکتے ہیں۔ اگر جلوہ حسن مطلق حجاب میں نہ ہوتا تو اس قدر

شہرہ نہ ہوتا اب فریب شوق سے عاشق کو ہر شے میں اُسی کا جلوہ نظر آتا ہے
 دل لگانے کے تو اٹھائے مزے
 جی بلا سے رہا رہا نہ رہا
 نظم کی صفائی آپ اپنی نظیر ہے۔ مفہوم وہی ہے جو میر کے اس مطلع کا ہے
 نہیں دسو اس جی گنوانے کے
 ہائے رے شوق دل لگانے کے

یہ دو شعر ملاحظہ ہوں :-

شب غمِ فرقت ہمیں کیا کیا مزے دکھائے تھا
 دم ر کے تھا سینے میں کجخت جی گھبرائے تھا
 بات شب کو اُس سے منع بے قراری پر بڑھی
 ہم تو سمجھے اور کچھ وہ اور کچھ سمجھائے تھا

-۱-

-۲-

مطلع تاثیر درد میں ڈوبا ہوا ہے۔

شعر میں ذرا پیچ ہے۔ عاشق بے قرار تھا معشوق نے منع کیا کہ بے قرار نہ ہو۔ اُسے اپنی رسوائی کا غور تھا یہ حضرت سمجھے
 مطلب ہے ”بے قرار نہ ہو تیری مراد پوری ہوگی“ غلط فہمی پیدا ہوئی اور تکرار کی نوبت پہنچی۔ انھوں نے کہا ”اے اب تو میں
 بے قرار نہیں ہوں وعدہ وفا کر“ معشوق نے کہا ”ہائیں کچھ پاگل ہوا ہے کیسا وعدہ“

عجبت اُلفت بڑھی تم کو وہ کب دیتا تھا دم تم پر
 یہ مجھ کو دیکھ کر دشمن کلیجا سہتا م لیتا تھا

دشمن (رقیب) مر گیا ہے (صیغہ ماضی سے یہی ظاہر ہوتا ہے) معشوق اس کو یاد کر کے کہتا ہے کہ ہمارا بڑا سچا عاشق تھا ہمیں
 دیکھ کر اس قدر یقین ہوتا تھا کہ کلیجہ سہتا م لیتا تھا بیچارے کا دل قابو سے باہر ہو جاتا تھا۔ مومن گھبرائے کہ یہ کیا غضب ہوا رقیب کے بعد اسکے
 عشق نے اثر کیا۔ میرا رنگ جھنے نہیں پائے گا۔ معشوق کو دشمن کی طرف سے بدظن کرنے کو اُس کے اس فعل یعنی کلیجہ سہتا م لینے کی یہ تاویل کرتے
 ہیں کہ مجھ کو دیکھ کر حسد سے اُس کی جان پر بن جاتی تھی اور اسی سبب کلیجہ سہتا م لیتا تھا تم کچھ کچھ سمجھے اُس کی اُلفت دل سے نکالو
 نہ مانوں گا نصیحت پر نہ میں سنتا تو کیا کرتا

کہ ہر بات میں ناصح تمھارا نام لیتا تھا

بڑے مزے کا شعر ہے۔ معشوق کو پرچہ لگا کہ آپ کا فلاں عاشق ناصح کی باتیں بڑے غور سے سنا کرتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ناصح کی نصیحت
 کا ذکر ہو چلی ہے معشوق کو اس کی تاب کہاں۔ اب جو یہ اُس کی بزم میں پہنچے تو معشوق نے اُتر رہا ہو کر کہا ”تم تو میری محبت کا دم بھرتے
 تھے یا ناصح کا جادو چل گیا اُس سے سب زاری کیسی گھنٹوں اُس کی باتیں سنی جاتی ہیں۔ تمھیں عشق کا نام لیتے غیرت نہیں آتی“
 مومن عرض کرتے ہیں کہ تم ناراض نہ ہو میں اُس کی نصیحت نہیں مانوں گا مگر سنتا نہ تو کیا کرتا وہ بار بار تمھارا نام لیتا تھا اور
 میں تمھارے نام کا عاشق ہوں۔

غور فرمائیے کہ ”نصیحت نہیں مانی“ (صیغہ ماضی) کے بجائے ”نہ مانوں گا نصیحت“ (صیغہ مستقبل) نے زبان اور حسن بیان
 کا معجزہ دکھایا ہے۔ اول تو صیغہ ماضی سے معشوق نے جو الزام دیا اُس کی تردید ہوتی اور یہ آداب عاشقی کے خلاف تھا۔
 صیغہ مستقبل نے نہ صرف اس پہلو کو سچا یا بلکہ یہ اضافہ کیا کہ میں ناصح کی باتیں سننے سے تو باز نہیں رہ سکتا سنا کیا ہوں اور منتظر ہوں گا

کیونکہ اس طرح بار بار تمہارا نام سامنے نواز ہوتا ہے البتہ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اس کی نصیحت پر عمل نہیں کروں گا۔ واضح رہے کہ ”نصیحت نہ مانی“ شعر میں کھپ سکتا تھا اور میرا دھوئی ہے کہ ہزار شاعروں میں ۹۹۹ نہ سنتا میں تو کیا کرتا“ کے خیال سے پہلے ٹکڑے میں بھی صیغہ ماضی نظم کرتے

نقد جاں تھا نہ سزا کے دیت عاشق جیت

خون فرہاد سرگردن فرہاد رہا

بڑے پایہ کا شعر ہے۔ فرہاد کے خون کا مواخذہ سوائے فرہاد کے کسی سے نہیں ہو سکتا کیونکہ جرم عشق کی سزا میں جان جانا کوئی سزا نہیں اس سے بھی سخت سزا کا مستحق تھا ہے

یاد سہواً اُسے اسے غیر ہے نسیاں عداً

یاد رکھ بھول گیا جس کو وہی یاد رہا

دیکھئے ایک معمولی خیال کو انداز بیان نے کس قدر دلکش بنا دیا ہے۔

یہ شیوہ معشوق ہے کہ اپنے عاشقوں کو یاد تو بھولے سے کرتا ہے مگر جان کر بھول جاتا ہے۔

غیر محفل یار میں باریاب ہے مومن راندہ درگاہ ہیں۔ رقیب سے کہیں راستہ میں ٹڈ بھڑ ہو جاتی ہے۔ غیر ان سے بظاہر منہ پر دی کرتا ہے مگر دراصل اس کا فشا دل آزاری ہے کہتا ہے کہ اب تو اس بزم میں تمہارا تذکرہ بھی نہیں ہوتا وہ تم کو بالکل بھول گیا۔ مومن کہاں دبنے والے ہیں کہتے ہیں کہ تم اُس کی محفل میں روزمرہ آتے جاتے ہو مگر اب تک اس کا مزاج نہیں پہچانا۔ ۶

یاد سہواً اُسے اسے غیر ہے نسیاں عداً

تم نے جو کہا کہ وہ مجھے بھول گیا تو میں سمجھ گیا اور خوش ہوا کہ اُسے یاد ہوں ہے

کرہ خاک ہے گردش میں تیش سے میری

میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں بھی آزاد رہا

شعر نہیں ایک کارنامہ ہے۔ پہلا مصرع بندش اور بلاغت کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتا۔ ایک تو اس زمانہ میں جبکہ دنیا شاعری گردش فلکی کی قابل تھی (میں یہ نہیں کہتا کہ گردش ارضی سے واقف نہیں تھی) ۶

”کرہ خاک ہے گردش میں تیش سے میری“

کہنا اختراع فایقہ ہے۔ مجھے علم نہیں، ممکن ہے کہ اوروں نے بھی کہا ہو مگر تیش عشق کو گردش ارضی کا سبب قرار دینا شاعری کی وہ منزلیں ہیں جن کے خیال سے بڑے بڑوں کے حوصلے پست ہو گئے ہوں گے۔

مندرجہ بالا شعر کی بلندی و شکوہ ملاحظہ فرمائیے اب یہ شعر پڑھئے جو سہل متنع ہے

میں نے تم کو دل دیا تم نے مجھے رسوا کیا

میں نے تم سے کیا کیا اور تم نے مجھے کیا کیا

مطلع کے بعد پھر ایک دریا اُٹھا ہے

سر سے شعلے اُٹھتے ہیں آنکھوں سے دریا جابے ہے

شمع سے کس نے یہ ذکر اُس محفل آرا کا کیا

معشوق نے محفل آراستہ کی اور شمع کو رونق محفل بنا کر خود رو پوش ہو گیا۔ معشوق کے اشتیاق میں اب شمع کا یہ عالم ہے کہ ۶

سر سے شعلے اُٹھتے ہیں آنکھوں سے دریا جابے ہے

حسن تعلیل کی عمدہ مثال ہے۔

اور ہائے یہ شعر ہے

کیا نجل ہوں اب علاج بے قراری کیا کروں
دھڑ دیا ہاتھ اُس نے دل پر تو بھی دل دھڑکا کیا

مقطع بھی لا جواب ہے

عرض ایماں سے نقد اُس غارتگر دیں کی بڑھی
تجھے اسے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا

محاورہ "خدا سمجھے" نے اور چار چاند لگا دیے۔

یہ شعر بہت مشہور ہے

کیا اُس نے قتل جہاں اک نظر میں
کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا
اس طرح کے قتل میں مرنے والوں کی کتنی حسرتوں اور امنگوں کا خون ہوا ہوگا۔ ایک اور شعر ہے
کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی
آشیاں اپنا ہوا برباد کیا ؟

نفسیات کے اہم مسائل کو مختصر الفاظ میں بیان کر دینا مومن پر خم ہے۔

آشیاں سے ہزاروں امیدیں وابستہ تھیں اُس کا برباد ہونا تھا کہ قفس میں دل پہنے لگا۔ ہائے وہ خانماں برباد جو قفس کو نشین سمجھنے لگے
جب تجھے رنج دل آزادی نہ ہو
بے وفا پھر حاصل بیداد کیا ؟
ایک اور سرتیز شعر ہے۔ لفظ بے وفا جس خوبی سے صرف ہوا ہے اُس کی داد دینا ممکن نہیں۔ غالب کے دو شعر مل کر اس مطلب کو پورا کرتے ہیں جو مومن نے چند الفاظ میں ادا کر دیا ہے

لاگ ہو تو اُس کو ہم سمجھیں لگاؤ -۱
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
ہم پر جفا سے ترک دفا کا گماں نہیں -۲
اک چھپر ہے وگر نہ مراد امتحاں نہیں

"بیوفا" کی دل آزادی میں نہ تو "لاگ" کا پہلو نکلتا ہے نہ "لگاؤ" کا نہ مراد "چھپر" ہو سکتی ہے نہ "امتحان" تاہم بیداد ہے۔
عاشق حیران ہے کہ اس بیداد کا حاصل کیا ہے۔

یہ وسعت معافی فیض ہے اس عقیدے کا کہ معشوق صرف اس لئے ظلم کرتا ہے کہ عاشق کو رنج ہو۔ اور اس سے بھی وفا کی صفت جو معشوق میں موجود نہیں ہے زایل ہو جائے۔ ترک وفا کی امید بھی ہو سکتی ہے جب عاشق جفا سے معشوق سے آزرده ہو۔ جب یہ بات بھی نہیں ہے تو معشوق سے دریافت کرتے ہیں کہ اس بیداد کا حاصل کیا ہے

گر بہائے خون عاشق ہے وصال
انتقامِ رحمتِ جلا کیا ؟

اس شعر میں ایہام ہے وصال کے معنی وصل کے بھی ہیں اور مرنے کے بھی۔ پہلے مصرع میں ایک زبردست نظریہ قائم کیا ہے کہ

وصال قتل عاشق کا معاوضہ ہے مگر دوسرے مصرع میں اس کو غلط ثابت کیا ہے کہ وصال پہاڑے خون عاشق نہیں ہے (اب لفظ وصال بمعنی مرگ لینا ہوگا) بلکہ اس رحمت کا انتقام ہے جو جلا کو قتل کرنے میں پیش آئی۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس رحمت کا بدلہ کیا ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ یہ بھی معشوق کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں قتل کیا۔ ہم نے قتل کی رحمت دی اس کی پاداش ملنا چاہئے یہ عشق کی فامی ہے اگر جان دیکر اپنے آپ کو وصال معشوق کا مستحق سمجھے۔

اُسے خود پڑ گئی ہے بے طرح زانوئے جانوں کی
یہ سرتکبیہ بہ ہدم جس طرح رکھوں نہ ٹھہرے گا
ایک بے پناہ شعر ہے ”بے طرح“ کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا
میں الزام اُس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

مومن کی جو شامت آئی تو معشوق کو اس کے طرز عمل پر الزام دینے لگے کہ تمہیں میرا خیال بالکل نہیں۔ یہ ظلم کیا۔ وہ ستم توڑا۔ مجھ سے کبھی سیرت منہ بات نہیں کی۔ بڑے بے وفا ہو۔ معشوق شوخ و شنگ جواب دیتا ہے کہ سنیے حضرت میری جفا جفا نہیں تھی میرا غافل و غافل نہیں تھا بلکہ میں آپ کے جذب دل کا امتحان لیتا تھا۔ آپ کو میرا مومن مزاج ہونا چاہئے تھا کہ مکملہ عشق میں آپ کا معین ہوا مگر آپ ایسے ناشکرے ہیں کہ مجھی کو قصور وار ٹھہراتے ہیں آپ کا عشق خام ہے چلے اپنا رستہ لیجئے۔

مومن منفعیل ہو کر کہتے ہیں کہ :

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا
میں الزام اُن کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

یہ امر مسلمہ ہے کہ ہر شے کی معرفت اُس کی ضد سے ہوتی ہے اگر معشوق جفا کار و تند ہو تو غافل آشنا ہو تو عاشق کو اپنے عشق کے نقص یا کمال کا اندازہ دشوار ہو جاتا ہے۔

اسی قبیل کا یہ مطلع ہے :-

روز جزا جو تامل و کج خطاب تھا

میرا سوال ہی میرے غول کا جواب تھا

حضرت نے روز جزا اپنے ”کشدہ“ کو قابل دلچسپی کیا اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ تو خود اپنی جان پر کھیلے ہوئے تھے، قاتل کو دلچسپ کہتے ہیں، داد بیدا سب غلط کوئی سماعت نہ ہوگی۔ ان کا خون انہی کی گردن پر ہے۔

پھرنے سے شام وعدہ تھکے یہ کہ دور ہے

آرام شکوہ ستم اضطراب ستم

شام وعدہ معشوق کے انتظار میں ٹپکتے رہے۔ دروازے کے ہزاروں چکر لگائے گئے کیسے پھیرے گئے مگر معشوق نہ آتا تھا نہ آیا آخر تھک کر گرے اور سو گئے (جس کا استعارہ مرنے سے بھی ہو سکتا ہے) اب الزام یہ آتا ہے کہ حضرت! آپ کو معشوق کا انتظار کیسا تھا کہ سو گئے اُس کا جواب دیتے ہیں کہ اضطراب نے میری جان پر ستم توڑا تھا مجھے آرام نہیں آیا بلکہ اس طرح میں نے ستم اضطراب کا شکوہ کیا۔ اضطراب و سکون دو متضاد کیفیتیں ہیں جب اضطراب کے بعد مجبوراً سکون اختیار کیا گیا تو یقیناً یہ فعل شکوہ پر مبنی سمجھا جائیگا۔ گویا خاموشی نے اضطراب کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے۔

روز جزا خدا بے عباد کو ملا

گویا کہ خون ناحق مومن ثواب تھا

اس شعر میں بھی ایہام ہے۔ بت جلا دے مجھ کو بے گناہ قتل کیا حشر میں پرستش ہوئی۔ خدا کے سامنے پیش ہونا پڑا۔ سوال و جواب کی نوبت آئی اس کی یوں تاویل کی کہ بت جلا دو میرے خون ناحق کے سبب سے خدا ملا گو یا میرا قتل کا ثواب تھا۔ نہ مجھے قتل کرتا نہ خدا تک پہنچتا۔

یہ تو ظاہری معنی ہوئے اصل مطلب یہ ہے کہ میں ایسا گنہگار تھا کہ اگر معشوق مجھے بیگناہ قتل نہ کرتا (اس کو شہادت کہتے ہیں اور شہید یقیناً جنتی ہے) تو میری بخشش نہ ہوتی۔ چونکہ بت جلا دو میری نجات کا باعث ہوا۔ لہذا اسے ثواب ہوا اور اس کا یہ فعل ایسا تھا جس نے اس کو بھی خدا سے ملا دیا۔

دیکھ لو شوقِ ناتمام مرا

غیر لے جائے ہے پیام مرا

”شوقِ ناتمام“ کی بلاغت ملاحظہ فرمائیے۔ ایک مطلب تو یہ ہوا کہ غیر باوجود دشمن ہونے کے میرے شوق سے اتنا متاثر ہوا کہ میری طرف سے معشوق کو پیام پہنچانے پر آمادہ ہو گیا مگر یہ مومن کا خیال ہی خیال ہے۔ غیر کو معشوق تک پہنچنے کا بہانہ ہاتھ آیا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ غیر کا دل (جسے پھر سے زیادہ سخت کہنا چاہئے) کچل گیا بجائے دشمن کے میرا دوست بن گیا اور میری طرف سے پیام لے چلا۔ اگرچہ میرا شوق اس درجہ پر تھا پھر بھی ناتمام تھا ورنہ میں خود اپنا پیام لے جاتا یا معشوق کو خود بخود میرے حال کی خبر ہو جاتی۔

میری نگاہِ خیرہ دکھائے ہیں غیر کو

بے طاقتی پہ سرزنشِ ناز دیکھنا

”سرزنشِ ناز“ کیسی خوبصورت ترکیب ہے۔ نظارۂ جمال دوست سے مومن کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ عاشق کے لئے یہ خیرہ چشمی ہی سرزنش ہے کہ تاب دیدار نہ لایا۔ مگر معشوق نے ”سرزنشِ ناز“ کا اضافہ کیا یعنی غیر سے کہا دیکھو مجھے دیکھ کر اسکی آنکھیں چونڈھیا گئیں۔ سرزنشِ ناز بہم ہے مومن اسے اپنی سرزنش سمجھتے ہیں حالانکہ معشوق غیر کو سرزنش کرتا ہے کہ مومن کی آنکھیں مجھے دیکھ کر خیرہ ہو گئیں یہ مقصود ہے عشق تھا مگر تو ایسا دیدار دیر ہے کہ مجھے گھور رہا ہے اگر عشق تجھ پر جاری ہوتا تو مومن کی طرح تو بھی بے طاقت ہوتا اور میری طرف دیکھ سکتا اور اگر شوق سے مجبور ہو کر اتنی جرأت کرتا تو تیری آنکھوں میں بجلی کوں جاتی۔ یا عورتوں کی زبان میں دیدے ٹپ مڑتے

ہم بھی تو نادان ہیں آخر یا س مطلب کس لئے

خضرِ موسیٰ کو پئے تعلیمِ دانائی ملا

دوسرے مصرع میں تلمیح ہے خضرِ موسیٰ دونوں پیغمبران اور لواءِ عزیم تھے مگر حضرت خضر کو بعض ایسے علوم باطنی خدا کی طرف سے تعلیم ہوئے تھے جن سے حضرت موسیٰ ناواقف تھے اور ان کو حضرت خضر کے پاس پئے تعلیم بھیجا گیا۔ پورا قصہ قرآن مجید میں درج ہے۔

جس طرح خضرِ موسیٰ کو تعلیمِ دانائی کے واسطے مل گئے اُسی طرح مجھے بھی کوئی رہبر مل جائے گا۔ ایو سی کی کوئی وجہ نہیں تلمیح نے شعر کو اس وجہ سے بلند کر دیا کہ خود حضرت موسیٰ کا درجہ بہت بلند تھا تاہم ان کو ایک ایسا شخص ملا جس کے مقابلہ میں گویا وہ نادان تھے۔

جستجو سے وصلِ دلبر کی تمنا کس لئے

کیا دل گم گشتہ اسے ہنگامہ آرائی ملا

جب دل گم گشتہ تلاش سے دستیاب نہیں ہوا تو جستجو سے وصلِ دل بر محال ہے اور ہنگامہ آرائی بیکار۔

ہنگامہ آرائی کو ایک ذات قرار دینے اور اس سے مخاطب نے ہنگامہ آرائی کی اہمیت ثابت کی۔

جوشِ عشق و حسن نے کیا رنگ بدے دیکھنا

اشکِ نونی سے مرے منہ زرد اس کا ہو گیا

افسوس دوسرے مصرع میں قافیہ کی قید نے ہلکی سی تعقید پیدا کر دی مگر مطالب کے لحاظ سے شعر کی جس قدر داد دی جائے کم ہے۔ عاشق کے چہرے پر اشک خوں بہتے دیکھ کر معشوق کا رنگ نہ رہو گیا دھوڑ رسوائی سے یا نزاکت سے یا "خون ہلکا" ہونے کے سبب سے یا باطنی ربط حسن و عشق سے۔ بہت سی توجہیں ہو سکتی ہیں) اس کیفیت کو جوش حسن و عشق کا رنگ بدلنا کہنا کس قدر بدیع بات ہے معشوق کا رنگ جو قدرتی طور پر سرخ تھا زرد ہو گیا۔ اور عاشق کا رنگ زرد اشک خونی سے سرخ ہو گیا۔ محاورہ رنگ بدلنا کس خوبی سے صرف ہوا ہے۔ جوش کے لفظ نے معنویت میں اضافہ کیا۔ یہ انقلاب جس کی شاعر نے مصوری کی ہے اُسی وقت رونما ہوتا ہے جب حسن و عشق دونوں اوج کمال پر پہنچ چکے ہوں۔

بعض حضرات کو شاید یہ خیال ہو کہ "کیا رنگ بدلے" کے بجائے کیا کیا رنگ بدلے چاہئے۔ میں ادب سے عرض کروں گا کہ اعتراض غلط ہو گا کیا کیا سے محاورہ کا مفہوم کچھ سے کچھ ہو جائے گا ایک سے زیادہ رنگ بدلنے کا مطلب پیدا ہو گا جو شعر کو مضحک بنا دے گا۔ یہ کسی سے ہو کہ ان لطفوں پہ گستاخی ہو غیر ہم سا کب ہو اور پسند ہم سا ہو گیا،

اُنہی الفاظ کو اُلٹ پلٹ کر ایک نیا مضمون پیدا کر دینا مومن کا حصہ ہے۔ اس قسم کے متعدد اشعار اُس کے دیوان میں ملتے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ ایک زمانہ تھا کہ تو مجھ پر ہریان اور مجھ سے بے تکلف تھا۔ میں طرح طرح کے الطاف کا مورد تھا، تاہم میں نے پاس ادب کبھی ترک نہیں کیا مجھ سے کوئی گستاخی سر نہ نہیں ہوتی مگر غیر کا اتنا ظن کہاں۔ تیرے ہریان ہوتے ہی گستاخ ہو گیا "یہ کسی سے ہو" سوالیہ جملہ ہے یعنی اور کسی سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ غیر ہم سا ہے (یعنی ہم دونوں پر ہرانی ہو چکی ہے) غیر ہم سا کب ہوا (یعنی میری طرح عالی ظرف تحمل نہیں ہے)۔

کیا رشک غیر تھا کہ تحمل نہ ہو سکا،

میں جان کر حریف تغافل نہ ہو سکا

معشوق نے تغافل کیا مومن کی زبان پر بے اختیار شکوہ آگیا فوراً الزام لگا گیا کہ شکوہ یا اظہار طلال شبوہ عاشقی کے خلاف ہے مومن فوراً بات بنائی کہ یہ غیر کارشک تھوڑی تھا جو مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ معشوق نے مجھ سے تغافل برتا میں نے اُس کی آگاہی اور تنبہ کے واسطے جان کر (بے قابو ہو کر نہیں) حریف تغافل ہونے سے انکار کیا۔ پہلا مصرع استہزامیہ ہے۔ یہی خیال تھوڑے تغیر سے اس شعر میں نظم ہے

دھیان ہے غیر کے تحمل کا

جوش دیکھا ترے تغافل کا

یہاں تغافل ہے مگر اس قدر نہیں کہ غیر صبر کھو بیٹھے

اشک و اثر و نہ اثر باعث درد جوش ہوا

ہچکیوں سے میں یہ سمجھا کہ فراموشش ہوا

ہچکیاں دو قسم کی ہوتی ہیں ایک شدت گریہ کے بعد اور ایک وہ جو بغیر گریہ خود بخود آنا شروع ہوتی ہیں اور عام اعتقاد ہے کہ کسی نے یاد کیا مومن نے ان دونوں کیفیتوں کو پیش نظر رکھ کر مطلع کہا ہے۔

ایک اُلٹی بات کہتے ہیں کہ ہچکیاں آنے سے میں یہ سمجھا کہ معشوق نے مجھے فراموش کیا پہلے مصرع میں اس کی وجہ بیان کی ہے یہ ہچکیاں جوش اشک کا نتیجہ ہیں وہ نہیں جو خود بخود آتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے جوش گریہ نے اُٹا اثر کیا اور یہ ہچکیاں اس سے نہیں آتی ہیں کہ معشوق نے مجھے یاد کیا بلکہ اُس کے فراموش کرنے کی علامت ہیں۔ اشک و اثر و نہ اثر کی ترکیب یادگار ہے۔

مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی

موازنه مؤمن و غائب

اس میں شک نہیں کہ مومن و غائب دونوں شاعر تھے اور شاعر بھی ایسے جن پر دنیا کے شاعری بجا طور سے فخر و ناز کر سکتی ہو اور جنہوں نے اپنی اپنی جگہ خصوصیت استادانہ حاصل کر لی تھی لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ دونوں مختلف راہوں کے چلنے مختلف مذاق رکھنے والے تھے اور دونوں کے رنگ طبائع میں بہت اختلاف تھا۔

غالب آزاد مزاج۔ رندلاؤ بانی۔ غم و افکار کو کیف شراب سے دور کرنے والا۔ زخم خوردہ۔ مگر مرہم کی جستجو سے بے پروا۔ درد مند
مگر فکر چارہ سے مستغنی۔

مومن عاشق مزاج۔ الفت و محبت کی مضبوط زنجیروں میں جکڑا ہوا۔ حُسن پر جان دینے والا۔ زمانہ کے غم و الم سے اثر لینے والا۔
آن پر جان دینے والا۔

ان پر جان کیسے والا۔
غالب فاقہ مست۔ مگر مزاج میں شاہانہ بولے ہوئے۔ مومن شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت کا بیٹھنے والا۔ غالب
امراے عہد کا شاہ گوا اور عقیدہ تمزد۔ مومن رؤسا کی باتوں کو چین ابرو سے دیکھنے والا۔ ان کی صحبتوں سے محتر۔ ان کے مال و دولت پر نظر
استحقار ڈالنے والا۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ دونوں کا رنگ شاعری بھی جداگانہ ہوگا۔

سنتا ہوں کہ ہندوستان میں اگر کوئی مومن کا جواب ہے تو وہ غالب ہے اگر کوئی غالب کا جواب ہے تو وہ مومن ہے۔
کیا یہ صحیح ہے ؟ اسی پر گفتگو کرنا موضوع بحث ہے۔

قبل اس کے کہ اصناف شاعری پر نظر ڈالی جائے صفات شاعری کو دیکھئے۔ تو بڑا فرق محسوس ہوگا۔ غالب و مومن کی شاعری میں تشبیہات۔ رنگ۔ بلاغت۔ طرز فصاحت۔ استعارات۔ انداز بیان۔ محاکات۔ بیان جذبات۔ ادائے مضمون۔ جدت تخیل وغیرہ وغیرہ سب چیزیں مشترک در یکساں طریقہ پر پائی جاتی ہیں لیکن نگاہ حقیقت شناس اس فرق و امتیاز کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتی جو ان دونوں میں پایا جاتا ہے۔ وہ مایہ ناز صنف شاعری جو صرف اہل عجم کے لئے مایہ ناز ہے اور عرب کی شاعری میں نمونہ یا مثال کے سوا اس کا وجود کہیں نہیں ہے۔

ثنوی ثنوی ہے۔ وہ متاع ادب جس نے فارس کے ذخیرۂ ادب کو گراں قدر اور گہراں بہا بنایا۔ صرف ثنوی ہے۔ جس کے ثبوت میں

شاہ نامہ سکندرنامہ منطق الطیر بوستان زلیخائے جامی تحفۃ العراقلین۔ مثنوی زلانی۔ مثنوی مولانا روم وغیرہ سبکدوش مثنویاں پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہی وہ چمکنے والے جو اسرار ہیں جن کی آب و تاب نے عرب کے ادبی متاع کو مانو کر دیا تھا۔ فارسی کی تمام اصناف شعر کے ساتھ یہ بھی ہندوستان میں آئی اور عالی دماغ ادیبوں کے ہاتھوں دوسرے اصناف سخن کے ساتھ یہ بھی پروان چڑھتی رہی مگر اس زمانہ کو جس میں زبان اردو اپنے بچپن کے گہوارے میں تھی ————— سم ایام جاہلیت میں شمار کرتے ہوئے میر کے زمانہ تک پہنچتے ہیں۔ میر تقی میر نے اردو

میں اس صنف کو خصوصیت کے ساتھ ترقی دی۔ اور تیس سے زائد شنویاں لکھیں جن میں بعض نہایت مختصر ہیں۔ مگر شہادۂ عشق۔ دریاۂ عشق۔ اعجاز عشق۔ شکار نامہ۔ اردو نامہ۔ محبوباں۔ تنبیہ الجہاں وغیرہ شنوی کے بہترین نمونے ہیں۔ میر صاحب کی شنویاں بعض بلا قید زمانی۔ اور بعض اُس زمانہ کے لحاظ سے نہایت عمدہ اور دلچسپ ہیں مگر فی الاصل اس صنف کو عروج کمال پر پہنچانے والے میر حسن ثابت ہوئے اور ان کی شنوی کی

اتنی شہرت ہوئی کہ میر صاحب کی ثنویوں کی شہرت صرف ان کی ذات بابرکات کی انضامیت کے ساتھ وابستہ رہ گئی۔ میر حسن کے بعد اگر یہ کئی ثنویاں بزمیر کے جواب میں لکھی گئیں مگر مقبولیت اور شہرت نہ پاسکیں۔ آخری دور میں ثنوی گلزار نسیم کو لکھنؤ میں خاص شہرت ہوئی مگر دلی میں رنگین کے علاوہ اور کوئی دوسرا شخص ثنوی لکھنے والا نظر نہیں آتا یہاں تک کہ موہن وغالب کا زمانہ آج آتا ہے۔ موہن اور غالب دونوں نے اس صنف میں نہایت جاکھا ہی اور محنت سے کام لیا۔ اور اس مردہ صنف کے ساتھ اعیانہ میحانی کی غالب نے فارسی میں تقریباً گیارہ ثنویاں لکھیں۔ سہرہ ہفتیش۔ دو داغ۔ چراغ دیر۔ رنگ و بو۔ باد میخافت۔ شان بہرت۔ تہنیت عید شوال۔ تہنیت عید۔ دیباچہ۔ تقریظ آئین اکبری۔ ابر گہر بار۔ اور اردو میں مختصر چند شعر ”ثنوی در صفت انبہ“

مومن کا یہ تمام کارنامہ جو ان کی شاعری کا ایک درخندہ گوہر شب چراغ ہے خزانہ اردو میں ہے۔
نامہ مومن۔ دوسرا نامہ۔ شریکیت ستم۔ قصہ غم۔ قول غمیں۔ تھن آتشیں۔ قیس مغموم۔ آہ و زاری مظلوم۔ مثنوی ناتمام۔ مثنوی مضمون جہاد۔
ہر چند مثنویوں میں دونوں کا موازنہ یا تقابلی درست نہیں ہو سکتا کیونکہ غالب کی مثنویاں فارسی میں ہیں اور مومن کی اردو میں تاہم اجمالاً
یہ کہا جاسکتا ہے کہ غالب کی مثنویاں زیادہ تر واقعات ضروری پر مبنی ہیں اور مومن نے باستانائے بعض سب عشقیہ لکھی ہیں اور اس طرز میں گویا
وہ خود ہی موجد اور خود ہی خاتم ہیں۔ ان کی مثنویاں حسن و عشق کے واقعات کے آئینے ہیں جن میں دونوں تصویروں کا بال بال نظر آتا ہے۔ ان
مثنویوں کے بعض بعض مناظر میر تقی اور میر حسن کی مثنویوں سے ملتے جلتے ہیں۔ مگر اصل یہ ہے کہ خواہ فراق کا بیان ہو خواہ اشتیاق اور وصال کا
اس میں وہ آپ اپنی نظیر ہیں کیونکہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب وہ واردات ہیں جو سوختہ بہانان عشق پر گزرتی رہتی ہیں اور یہی سبب ہے
کہ جو لطف ان کے بیان میں ملتا ہے وہ دوسروں کے بیان میں ہرگز نہیں ہے۔

اصناف سخن میں سے وہ اصناف جو اردو میں مشترک طور پر غالب و مومن کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ قصیدہ۔ رباعی۔ مرثیہ اور غزل ہیں، سب سے پہلے ہم قصیدہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ قصیدہ کے لئے اول تو ان الفاظ کی ضرورت پڑتی ہے جن میں علو اور شکوہ و شان پائی جائے اس کے بعد تشبیب آجاتی ہے۔ جس میں تمام زور شاعری صرف کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد گرنیہ ہے یعنی وہ نازک موقعہ جہاں سے اس کو اپنے اصلی مقصد کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ روانی۔ جوش وغیرہ بھی اس کے لئے ضروری ہیں۔ چونکہ قصیدوں کے اغراض و مقاصد مختلف ہوتے ہیں اس لئے یہ کوشش تو بے سود ثابت ہوگی کہ غالب و مومن کے ایک مضمون کے قصائد کو ڈھونڈا جائے اس واسطے صرف مندرجہ بالا باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے ہم ایک موازنہ کی صورت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

مومن حضرت علی کریم اللہ وہ کی شان میں قصیدہ اس طرح شروع کرتے ہیں ۷

کشتی ہے میری تیغ زباں سے زبان تیغ
 نہلا دیا عسکر کو بہو میں بساں تیغ
 پھر جو شش آگیا دم خونابہ بہرہ کو
 میدان کشت و فحل میں مراد رست سوار
 کیونکر سخن فروش ہوں سودا گراں تیغ
 میری زباں کے آگے چلے کیا زبان تیغ
 پھر تیزی زباں پہ ہے قرباں زبان تیغ
 چاہے عنان کشیدہ تو ہو مہمان تیغ

میں نے صرف یہ چار شعر اس لئے لکھے ہیں کہ دیکھنے والوں کو قصیدہ کی اچھا ن معلوم ہو جائے۔ ورنہ اس قصیدہ میں مومن کے یہاں تیس چالیس شعر تقریباً اسی انداز اور اسی شان کے موجود ہیں۔ سب کا پہلے شاعر کے شعور پر نظر ڈالئے کہ اُس نے چونکہ خداوند ذوالفقار کی مدح سنجی کرنا چاہی ہے لہذا زمین قصیدہ بالکل اُسی کے موافق تجویز کی۔ دوسری خوبی جو قصیدہ میں نمایاں ہے وہ صنعت براۃ الاستہلال ہے جس کی شان قصیدہ کے مطلع سے نمایاں ہو رہی ہے۔ تیسری خاص بات جو مصنف کے ذہن میں آئی وہ یہ تھی کہ اُن مناسبات کو جو ممدوح سے متعلق ہیں ایک ایک کر کے تشبیہ میں لے آیا۔ مثلاً

گلبریز میرے دم سے ہوئی داستان تیغ

فردوسی ایک خار جنان بیان تھا

اگر غلط اساتیل کیا جائے تو فردوسی کو خارجِ جنان بیان بنانے کے اسبابِ نظر کے سامنے پھر جاتے ہیں۔ کیونکہ گو فردوسی نے عمر بھر جو ضربِ ضرب کے مناظر لکھے مگر یوں کہ اس بات پر غور ہے کہ وہ صرف کافروں کی مدیکہ سنجی میں رہا اور وہ دراصل باغِ جناتِ مدح کیلئے ایک کاٹنا ثابت ہوا مگر میں کہ حضرت علی ابن ابی طالب کی مدیکہ سنجی کا ارادہ کر رہا ہوں۔ دراصل یہ داستانِ یتیم گویا مگر نری داستانِ یتیم ہے۔ دوسرے مناسبات حمد و مدح دیکھئے ۵

یہ دل خراشیاں مرے اشعارِ نوح کی
سینے پہ منکروں کے ہلے لکھوں نشانِ یتیم
جس جاے خطبہ خواں ہو مری تیزی زباں
داں جانے فرضِ سجدہ مبرفشانِ یتیم
صد مژدہ جراتِ منکرِ حدود کو
کرتا ہوں رزم گاہ میں میںِ یمنِ یتیم
یوں کہ آرزوئے، ثوابِ بہادری ہے
کفار کا شاکہ کے سینے داستانِ یتیم

معلوم ہوتا ہے کہ ایک دریا اُٹا ہوا چلا آ رہا ہے۔ اسی روانی اور تسلسل کی حالت میں اس آسان طریقہ سے گزیر کیا ہے جس کا جواب نہیں گویا مصنف نے گزیر کا ارادہ نہیں کیا بلکہ بے اختیار اُس کے قلم سے یہ اشعار نکلتے گئے ہیں ۵

آئی ہے لب پہ مدحِ خداوندِ ذوالفقار
یجاذ منکروں کے لئے ارمغانِ یتیم
شیرِ خدا علی کہ شجاعت سے جس کی ہے
سپرِ سجدہ پہ زرخِ زنِ بہانِ یتیم

یہی وہ مقامات ہیں جو قصیدہ میں دشوار ہوتے ہیں۔

اب مرزا غالب کا وہ قصیدہ ملاحظہ فرمائیے جو انھوں نے حضرت علی کرم اللہ کی مدح میں کہا ہے۔ قصیدہ سے مصنف کا کمال اور قادرِ لکلامی ظاہر ہے مگر وہ مناسبات جو یوں کے یہاں ہے اس میں نہیں ہے۔

دہرِ جزوہ یکتائیِ معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خویش
بیدلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت نہ ذوق
بے کسی ہائے تماشا کہ نہ دینا ہے دیں
ہرزہ ہے نعمتِ زبردیم ہستی و عدم
نوبے آئینہ فرقِ جفون و تسکین

پوری تشبیب اسی طریق سے کہی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ غالب کی کہنہ مشققی نے اس میں بہت کچھ حسن پیدا کر دیا ہے مگر قصیدہ میں وہ بات نہیں ہے جو یوں کے یہاں ہے۔ مخلص میں انھوں نے تشبیب کو ختم کر کے اس طرح چھپا چھڑایا ہے ۵

کس قدر ہرزہ سہرا ہوں کہ عیاناً بالاد
یک فلمِ خارجِ آداب و تقار و تمکین
نقشِ لا حول لکھائے خانہ ہندیاں تھریر
یا علی عرض کر اے فطرتِ دلوسِ قرین

دیکھنے والا پہلی نظر میں دیکھ لیتا ہے کہ مصنف نے ایک تشبیب بغیر سوچے سمجھے محض اپنی شاعرانہ قوتِ بیان کے زور میں لکھی ہے اس کے بعد اس کو خیال پیدا ہوا ہے کہ اس قصیدہ کا منبقت کی طرح رنج پھر دینا چاہئے اسی لئے اس کو دقت ہوئی ہے اور اس نے گزیر کا یہ انداز اپنایا۔ برعکس اس کے یوں کے یہاں پہلے ہی سے اہتمام کیا گیا ہے اور اس صفائی اور خوبصورتی سے گزیر کیا ہے کہ داد نہیں جاسکتی۔

اس کے بعد رباعی پر جب نظر ڈالتے ہیں تو غالب کے یہاں اُردو کی چند رباعیات نظر آتی ہیں مگر درحقیقت وہ قابلِ موازنہ نہیں ہیں کیونکہ یوں کے یہاں رباعیات کا ایک بہت کافی سرمایہ اور ذخیرہ موجود ہے جس میں ہر قسم کے خیالات ادا کئے گئے ہیں۔ برعکس اس کے غالب کے یہاں چند رباعیات ہیں اور ان کے دیکھنے سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ انھوں نے بکھر لکھی ہیں یا بعض واقعات نے اُن سے لکھوادی ہیں۔ ہر صورت کم سے کم اردو میں غالب صنفِ رباعی کے مرد میدان نہیں سمجھے جاسکتے۔ ان سب کو چھوڑنے کے بعد موازنہ کے واسطے صرف ایک غزل کی صنف باقی رہ جاتی ہے جنہیں دونوں کا سرمایہ عمر کافی موجود ہے۔

غزلوں کے موازنہ کے لئے دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ ایک غزل غالب کی لکھی جائے اور ایک مومن کی مگر یہ تحصیل حاصل ہے کیونکہ اگر صرف یہی بات مد نظر ہو تو بجائے خود دونوں کے دیوان علیحدہ علیحدہ موجود ہیں دوسرے یہ کہ موازنہ کے لئے اُن غزلوں پر نظر کی جائے جو ہم طرح ہیں اور جن میں ایک زمین میں دونوں نے گفتگو کیا ہے۔ یہ البتہ کار آمد ہے بشرطیکہ دونوں کے توانی کو جن پر ملاحظہ اور پھر دونوں کے رنگ طبیعت کے موافق اُن پر تنقید کی جائے۔ چنانچہ پہلے ہم یہی کرتے ہیں۔ اگرچہ دونوں کی ہم طرح غزلیں بہت کم ہیں۔ تاہم جو کچھ ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔

غالب کی ایک شہور غزل کا مقطع ہے یہ

مجھ پر جھٹے ترک وفا کا لگاں نہیں اک چھڑ ہے دگر نہ مراد امتحان نہیں

نہایت پاکیزہ مطلع کہا ہے۔ یعنی معشوق مجھ پر میرا امتحان لینے کے لئے جھٹا نہیں کرتا اور نہ اس کو یہ خیال ہے کہ جھٹا کرنے سے میں وفا چھڑ دوں گا۔ بلکہ مقصود صرف ایک چھڑ جاری رکھنا ہے۔ اس سے زیادہ عاشق کی حرمان نصیبی کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جھٹا بھی ہوتا ہے تو اُس میں بھی اُس کو کوئی امید نہیں۔ اگر معشوق کی یہ جھٹا امتحان لینے کے لئے ہوتی تو کچھ امید افزا ہو سکتی تھی۔ یا کاش معشوق بھی سمجھتا کہ جھٹا کرنے سے یہ وفا چھڑ دیگا۔ مگر وہ سمجھ چکا ہے کہ عاشق وفانہ چھڑ دیگا۔ اس سے بد نصیبی عاشق کے پہلو کو شرم میں اور بھی تقویت پہنچتی ہے۔ یعنی وفا پر ثابت قدم سمجھتے ہوئے وہ جھٹا کرتا ہے۔ مگر حکیم مومن خان فرماتے ہیں یہ

کرتے وفا ایسے وفا پر تمام عمر پر کیا کریں کہ اس کو امتحان نہیں

مضمون تقریباً یکساں ہے فرق یہ ہے کہ غالب کہتا ہے کہ وہ جھٹا کرتا ہے مگر امتحان کے لئے نہیں کرتا۔ حکیم صاحب کہتے ہیں کہ جھٹا کرتا ہی نہیں در نہ ہم عمر بھر اُس سے وفا کئے جاتے۔ اس میں حرمان و مایوسی کا مضمون غالب کے شعر سے بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ جھٹا ہونے میں تو ایک امید بھی ہے یعنی اگر آج اس کو خواہش امتحان نہیں تو ممکن ہے کہ کسی وقت پیدا ہو جائے مگر وہ بد نصیب واقعی بڑا بد نصیب ہے جس پر جھٹا بھی نہیں کی جاتی۔ اس کے علاوہ پہلے مصرع کی صفائی بیان کی تعریف ہی نہیں ہو سکتی۔ ”پر کیا کریں“ کے ٹکڑے نے اور بھی زیادہ مجبوری کا رنگ پیدا کر دیا اور اس ابہام و ایہام نے کہ ”اب کیا وفا کریں“ اس بات پر بھی ایک کافی رد شنی ڈال دی کہ ہم کو اظہار وفا کا بھی موقع نہیں ملتا جتنا

غالب ہم کو ستم عزیز ستم گر کو ہم عسزیر ناہر باں نہیں ہے اگر ہر باں نہیں

ہم ستم دوست ہیں اور وہ ستمگر ہے ہم کو ستم کی ضرورت ہے اور ستمگر کو ایک ستم دوست کی احتیاج ہے۔ اس صورت سے ایک البطاعتاد فی مابین قائم ہے۔ لہذا اگر وہ ہر باں نہیں ہے تو ناہر باں بھی نہیں ہے۔ غالب کے منطقی استدلال نے اس میں عجیب غریب لطف پیدا کر دیا ہے۔ اور یہی استدلال اس شعر کو مزہ کے خاص رنگ میں لے آیا ہے۔ ہمارے نزدیک سب سے بڑی خوبی اس شعر میں انداز بیان کی ہے اور پھر یہ کہ منطقی رنگ کے ساتھ اس میں تغزل کا رنگ کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے مگر مومن کہتے ہیں یہ

اظہار دوستی کی خوشی کیا شب وصال دشمن سے سن چکا ہوں کہ تو ہر باں نہیں

نوں کے بعد ایک ہر باں نصیب کو شب وصال میر ہوئی ہے معشوق گرم جو شیاں کر رہا ہے۔ مگر اس سے بھی اس ستم نصیب عاشق کو کوئی تسکین نہیں ہوتی۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے دشمن سے سنا تھا کہ تو کسی کا دوست نہیں ہوتا اور اگر یہ سنا محض سننے ہی کی حد تک ہوتا تو خیر نہ تھا مگر چونکہ اس وقت اس کے قول کی تصدیق ہو رہی ہے جب کہ وہ دشمن کے پاس نہیں ہے اور ہم پر ہر باں ہے لہذا وہی اُس کی بے ثباتی و بے ثباتی کا ثبوت ملتا ہے۔ استدلال کی صورت تقریباً یکساں ہے

غالب پاتا ہوں اُس سے داد کچھ اپنے کلام کی روح القدس اگرچہ مرا ہر باں نہیں

اس شعر میں ایک فعلی شاعرانہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ روح القدس پر اپنی تزیین ایک بے لطف سی بات ہے مگر مومن خان اسی تافیہ میں تغزل کی شان پیدا کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ

پیش عد و سمجھ کے ذرا حال پوچھنا
 قابو میں دل نہیں کرے میں باں نہیں
 اول تو جس صفائی کے ساتھ کہا گیا ہے اُس کی تعریف محال ہے اور اس کے علاوہ بلاغت اور شعر کی معنویت اور بھی قیامت ہے
 جس کی وجہ سے یہ شعر غالب کے شعر سے بہت بڑھ گیا ہے۔

غالب نقصاں نہیں جنو میں بلا سے ہوگر خراب
 سو گز زمین کے بدے بیا باں گراں نہیں
 یہ شعر غالب نے ایک شوخی کا انداز قائم رکھتے ہوئے تغزل کی حد میں کہا ہے اور نہایت ہی عمدہ صورت سے کہا ہے مگر مومن
 خاں کے یہاں ایک ناصحانہ انداز بیان ہے۔

اتنے سبک نظر میں ہیں اوصافِ زندگار
 دنیا کی حسرتیں سر دل پر گراں نہیں
 یعنی زمانہ کو میں اتنا شیخ دیو سچ سمجھ چکا ہوں کہ دنیا کی حسرتیں اب میرے دل پر کوئی گرائی پیدا نہیں کرتیں۔ ہمیں لطف یہ ہے
 کہ حسرت بھی میری نظر میں سبک ہو گئی ہے۔ تاب و نواں کا قافیہ غالب نے قطعہ بند کہا ہے۔

غالب ہر چند جاں گدازی تھر دعتاب ہے
 ہر چند نشت گرمی تاب تو اں نہیں
 تباں مضطرب ترانہ ہل من مزید ہے
 لب پردہ رخ زمرہ الاماں نہیں
 یعنی اگرچہ تمام ظلم ہو رہے ہیں۔ اگرچہ سجدہ ناثوان ہوں۔ مگر پھر بھی جان خواہشمند ہے کہ اور بھی ستم ہوں۔ لب ہرگز نغمہ الاماں نہیں
 کہتا یہ ایک کیفیت خاص ہے جو اکثر عشق میں ہوتی ہے۔ مگر شوکت اللفاظ کے سوائے شعر میں کوئی ندرت نہیں ہے۔

مومن ہر ذرہ میری خاک کا بر باد ہو چکا
 بس اسے خرام ناز کہ تاب تو اں نہیں
 انداز تغزل میں بے مثل ہے اور باوجود اس کے کہ مرزا نے اس کو قطعہ کی صورت میں کہا ہے مگر اس میں کوئی خاص خوبی نہیں
 پیدا کر سکے اور مومن نے ایک ہی شعر میں سوز و ساز کی دنیا بھر دی۔
 دوسری غزل ملاحظہ فرمائیے۔ غالب کہتے ہیں۔

ملتی ہے خوئے یار سے ناز التہاب میں
 کافر ہوں گرد ملتی ہو راحت عذاب میں
 یعنی مجھ پر جو آگ کا عذاب کیا گیا ہے۔ میں اس سے بہت خوش ہوں کہ آگ جب ملتی ہوئی ہے تو مجھ کو اپنے مشتوق کی آتش
 خوئی یاد آتی ہے اور اس لئے اس عذاب میں ایک قسم کی راحت معلوم ہوتی ہے۔ کافر ہوں۔ کاٹھڑا اس شعر میں نہایت سوچ سمجھ کر کہا گیا
 ہے جس سے دوستی معنی بہت بڑھ گئی ہے۔ مگر ناز اور التہاب نہایت ثقیل ہیں۔

مومن جلتا ہوں ہجر شاد و یادِ شراب میں
 شوقِ ثواب نے مجھے ڈالا عذاب میں
 مفہوم بالکل ظاہر ہے مگر مومن کا انداز بیان دوسرے مصرعہ میں نہایت ہی صفائی کے ساتھ استاد کی شان پیدا کر رہا
 ہے پہلے مصرعہ میں جلتا ہوں کے لہجہ میں نے شعر کے معنی میں بہت زیادہ مدد کی ہے۔

غالب کب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں
 ہنہائے ہجر کو بھی رکھوں گرجاب میں
 اس مضمون کو دیکھ کر کسی کی جرات نہیں ہو سکتی کہ کوئی نقص نکال سکے مگر افسوس کہ یہ مضمون غالب کا نہیں ہے بلکہ شاعر کے
 ایک شعر کا ترجمہ ہے۔

زہے عمر دراز عاشقاں گر
شب بچراں حساب عمر گیرند
کھولا جو دفتر گلہ اپنا زیاں کیا
گزری شب وصال ستم کے حساب میں

مومن

وہی انداز تغزل جو مومن کے کلام کی جان ہے اس میں بھی موجود ہے اگرچہ مضمون کو بلند نہیں کہا جاسکتا مگر صفائی اور سادگی مضمون نظر انداز بھی نہیں کی جاسکتی ہے

تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

غالب

مضمون آفرینی جس کے لئے غالب کی شاعری خلق ہوئی تھی۔ اس شعر میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے یعنی معشوق کی جفا و وفا کی صورت میں اور عاشق کی کامیابی ناکامیابی کے رنگ میں ہے۔ اور طرہ یہ کہ شاعر کا وہی خاص انداز بیان جس کا وہ عادی ہے اس لئے شہرت ہی بے مثل ہے مگر مومن نے اس قافیہ کو جس خوبی سے کہا ہے وہ باوجود اتنی زبردست مضمون آفرینی کے غالب کے شعر سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ کہتا ہے

تیری جفا نہ ہو تو ہے سب دشمنوں سے اس
بدست غیر، محو دل، اور بخت خواب میں

جس صورت میں مصرع ادنیٰ لگایا گیا ہے اُس سے بہتر کوئی صورت خیال میں نہیں آتی۔ غیر اس وقت شراب عیش سے بہست ہے۔ میرا دل جو ہو کر رہ گیا ہے۔ میرا نصیب جو خواب ہے اگر ایسے میں تو بھی جفا سے باز آجائے تو مجھے تمام دشمنوں سے نجات مل جائے تغزل کی حد میں ایسی مضمون آفرینی اور اُسی کے ساتھ بیان میں یہ شگفتگی مومن ہی کا حصہ تھا۔

قاصد کے آتے آتے خطاک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

غالب

چونکہ بیان میں صفائی کو انتہائی طریقہ سے ملحوظ رکھا گیا ہے اس لحاظ سے شعر کو جو درجہ دیا جائے کم ہے مگر مومن کے تغزل کا انداز کسی مضبوط سے مضبوط انداز بیان کی عمارت کو قائم نہیں رہنے دیتا۔ ملاحظہ ہو۔

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں

اتنی بڑی داستان کہ عاشق و معشوق کے پاس سیکڑوں گلے ہزاروں شکوے لئے ہوئے پہونچا۔ تمام لہذا روایا۔ رحم اور جواب کا منتظر رہا۔ مگر معشوق نے ناز۔ شوخی۔ سادگی۔ ظرافت۔ غصے۔ جھنجھلاہٹ کے لہجہ میں اتنا کہہ دیا کہ آپ کو اپنے اضطراب میں ہوش بھی ہے۔ تمام گلوں کا خاتمہ کر گیا۔ ایک جملہ نے موافق کا ذخار دریا شعر میں موجزن کر دیا۔ اس جواب میں جس قدر پہلو نکلتے ہیں بیان نہیں ہو سکتے۔

میں مضطرب ہوں وصل میں خوف رقیب سے
ڈالا ہے تم کو دہم نے کس پیچ و تاب میں

میں شب وصال میں خوف رقیب سے مضطرب ہوں مگر خدا معلوم تم کو کیا کیا دہم ہو رہا ہے۔ پہلے مصرع میں بہت سے پہلو ہیں اور بیان کی تہ میں ایک خاص ستم کی شوخی بھی ہے۔ اس کے علاوہ ایہام کے ہونے سے ایک خاص لطف پیدا ہو گیا

ہے اگرچہ اس قافیہ کو وہ غالب سے بڑھا نہیں سکے۔

پھیلی شمیم یار مرے اشک سرخ سے
دل کو غضب فشار ہوا اضطراب میں
میں اور حظ واصل خدا ساز بات ہو جان نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
بے نالہ منہ سے بھر پڑے ہیں بے گریہ آنکھ سے
مومن اجزائے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں

غالب کے شعر میں شوخی اور شان عشق ہے۔ مومن کے یہاں مایوسی حزن و یاس پریشان حالی۔ دونوں مضمون بالکل جدا ہیں
نازک خیالیاں دونوں میں ہیں مگر ایک دوسرے سے متجاوز نہیں۔ البتہ مومن کے یہاں اجزائے دل کہہ کر شعر میں جان ڈال دی
گئی ہے۔ اجزائے دل اضطراب میں جس صورت سے تباہ ہوتے ہیں ان کی تشریح اس صورت سے ایک غالب ہی نہیں بلکہ
شاید دیگر اساتذہ عجم کے یہاں بھی نہ ملے گی اسی کے ساتھ اس مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ جب انسان نالہ کرتا ہے تو وہ
آواز گریہ دل کے اجزاء کی تباہ کن ہوتی ہے اور جب روتا ہے تو وہ آنسوؤں کو برباد کر دیتے ہیں اس کے علاوہ شعر کا ظاہری
حزن بھی شان عاشقانہ کی ایک مایوس تصویر ہے۔

تہوری چڑھی ہوئی ہے جو اندر نقاب کے
غالب ہے اک شکن پڑی ہوئی طرف نقاب میں
غالب نے معشوق کی ایک ادا اور اس کے اثر کے مترتب ہونے کو یقینی ایک نئی صورت سے دکھایا ہے۔
چہن چہیں کو دیکھ کے دل بستہ تر ہوا
مومن کیسی کشو و کار کشو و نقاب میں

غالباً کسی حیران نصیب عاشق کے لئے اس سے زیادہ خوش نصیبی اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ معشوق اس کے سامنے بے نقاب
ہو مگر مومن اس دھڑلے میں بھی اپنی حیران نصیبی دکھاتا ہے اور اسی تہوری کو جس سے غالب نے ایک صورت محاکات پیدا کی ہو
اپنے دل بستہ ہونے کی وجہ فخر آتا ہے۔ اگرچہ مضمون کو کوئی خاص درجہ دینا کھلی ہوئی نا انصافی ہے مگر دوسرے مصرع
کا حسن بیان اہل نظر سے داد لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

لاکھوں بگاڑ ایک چرا نا نگاہ کا
غالب لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں
غالب نے حسن معشوق کی دو خاص کیفیتوں کا منظر دکھایا ہے اور یہ ہے کہ اس طرح دکھایا ہے کہ غالب کے سوا
دوسروں نے ان کے برابر اس قافیہ کو حسن کیساتھ نہیں کہا۔ مومن کا یہ شعر اگرچہ انداز تقریر میں بڑا نہیں مگر وہ غالب کے برابر
نہیں پہنچے۔

ہے سنتوں کا وقت شکایت رہا ہے
مومن آئے تو ہیں سنائے کو پردہ عتاب میں
مومن کیا جھوٹے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں
مومن اگرچہ مومن کا یہ شعر غالب کے مقطع ہے
غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی
بے بادہ سنت ہوں میں شب بے تاب میں
پیتا ہوں روز ابرو شب بے تاب میں

کی برابری نہیں کر سکتا۔ مگر اپنی معنی آفرینی کی وجہ سے اس میں بھی ایک حق پیدا ہو گیا ہے۔ شب ماہ کو دیکھ کر خود بخود دست ہو جانا نہایت پاکیزہ مضمون آفرینی ہے مگر پھر بھی اسے شعریت کے حدود میں نہیں لاسکتے۔

رو میں ہے رخس عمر کہاں دیکھنے کے

غالب

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

یہ شعر غالب کے ادنیٰ کارناموں میں سے ایک زبردست کارنامہ کہے جانے کا مستحق ہے۔ مگر حد تغزل سے دور اور حکیمانہ خیالات سے معمور ہے۔ مومن نے اس قافیہ میں تغزل کا رنگ پیدا کر کے خاص چیز بنادیا ہے۔

قاتل بھاسے بار نہ آیا دفا سے ہم
فزاک میں جو سر ہے تو پا ہے رکاب میں

بجا ہوتا ہے بھا ہوتا ہے۔ اس زمین میں بھی دونوں استادوں کی غزلیں موجود ہیں مگر افسوس ہے کہ ہم قافیہ صرف ایک ہی شعر ہے۔

یہ ہوں میں شکوہ دل یوں راگ سے جیسے باجا

غالب

اک ذرا چھوڑے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

غالب کی تشبیہ نے بھی شعر کو بہت بلند کر دیا ہے اور اس کے مصرع ثانی کی بے تکلفی خصوصیت سے قابل داد ہے مگر مومن نے اسی عاشقانہ انداز کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک سانسے کا مضمون ادا کر دیا ہے۔

اک نظر دیکھئے سے سرتن سے جدا ہوتا ہے

لے جگہ آنکھ لڑی دیکھئے کیا ہوتا ہے

یہ شعر پڑھ کر آل عاشقی اور حیران نصیبی کی پر خست تصویر نظر کے سامنے آ جاتی ہے۔ سب سے بڑی خوبی انداز بیان کی بے تکلفی ہے جس کی وجہ سے کم از کم یہ شعر غالب کے شعر کے مقابلہ میں لایا جاسکتا ہے ورنہ اگر دونوں کی غزلوں کو دیکھا جائے تو دونوں بارغ و بہار ہیں۔ مضمون۔ زبان۔ معنی آفرینی کسی لحاظ سے ایک دوسرے سے کم نہیں ہے۔ ہم طرح غزلوں میں سے ایک غزل یہ بھی ہے۔ آسمان کے لئے۔ جہاں کے لئے۔ مگر وہ صورت بدستور قائم ہے۔ بہت کم قافیہ ملتے ہیں پھر بھی جو ہیں وہ حاضر ہیں۔

بلا سے گر مرثہ یار تشنہ خوں ہے

رکھوں کچھ اپنے بھی ترکانِ خفاں کیلئے

مرثہ یار نے اس قدر خون آشامی کی ہے کہ اب دل میں خون بہت کم رہ گیا ہے اور وہ مجبور ہو کر کہتا ہے کہ اب مجھ کو اپنے ترکانِ خفاں کیلئے کچھ رکھنا چاہئے۔ شعر کی بندش کی جستی قابل داد ہے مضمون میں جگہ کا دی بھی کی گئی ہے مگر شان عشق سے منافی ہے۔ مومن اپنے خاص انداز میں کہتا ہے۔

وہ لعل روح فزاں ہے کہاں ملک لعل سے

کہ جو ہے کم ہے یہاں شوق جانفشاں کیلئے

مضمون شعر اس قدر صاف ہے کہ غالباً اسکی تشریح کی احتیاج نہیں مگر لعل روح فزاں اور شوق جانفزاں کی ترکیبوں نے اسکو بہت بلند کر دیا ہے۔

فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں

دراز دستی قاتل کے امتحاں کے لئے

غالب

غالب کے یہاں یہ شعر بیت الغزل ہے۔ تعریف محال ہے۔ مومن کا اس قافیہ میں اتنا کہنا بھی کمال ہے لکھتے ہیں۔

مومن
بھلا ہوا کہ وفا آزمائے ستم سے مومے
ہمیں بھی دینی تھی جاں سکے امتحان کے لئے

وفا آزمائے ستم سے مرنا ہمارے لئے عنینمت ہو اور نہ ہلکو تو ایک نہ ایک دن جان نذر امتحان کرنی تھی اپنے خاص انداز کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا گیا ہے بات میں سے بات نکالی ہے

غالب
وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں دشناس خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمر جادواں کے لئے

سوائے شوخی بیان کے اور کچھ شعر میں نہیں ہے بلکہ اگر بداندانی نہ سمجھی جائے تو اس قسم کے شعروں کو انبیاء کے سوراہے کی حد میں لایا جاسکتا ہے مگر مومن نے اس قافیہ کو غالب سے بہت اچھا کہا ہے۔
خلافت وعدہ فردا کی ہم کو تاب کہاں
امید یک شبہ ہے یا اس جاوداں کے لئے
یعنی ہم میں کل کی وعدہ خلافت کی تاب کہاں ہے ایک رات کی امید بھی یا اس جاوداں کے لئے کافی ہے۔

مثال یہ مری کو شمش کی ہو کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خنجر آئیاں کے لئے

غالب کے بہترین شعروں میں ایک شعر یہ بھی ہے حسرت و اندوہ حیران و آرزو کی ایک مکمل تصویر ہے مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک نظری دہوکہ ہے اس پر اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ مرغ اسیر قفس میں آئیاں بنانے کے لئے خنجر فراہم کر سکتا ہے اسیر سے یہ آزادانہ حرکتیں نہایت مستبعد ہیں۔

مومن
کہاں وہ عیش اسیری کہاں وہ اس قفس
ہے صمیم برق بلا روز آئیاں کے لئے

مومن نے اپنے اصلی رنگ کو چھوڑ کر یہ شعر فلسفیانہ انداز میں کہا ہے اور اس پر مصرع اس قدر صاف اور سادہ لگایا ہے کہ یقینی یہ شعر غالب کے شعر سے بڑھ گیا ہے غالب نے اسی مفہوم کو ایک جگہ یوں ادا کیا ہے۔

غالب
بے تکلف در بلا بودن یہ از بیم بلاست
قدر دریا سبیل در سے دریا آتش است

غالب
گدا سمجھ کے وہ چپ تھامی جو شامت آئی
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاساں کے لئے

یہ وہ شعر ہے جس کی خوبی پر تمام شارحین غالب اور مولانا حالی بہ اتفاق رطب اللساں ہیں اور کوئی شک نہیں کہ یہ ایجاز و اختصار کے لحاظ سے بیت الغزل کہا جاسکتا ہے۔ مگر مومن نے اس قافیہ کے کہنے میں نہایت ہلکے کادی کی اور لطف یہ کہ اپنے رنگ پر قائم رہ کر اتنا عمدہ کہا ہے کہ غالب کے شعر سے اگر زیادہ نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں ہے۔

مومن
ہے اعتماد مرے بخت خفتہ پر کیا کیا
وگر نہ خواب کہاں چشم پاساں کے لئے

خواب چشم پاساں کا اپنے بخت خفتہ کو مہمتمہ علیہ قرار دینا انبیا عجیب و غریب مضمون ہے اس پر اس کے انداز بیان نے ایک اور

قیامت ڈھادی ہے جس کی تشریح ناظرین کے غور و تحقیق کی محتاج ہے۔

ایک غزل اور ہے جس کی ردیف و قافیہ - جائے ہے - آئے ہے، ہے، ہمطرح ہے مگر افسوس کہ ہم قافیہ شعر کوئی بھی نہیں۔ دوسری غزل وہ ہے جس کا ردیف و قافیہ - جیہا ہے - مزاہ ہے - اس میں دو تین قوافی ملتے ہیں۔ غالب کہتا ہے

شبم پہ گل و لالہ نہ خالی زاداد،
داغ دل بیدار د نظر گاہ جیاد،
بیان کرنے والوں نے اس شعر کے عجیب عجیب معنی بیان کئے ہیں۔ ممکن ہے وہ سب کے سب صحیح ہوں مگر اصل میں یہ شعر وہی بیدل اور شوکت بخاری وغیرہ کے رنگ میں ہے جس سے آخر میں خود غالب بھی متنفر ہو گئے تھے۔ اسی لحاظ سے اس کو قابل اعتنا قرار دیکر وہ کندن و کاہ برآوردن کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ سنئے مومن کا شعر سنئے جس کے بیان کی روانی - زبان کی خوبی قابل داد ہے۔

کس طرح نہ اُس شوخ کے رونے پہ ہونیں

نظروں میں مروت نہ آنکھوں میں جیہا ہے

بار ہاںسا گیا ہے کہ معشوق عاشق کے رونے پر ہنستے ہیں۔ مگر جو صورت مومن نے بیان کی ہے وہ انتہائی درجہ ہے اس بدگمانی کا جو آخر میں عاشق کو پیدا ہو جاتی ہے اور کسی صورت معشوق کی یو فانی کا خیال اُس کے دل سے نہیں ہٹتا ہے

نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد

یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

غالب

غالب کا یہ شعر بے مثل ہے جس کے مقابلہ پر مومن کا یہ شعر لکھنا صرف موازنہ کی ضرورت سے ہے ورنہ درحقیقت کوئی نسبت نہیں ہے۔

آزردہ حراماں سے ملاقات نبھے کیا

یعنی کہ نہ ملنا ہی نہ ملنے کی سزا ہے

دونوں باکمال کے مقطع بھی دونوں کے کمال کا آئینہ ہیں جن کو میں صرف نقل کئے دیتا ہوں۔ اعتیاداً باب ذوق کی نظر پر منحصر ہے۔ میں کوئی فرق نہیں نکال سکتا۔ میرے خیال میں ایک کی خوبیاں دوسرے پر غالب آئی جاتی ہیں۔

بیگانگی خلق سے بیدل نہ ہو غالب

غالب

کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

مومن نہ ہی بوسہ پا سجدہ کریں گے

مومن

وہ بہت ہے جو ادروں کا تو اپنا بھی خدا ہے

موازنہ مضامین

جہاں تک میرا خیال ہے غالب اور مومن کے ہم قافیہ شعرا نہیں رہے اگرچہ مجھے اس بات کا دعویٰ نہیں ہے کہ میں نے اس فرض کو اچھی طرح ادا کیا۔ مگر یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ دونوں کے ہم قافیہ شعروں میں سے کوئی شعر شاید باقی نہیں رہا۔ اس سے زیادہ لطیف چیز میرے نزدیک وہ ہم مضمون اشعار ہیں جو دونوں استادوں کے یہاں ملتے ہیں اور جن سے صحیح طریق پر دونوں کی افتادہ طبیعت کا پتہ چلتا ہے۔

اس نقش پا کے سجدہ نے کیا کیا ذلیل

مومن

میں کو چہ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

یعنی مجھے نقش پا کے اد پر سجدہ کرنا فرض تھا اور معشوق کے نقش پا صرف کو چہ رقیب ہی میں مل سکتے تھے اس واسطے ہیں
سجدہ کیا اور رقیب کے کو چہ میں سجدہ کرنا میرے لئے باعث ننگ تھا
جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار

غالب

اے کاش جانتا نہ تری رہ گزر کو میں

معنی جو کچھ میں ظاہر ہیں صرف یہ لکھنا ضروری ہے کہ اشتراک جذبہ رشک و رقابت - خود داری اور احترام عشق میں ہے۔ غالب
اس کے رہ گزر کو ڈھونڈتے تھے اور اسی کی وجہ سے کو چہ رقیب میں جاتے ہیں ان کے یہاں بہ نسبت عشق کے خود داری کا جذبہ غالب
ہے جس سے تنگ ہو کر وہ کہتے ہیں کہ ۶

اے کاش جانتا نہ تری رہ گزر کو میں

پھر اس کے یہاں جذبہ عشق کا غلبہ ہے کہ ہاں تک ان کو نقش قدم ملے وہیں تک سجدہ سے کرتے گئے۔ مگر پھر بھی غلبہ عشق اس
کے سوا کچھ اور کہنے سے مانع ہے کہ میں کیا ذلیل ہوا ہوں مگر وہ غالب کی طرح اس ذلت کو صرف ذلت سمجھتے ہیں یہ نہیں کہتے کہ کاش
میں ایسا نہ کرتا۔ اسی سے دونوں کے مزاج اور طبیعتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ مومن کے یہاں احترام عشق کو ملحوظ رکھتے ہوئے
شعر کو ترجیح دینا پڑتی ہے۔

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا

مومن

میری طرف بھی غزوة غمان نہ دیکھنا

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی

غالب

منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہئے

اشتراک مضمون صرف اس بات میں ہے کہ کھنچا کھنچا رہنا کسی تعلق کا پتہ دیتا ہے اور برعکس اس کے سبب یکساں برتاؤ کرنا اس
خیال کو زائل کرنا ہے خیال میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ البتہ مومن کے یہاں غالب سے انداز تغزل بہت زیادہ
ہے۔ غالب کے یہاں بندش میں ایک قسم کی الجھن ہے۔ بعض الفاظ مغل فصاحت بھی ہیں مثلاً چھوڑا چاہئے وغیرہ مگر مومن
کے یہاں اس ثقالت کا نام نہیں ہے۔

کرتے ہیں اپنے زخم جگر کو ر فوہم آپ

مومن

کچھ بھی خیال جنبش مژگاں نہیں رہا

پھر جمع کر رہا ہوں دلِ لخت لخت کو

غالب

عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کئے ہوئے

غالب کا شعر اس قدر بلند واقع ہوا ہے کہ بادی النظر میں مومن کا شعر اس پایہ کا نہیں معلوم ہوتا۔ اس کا خیال
ہے کہ میرا جگر لخت لخت کو جمع کرنا ہی مژگاں کی دعوت دینا ہے۔ اس شعر کی تہ میں جو ایک ظرافت ہے جسے نہ ہر شاعر سے تعبیر کیا جاسکتا
ہے سید لطیف ہے۔ مگر مومن کے یہاں اس کی بجائے ایک قسم کی حیرت ہے مگر پر شوق ہے۔ اسی طرح غالب کے یہاں جیسا
دوسرا مصرع ہے۔ مومن کے یہاں اس ظرافت لطیف کی ایک ہلکی سی جھلک پہلے مصرع میں ہے۔
ہائے رے چھڑا سننے سن کے حال میرا کہا کہ کیا صاحب

مومن

تفاضل پیشگی سے مدعا کیا

کہاں تک لے سرایا ناز کیا کیا

غالب

غالب کا مقصد صرف اتنا ہی کہ میں اپنا حال کہتا ہوں وہ سنتا ہے اور پھر بھی تجاہل عارفانہ کی راہ سے کیا کیا کر رہا ہوں نہ معلوم اس
کیا مقصد ہے مگر مومن کا صاف انداز بیان نہ کہیں فارسی ترکیب کا منت کش ہے اور نہ اس بات کو سہم چھوڑتا ہے کہ آخر اس سے کیا مقصد ہے
وہ رموز عشق سے پوری آگاہی رکھتا ہے اور انداز حسن سے قطعاً خبردار ہے وہ جانتا ہے کہ یہ بھی ایک چھپر ہے ایک انداز ہے اور پھر سبش
پہنماں۔

مومن بھکدو محشر میں وہ صنم نہ ملا

شیر اور ایک بار ہونا ہوتا

دائے گمیرا ترا انصاف عشر میں نہ ہو

آج تک تو یہ توقع تھی کہ داں ہو جائیگا

غالب

غالب قبل از عشر ہی اپنے خیال کا اظہار کرتا ہے مومن کہتا ہے کہ حشر ہوا اور صنم نہ ملا۔ یہی فقرہ اس بات کا مرادف ہے کہ انصاف
نہیں ہوا۔ وہ اس بات پر افسوس کر کے نہیں رہتا بلکہ کہتا ہے کہ یہ ایک ایسا قصیدہ ہے ایسا اہم معاملہ ہے کہ اس کے لئے دوبارہ حشر ہونا
چاہئے۔ گو اس کی خواہش بے سود رہتی اور اس کی کوشش بیکار رہتی ہے جو دیف سے ظاہر ہو رہی ہے مگر اس کی یہ خواہش معافی
کے دفتر کے دفتر پیش کر دیتی ہے اگرچہ غالب کے یہاں معشوق اور عاشق کی ایک گفتگو جو شعر کے مضمون سے پہلے ہونی چاہئے مقدس نامی
پڑتی ہے مگر پھر بھی وہ شعر کی ہر کمی کو پورا نہیں کر سکتی۔

چاہتا ہوں کہ مسجد میں رہوں مومن نے

کیا کروں تنہا نے کی جانب کھینچتا جاتا ہے دل

مومن

پر طبیعت ادھر نہیں آتی

جانتا ہوں ثواب طاعت مڑد

غالب

مفہوم دونوں شعروں کا ایک ہے۔ مگر غالب کے یہاں بندش اس قدر چست ہے کہ مومن کے شعر کی یہ لطافت بھی کہ دل خود بخود
تنہا کی طرف کھینچتا جاتا ہے۔ اُس کا مقابلہ نہیں کرتی۔

پاتے تھے چین کب غم دوری سے گھیریں ہم

راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم

مومن

عقی وطن میں نشان کیا غالب ہو غربت میں قدر

بے تکلف ہوں وہ مشت خش جو گلخن میں نہیں

غالب

مومن کا خیال ہے کہ گھر میں بھی دوری تھی اور اسی غم میں بتلاستے اب غربت میں ہیں تو غربت ہو گیا وطن کی یاد دلائے وہاں کوئی
راحت تھی۔ اور یہاں کیا نہیں ہے یہ ایک صاف اور سیدھا مضمون ہے مگر غالب کی جگہ کا دی اور انکی مضمون آفرینی اس میں عجیب شان
پیدا کر دیتی ہے اور یہ کہنا کہ ہماری وطن میں کوئی نشان تھی کہ غربت میں کسی قدر کی امید رکھیں۔ یا دوسری دھڑلے کی ایک مکمل تصویر ہے
اُس پر یہ تشبیہ کہ میں ایک مشت خش ہوں اور وطن میرے لئے گلخن ہے۔ اب وطن میں نہیں ہوں تو گویا گلخن میں نہیں ہوں۔ شعر کو
سے اڑی ہے اور باد جو دنا مانوس الفاظ کے بھی مومن کے شعر کو برابر نہیں آنے دیتی۔ مومن کے یہاں اگر کوئی خوبی ہے تو اس شعر میں
صرف انداز قنزل ہے جس کے مقابلہ میں غالب کا یہ شعر بھی لایا جاسکتا ہے۔

کر کے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب

تنگو بے دری ارباب وطن یاد نہیں

مومن

ہو کے آزرده پشیاں ہوں کہ میں جس سے کہوں
سن کے کہو سے کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہے
رہو اس شوخ سے آزرده ہم چپہ تکلف سے
تکلف برطرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی

غالب

غالب اگتا ہے حزن دیاس۔ خود داری اور غلبہ عشق کا اظہار کرتا ہے۔ اکثر ہوتا ہے کہ جب ظلم و ستم حد سے گزر جاتے ہیں عاشق کے دل میں ایک جذبہ اس قسم کا پیدا ہوتا ہے مگر وہ ایک قسم کا جنون ہے جس کا نتیجہ سوائے اعتراف شکست کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اسی مضمون کو قائم چاند پوری نے خوب کہا ہے۔

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
دٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ ہی گیا

مومن بھی اسی جذبہ خود داری کا اظہار کرتا ہے مگر غلبہ عشق کی کیفیت اور حسن کا احترام اور اپنی دیوانگی کا اس ٹکڑے سے اظہار کرتا ہے کہ ”کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہے“ اور یہی کیفیت ہے جو غالب کے اتنے بے مثل شعر سے بڑھا کر مومن کے انداز بیان کو میر سے ملا دیتی ہے۔

مومن بڑی مشکل پڑی کیا چارہ دردِ نہاں کیجے
کہیں تو کیا کہیں دس بے کیوں کر دلوں

غالب

ہمارے ذہن میں اس فکر کا بے نام صال
کہ گرنہ تو کہاں جائیں ہو تو کیوں نہ ہو

غالب کا خیال ہے کہ اب ہماری قوت مدد کرنے پر بات طے کر لی ہے کہ دصال دراصل کوئی چیز نہیں بلکہ وصال نام ہے اس فکر کا کہ ”گرہنہ“ الخ مومن کہتے ہیں کہ عجیب مشکل میں پڑے ہوئے ہیں اور ہمارا عجیب درد ہے جب سوچتے ہیں کہ اس کا علاج کریں تو درد بیان نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر اظہار درد کے دوا ممکن نہیں۔ خیال قریب قریب الجھن اور کاوش کی وجہ سے مشترک ہے مگر غالب کے یہاں شعریت اور تغزل زیادہ ہے اور مومن کے یہاں بخلاف ان کے طرز کے منطقیات زیادہ ہو گئی ہے۔

مومن پتھر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے

غالب

قید حیات و بند غم اصل میں ”ذول ایک ہیں“
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پاگیوں

مومن اپنے عاشقانہ انداز میں کہتے ہیں کہ ناصح تو نے یہ سمجھا ہے کہ اگر میں بند غم سے آزاد ہو جاؤں تو زندگی بہ آرام گزرے گی حالانکہ تیرا یہ خیال ہے کہ یہ بند غم ہی دراصل قید حیات ہے اس کے بغیر کسی اسیر محبت کی زندگی ہو ہی نہیں سکتی۔ ایسا ہی ایک یہ شعر بھی ہے۔

مومن درد ہے جان کے عوض ہر رگ دپے میں ساری

چارہ گرہم نہیں ہونے کے جو دریاں ہو گا

مومن نے شعر مذکور کو وارہ عشق و محبت میں رکھا ہے اور غالب نے اپنی طرز کے موافق اس میں منطقی استدلال کی صورت پیدا کر دی ہے بلحاظ تغزل کے مومن کے شعر کو ترجیح دیجاسکے تو شاید صحیح ہو ورنہ بات بالکل ایک ہے اور ایک دوسرے سے کم نہیں۔

مومن بدنامیوں کے ڈر سے غبت نہ چلے کریں
ہوں تیرہ روز میری سحر بھی تو رات ہے

غالب

جیسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا
وہ شخص دن نہ کورات کو تو کیوں نہ ہو

دہی فرق ہے مومن صرف اپنی تیرہ روزی کو سبب قرار دیکر دن کورات کہتا ہے اور غالب اس کلیہ کو عام کر دیتا ہے اور دہی شان منطقی جوان کا خاصہ ہے اس میں پیدا کر کے قریب قریب ایک علمی مسئلہ کو عشقیہ شعر کی برابر بنا دیتا ہے۔ مومن کے یہاں یہ بات یاد ہے کہ تم کیوں جاتے ہو میرے یہاں دن اور رات یکساں ہیں۔ مگر غور سے دیکھئے تو یہاں سوال پیدا ہو جائے گا کہ عاشق کی تیرہ روزی صرف فراق سے ہوتی ہے گراب تو عشق موجود ہے۔ پھر اب دل کیوں نہ تیرہ ہو سکتا ہے۔ اور سحر رات کی طرح کیوں نہ ”تار یک ٹھہر سکتی ہے۔“

مومن
کر کے زخمی مجھے نادم ہوں ممکن ہی نہیں
گردہ ہوں گے بھی تو یہ وقت پشیمان ہو گئے
کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
غالب
ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا
اشتراک خیال معشوق کی پشیمانی میں ہے۔ مگر غالب کے یہاں انداز بیان مومن سے بہتر ہے اگرچہ مومن کے یہاں بھی بندش
وغیرہ نہایت چرت ہے مگر۔ ۶
ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا
غالب کو مومن کے درجہ سے ہٹا کر حافظ کے مقابل پر پہنچا دیتا ہے۔
حافظ
آفریں بر دل زم تو کہ از بہر تو اب
کشتہ عمر زہ خود را بنساز آید ہ

مومن
اب تو مرجانا بھی شکل ہے ترے بیار کو
ضعف کے باعث کہاں دینا اٹھا جائے ہے
غالب
در کشاکش ضعفم نگسلد رواں از تن
اینکہ من نمی میرم ہلم زنا تو اتنی ہاست
دونوں خیال بالکل یکساں ہیں اور سوائے زبان کے اور کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ البتہ مومن نے وہی قید عشق اور غالب نے
عمومیت پیدا کر دی ہے جس سے کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہو گیا ہے مگر درجہ امتیاز نہیں پیدا ہو سکتا۔
مومن
کیا کیجئے کہ طاقت نظارہ ہی نہیں
جتنے وہ بے حجاب ہیں ہم شرمسار ہیں
غالب
جب وہ جمال دلفروز صورت ہر نیم روز
آپ ہی ہونے لگا سوزیرہ میں نہ چھپا کیوں
اشتراک صرف اس خیال میں ہے کہ کوئی اس کو بے حجاب نہیں دیکھ سکتا۔ غالب کے یہاں وہی استدلال منطقی ہے مگر مومن
کے یہاں کیا کیجئے اور۔ ۶
وہ جتنے بے حجاب ہیں ہم شرمسار ہیں
دونوں ٹکڑے نہایت ہی عجیب و غریب ہیں جن سے عشق کی محرومی مترشح ہوتی ہے اور اسی کی بنا پر اس شعر کو غالب کے شعر سے راجح
قرار دیا جاسکتا ہے۔ غالب کا ایک شعر اور بھی قریب قریب اسی مضمون کا ہے
غالب
نظارہ نے بھی کام کیا داں نقاب کا
ستی سے ہر نگہ ترے رنج پر بکھر گئی

مومن
جان دیدن اُس آفت جان سے محالہ
بس کبتاک انتظار تقاضا دل کروں
غالب
دل اُسکو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے
بیس نارغ کہاں حسن کے تقاضا کا
جان یا دل قبل تقاضا دینے کی وجہ سے دونوں خیال مشترک ہیں۔ غالب کے یہاں بر بنائے وضع خود داری تقاضائے حسن کو
کر دہ بچھا ہے اور مومن کے یہاں جان دینا اس وجہ سے ہے کہ حسن آفت جان ہے وہ خواہ مخواہ ایک نہ ایک وقت میں جان لیکر
بھڑے گا۔ فرق دونوں خیالوں میں صرف اسی سبب کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ مومن کے یہاں صفائی ہے۔ بس کے لفظ نے حد
انتظار قائم کر کے اور بھی ایک زور پیدا کر دیا ہے۔ غالب کے اس شعر پر علی حیدر صاحب نظم طلبا طبائی نے اعتراض کیا ہے کہ کچھ
تقاضا کے تقاضے چاہئے، مگر یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ ہر چند کہ زبان پر (ے) کے ساتھ ہے۔ مگر یوں بھی غلط نہیں ہے بلکہ
صحیح اسی طرح ہے۔ میر عنون دہلوی استاد اکبر شافعی کہتے ہیں
میر عنون
الہی وہ جو وعدہ ہیں وفا کس طرح بڑینگے
نہ داں خواہ یاد آنے کی نہیاں شو تقاضا کا

مومن منظور جو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
 غالب رنج سے خوگر ہواں تو مٹاتا ہر رنج
 اتنا رہا ہوں دور کہ بحر کا غم نہیں
 مشکلیں اتنی پڑیں پھر کہ آساں نہیں
 اشتراک خیال اس بات میں ہے کہ خوگر رنج ہونے پر رنج رنج نہیں رہتا۔ مومن کہتا ہے کہ اب میں جدا رہتے رہتے جدائی کا خوگر ہو گیا اور اسی وجہ سے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ لہذا اگر مجھے اب بھی تکلیف دینا چاہتے ہو تو یوں تکلیف دو کہ مجھ سے ملو تا کہ میں خوگر وہ ہوں اس نئی صورت سے تکلیف پاؤں اور غالب صرف ایک فلسفیانہ مسئلہ بتا دیتے ہیں اور کچھ نہیں کہتے۔ چونکہ مومن کے یہاں یہ مسئلہ بھی ہے مضمون آفرینی بھی ہے اور پھر حدود و قیاس سے باہر نہیں اس لئے ان شعر کو ترجیح دی جائے گی۔

مومن کس پر مرتے ہو آپ پوچھتے ہیں
 مجھے فکر جو اب نے مارا
 پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
 کوئی بتلائے کہ ہم بتلا میں کیا

مشتوق کے نچاہلی عارفانہ کے لحاظ سے دونوں خیالوں میں اشتراک ہے مگر غالب کے یہاں نہایت عمدہ طریقہ سے یہ مفہوم ادا کیا گیا ہے جو مومن اور نعت خان عالی دونوں سے زیادہ ہے۔

ز مردم یار می پرسد کہ عالی کیت طالع میں
 کہ عمرم در محبت رفت و کار آخر رسید اینجا

مومن جب ہو گیا یقین کہ نہیں طاقت وصال
 دم میں ہمارے وہ تم ایجا د آگیا
 کہتے ہیں جب مجھے نہ رہی طاقت سخن
 جانوں کسی کا حال میں کیونکر کہے بغیر

مشتوق کی ایک عیارانہ چال اور ایک التفات بیکار کے لحاظ سے دونوں خیال ایک ہیں مگر مومن کے بیان میں ایک قسم کی رکاکت ہے اور غالب کے ہاں حسی بندش کے ساتھ خیال میں ایک قسم کی پختگی ہے۔ پھر بھی مومن کا شعر غالب کے شعر سے میرے نزدیک کم نہیں۔ بلکہ اس مصرع کی بلاغت ۶ جب ہو گیا یقین کہ نہیں طاقت وصال پر پورا پورا غور کیا جائے تو اس کو بہتر بھی کہا جاسکتا ہے۔

مومن وقت جوش بھر گریہ میں جو گرم نالہ تھا
 حلقہ گرداب ہر اک شعلہ بوالہ تھا
 غالب شب کہ برق سوز دل سے زہرہ ابراب تھا
 شعلہ بوالہ ہر اک حلقہ گرداب تھا

میں نے عجز کے باوجود بھی اس فرق کو دریافت نہیں کیا جو ان دونوں شعروں میں ہے۔
 مومن رشک پیغام ہے غناں کش دل
 نامہ بر راہ بر نہ ہو جائے

غالب ہولے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ
 یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا

اشتراک خیال و رنگ کی وجہ سے ہے۔ مگر مومن کا انداز بیان کہ ”نامہ بردارہ بر نہ ہو جائے“۔ عجیب و غریب ہے۔ پہلے مصرع میں جو ترکیب صرف کی ہے وہی مفید معنی ہے۔ اور ہر لحاظ سے شعر کو غالب کے شعر پر غالب رکھتی ہے۔

صبح فرقت ہے وہ نہ شام وصال

ہائے کیا ہو گیا زمانے کو

وہ فراق اور وہ وصال کہاں

وہ شب دروڑ ماہ و سال کہاں

خیالات صاف صاف ہیں مگر مومن کا دردناک انداز بیان اتنا زبردست ہے کہ کسی حیثیت سے غالب کا شعراؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

عید الباری اسی

مطبوعات نگار ایک کنسی لکھنؤ

نگارستان

حضرت نیاز کے بہترین ادبی مقالات اور افانوں کا مجموعہ نگارستان نے ملک میں جو درجہ قبول حاصل کیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے متعدد مضامین غیر زبانوں میں منتقل کئے گئے۔ اس اڈیشن میں متعدد افانے اور ادبی مقالات ایسے اضافہ کئے گئے ہیں جو پچھلے اڈیشنوں میں نہ تھے اس لئے ضخامت بھی زیادہ ہے۔

قیمت چار روپیہ (للد) علاوہ محمول

شہاب کی سرگزشت

حضرت نیاز کا وہ حدیم الذیظرافانہ جو اردو زبان میں بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اصول پر لکھا گیا ہے۔ اس کی زبان و تخیل، اس کی نزاکت بیان، اس کی بلند می مضمون اور اس کی انثار عالیہ سحر حلال کے درجہ تک پہنچتی ہے۔ قیمت دو روپیہ علاوہ محمول۔

من ویرداں

حصہ اول

مولانا نیاز فچوری کی چالیس سالہ دور تصنیف و صحافت کا ایک غیر فانی کارنامہ جس میں اسلام کے صحیح مفہوم کو پیش کر کے تمام نوع انسانی کو ”انسانیت کبریٰ“ و اخوت عامہ کے ایک رشتہ سے وابستہ ہونے کی دعوت دی گئی ہے اور جس میں مذاہب کی تخلیق، دینی عقائد، رسالت کے مفہوم اور صحائف مقدسہ کی حقیقت پر تاریخی علمی، اخلاقی، اور نفسیاتی نقطہ نظر سے نہایت بلند انشاء اور پر زور خطیبانہ انداز میں بحث کی گئی ہے۔

صفحہ ۶۷۲، صفحات، مجلد گرد پوش رنگین قیمت نو روپیہ علاوہ محمول اک

خاورستان

انسریمابی، احمد نگر کی نظموں کا مجموعہ

قیمت پانچ روپیہ آٹھ آنے علاوہ محمول

انتخاب کلام مومن

غزلیات

بور کا شکوہ نہ کروں ظلم ہے راند میرا صبر نے افشا کیا
رحم فلک اور میرے حال پر تو لے کر مے اے ستم آرا کیا
سچ ہی ہے آپکا پیساں دے مرگ نے کب وعدہ فرما کیا
دشمن مومن ہی رہے بت سدا مجھ سے مرے نام نے یہ کیا کیا

موسے نہ عشق میں جب تک، وہ مہرباں نہ ہوا
بلائے جاں ہے وہ دل جو بلائے جاں نہ ہوا
خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب
ہر ارشاد کہ اس دم وہ بدگساں نہ ہوا
ہنسے نہ غیر مجھے بزم سے اٹھانے پر
سبک ہے وہ کہ تری طبع پر گراں نہ ہوا
وہ آئے بہر عیادت تو تھا میں شادی مرگ
کسی سے چارہ سبدا آسماں نہ ہوا
لگی نہیں ہے یہ چپ لذت ستم سے میں
حریف کشمکش نالہ و فغاں نہ ہوا
امید وعدہ دیدار حشر پر مومن
تو بے مزہ تھا کہ حسرت کش بتاں نہ ہوا

سب تابہ فتنہ چونک پڑے تیرے عہد میں
اک میرا بخت تھا کہ وہ بیدار کم ہوا
کچھ تفس اور میں ہی نہیں سب کے سب
اچھا تو درد عشق کا بیسماں کم ہوا
ذکر بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی
کچھ اب تو کفر مومن دیندار کم ہوا

غصبت تیرے دوتا ہوں رضا کی تیری تو فتنے
عنایت کر مجھے آشوب کا و حشر غم اک دل
نہیں تیرا دوزخ سے میں شوق جنت کا
کہ جبکا ہر نفس ہم نغمہ ہوشیاریات کا

اس کو بچے کی ہوا تھی کہ میری ہی تھی
اس نقش پا کے سجھنے کیا کیا کیا دلیں
کوئی تو دلی آگ پکھار چھل گیا
میں کوچہ رقیب میں بھی سر کیل گیا
بتخانے سے نہ کبہ کی تکلیف دے مجھے
مومن بس اب جان کیا یاں جی پہل گیا

نہ جاؤنگا کبھی جنت میں، میں جاؤنگا
یہ ہوش یا اس تو دیکھو کہ پڑ قتل کو قوت
اگر نہ ہو گا نقشہ تھکا گھر کا سا
دعا وصل نہ کی وقت تھا اثر کا سا

گردہاں بھی خوشی اتر افناں ہوگا
لے سے بد خو کا گرم بھی ستم جاں ہوگا
حشر میں کون سر حال کا پیساں ہوگا
میں تو میں تیر بھی لے کے پشیاں ہوگا
خوابش مرگ ہو آسانہ ستانا دور نہ
دلیں پھر تیرے سوا اور بھی رانا ہوگا

آخر امید ہی چارہ حرام ہوگا
در دہے جاں کے عوض ہر گدیہ پائی
مرگ کی آس یہ جینا شیبہ حرام ہوگا
چارہ گرم نہیں ہو نیلے جو دریاں کا
کیا سنا تے ہو کہ ہجر میں جینا شکل
تم سے بے رحم پر مرنے سے تو آسان ہوگا
کیونکہ امید و فغاں سے ہوتی دل کو
فکر یہ ہو کہ وعدہ سے پشیاں ہوگا
دوستی اس صنیم آفت یہاں سے کرے
مومن ایسا بھی کوئی دشمن ایساں ہوگا

دیدہ حیراں نے تماشا کیا
آنکھ نہ لگنے سے سب جا بجا
دیر تک دہ مجھے دیکھا کیا
آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا
غیر عیادت سے رانستے
قل کیا آن کے اچھا کیا
نہ لگی ہجر بھی اک شوق تھی
مرگ نے کیا کار بجا کیا

میں دہم سے مرتا ہوں وہاں رعب کے اس کے
قاصد کی زبان سے نہیں پیغام نکلتا
حوریں نہیں مومن کے نصیبوں میں جو ہوتیں
بت خانے ہی سے کیوں یہ بد انجام نکلتا

دھل کی شباب سے میں ہو گیا جاگنا جہاں کا بلا ہو گیا
آئینہ جلدی سے ٹپک دو آپس دل ہی نہیں ہاتھ سے دیکھ گیا
صبر نہیں شام فراق آچکے جس سے کہ سزار تھے تم سو گیا
ہائے صنم ہائے صنم بے پیہ کیوں خیر مومن نہیں کیا ہو گیا

ڈرتو مجھے کس کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
پر حال یہ افتاب ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
مفت بلوچہ یکس در اسطے چپ لگ گئی ظالم
بس کیا کہوں میں کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
اے چارہ گرد قابل درماں نہیں یہ درد
ور نہ مجھے سودا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
ہر وقت ہے دشنام ہر ایک بات پر طعنہ
پھر اس پہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کچھ سن کے جو میں چپ ہوں تو تم کہتے ہو لو
بھو تو یہ سچوڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
مومن بخدا سحر بیا نی کا جی بھی تکی
ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

تیرے پرے نے کی یہ پردہ دری ترے چھپے ہی کچھ چھپا نہ رہا
غم مرا کس لئے کہ دنیا میں نہ رہا میں مرافقا نہ رہا
مدعا غیر سے کہا تا وہ مجھے اب کچھ بھی مدعا نہ رہا

دل لگانے کے تو اٹھائے ترے جی بلا سے رہا نہ رہا
تو فلک مرگ مرہم سے سب غافل اب کسی کا بھی آسرا نہ رہا
دل لگانے کے تو اٹھائے ترے جی بلا سے رہا نہ رہا

بسکہ اک پردہ نشیں سے دل بجا لگا جو طیبوں کو چھپاتے ہیں آزار لگا
کوہ سے جانب تجا نہ پھر آیا مومن کیا کرے جی نہ کسی طرح سے زہار لگا

شب غم فرقت میں یا کیا مژد کھلے تھا دم رکے تھا سینے میں کجی جی گھر اٹھا
یا تو دم دیتا تھا وہ یا نامہ بر ہکا تھا فقر غلط پیغام سار کوں یا تاک اٹھا
بات شکوہ اسکی مع بیقراری پر بڑھی ہمتو مجھے اور کچھ وہ اور کچھ مجھے اٹھا
نازد و شوخی دیکھنا دنت نظم دمدم مجھے وہ عذر بھرا کر تھا اور ہنسی اٹھا

ہو گئی دور روز کی الفت میں کما صحت بھی مومن وحشی کو دیکھا اس طرف سے جائے تھا

عبث الفت بڑھی تم کو وہ کب دیتا تھا دم تپیر
یہ جھکو دیکھ کر دشمن کیلجا مقام بیتا تھا
سحر تک شام سے تجھ بن ہی حالت رکھی لے
نہ جھکو چین دیتا تھا نہ آپ آرام لیتا تھا
نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سننا میں تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات میں نا صحت تمہارا نام لیتا تھا
اگر مومن ہی ہو مومن دے میں تو نہ مانو نگا
جو عہد دوستی وہ دشمن اسلام لیتا تھا

میرے کو پچے میں عدد مضطر نہ ناشاد رہا
شب خدا جانے کہاں وہ ستم ایجاد رہا
نقد جاں تھا نہ سرائے بیت عاشق حیف
خون فرہاد سرگردن فرہاد رہا
بیکسی نے نہ دیا ہائے نہ خاک بھی چین
تا قیامت الم گر یہ جہلا رہا
لذت جو سے دم لینے کی فرصت نہ رہی
کیا اثر منتظر دعوت فرہاد رہا
یاد سہوا سے اے غیرے لیاں عدا
یاد رکھ بھول گیا جس کو دی یاد رہا

گرہ خاک ہے گردش میں تپش سے میری
میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں بھی زاد رہا
میں نے تم کو دل دیا تم نے مجھے رسوا کیا
میں نے تم سے کیا کیا اور تم نے مجھ سے کیا کیا
روز کہتا تھا کہیں مڑنا نہیں ہم مر گئے
اب تو خوش ہو بیوفا سترای لے کہنا کیا
دلبروں میں بیوفا میری وفا کی دھوم ہے
بواہوس سے کیوں کہا تھا راز جو فنا کیا
کیا نخل ہوں اب علاج بفراری کیا کروں
دہر دیا ہاتھ اسنے دل پر تو بھی لڑھکایا
عرض ایماں سے خدا اس غار گردیں کی بری
تجھ سے اے مومن خدا تجھے یہ تو نے کیا کیا
کسی کا ہوا آج کل تھا کسی کا
کیا تھے قتل جہاں اک نظر میں
دم الحذر اور عشق بتاں سے
دل کو قلع ہے ترک محبت کے بھی
وعدہ و صلت سے دل تھکا دیا
کچھ نقص میں ان دنوں لگتا ہے جی
میں اسیر اس کے جوہر اپنا اسیر
نشہ الفت میں بھولے یاد کو
جب مجھے رنج دل آزاری نہو
کیا کروں اللہ سب سے بے اثر
ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
گرہائے خون عاشق ہو حال
بتکہ جنت ہے چلے لے ہم اس
یہ عذرا امتحاں جذب دل کیسا نکلا یا
میں الزام اس کو دیتا تھا قصو اپنا نکلا یا
خندنگ یار کے ہمراہ نکلی جان سینے سے
یہی ارماں اک مدت سے جی میں تھا نکلا یا
روز جزا جو قاتل دلجو تھا تھا
پھر سے شام وعدہ ہتکے یہ کہہ رہے
آرام شکوہ ستم اضطراب تھا

کیا کیا شکن دے ہیں لزار کو گر
عاشق ہو ہیں آپ کبھی گواہی ہیں
وقت و داس بے سبب آلودہ کیوں ہو
ہوں کیوں نہ جو حیرت نیرنگائے عشق
کیا جی لگا ہے تذکرہ یار میں عبث
مجھ کو تیرے عتاب نے مارا
کس پر مرتے ہو آپ پوچھتے ہیں
زافوئے بت پہ جان دی کھیا
بندگی کام آ رہی آخر
نازیجا سے سوا شرم کے حاصل نہوا
کیا گلے جوئے اگر اردوں پہ حم آجنا
خون چھپانے کو مری لاش دکھتا ہو دغا
جواب خون ناحق میرا ایسا کیا دیا تو نے
کہ ظالم رہ گئے منہ لیکے سب احباب اپنا سا
کیا مرتے دم کے لطف میں پنہاں ستم نہ تھا
وہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں مہ نہ تھا
درباں کو آنے دینے یہ سیر نہ تھے قتل
صبح سے تعریف ہے صبر سکون غیر کی
کس نے شب مجھ کو ترپتے پیش در دکھلایا
موت کے صدمے کہ وہ آئے ہیں میری لاش پر
جو نہ دیکھا تھا تاشا عمر بھر دکھلا دیا
نبردوں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غم نہ غماز دیکھنا
اڑتے ہی رنگ رنج سرانظر دل تھا نہاں
اس مرغ پر شکستہ کی پرواز دیکھنا
دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا
دیکھ اپنا حال لرا منجم ہوا رقیب
کھاساز گار طالع ناساز دیکھنا
میری نگاہ خیرہ دکھاتے ہیں غیر کو
بے طاقتی پہ سہزنش ناز دیکھنا

اس کے خیال میں ورق انتخاب تھا
شب حال غیر مجھ سے زیادہ خراب تھا
یوں بھی تو سحر میں مجھے رنج و غنا تھا
جو دلیں شعلہ تھا وہی آنکھوں میں آقا
ناصح سے بھلا آج ملک اجتناب تھا
یامرے اضطراب نے مارا
مجھے فکر جواب نے مارا
مومن انجام و اختتام مرا
میں نہ کہتا تھا کیوں سلام مرا
غیر یہ ظلم کئے میرے مقابل نہوا
شکر صد شکر کہ میرا ساقی ادا نہوا
خون چھپانے کو مری لاش دکھتا ہو دغا
جواب خون ناحق میرا ایسا کیا دیا تو نے
کہ ظالم رہ گئے منہ لیکے سب احباب اپنا سا
کیا مرتے دم کے لطف میں پنہاں ستم نہ تھا
وہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں مہ نہ تھا
درباں کو آنے دینے یہ سیر نہ تھے قتل
صبح سے تعریف ہے صبر سکون غیر کی
کس نے شب مجھ کو ترپتے پیش در دکھلایا
موت کے صدمے کہ وہ آئے ہیں میری لاش پر
جو نہ دیکھا تھا تاشا عمر بھر دکھلا دیا
نبردوں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غم نہ غماز دیکھنا
اڑتے ہی رنگ رنج سرانظر دل تھا نہاں
اس مرغ پر شکستہ کی پرواز دیکھنا
دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا
دیکھ اپنا حال لرا منجم ہوا رقیب
کھاساز گار طالع ناساز دیکھنا
میری نگاہ خیرہ دکھاتے ہیں غیر کو
بے طاقتی پہ سہزنش ناز دیکھنا

بند گو حال لہجہ یاد کر کچھ خبر ہے کام دل جسکو ملایاں بے سوائی ملا
کہ رہا ہر کون کس سے بے شکبانی ملا بھگت سے نصحت کبھی سوائی ملا
جوں بھگت گل جنبش ہے دم کا گل جانا
اے باد صبا میری کر دھڑ تو بدل جانا
دم لینے کی طاقت ہے بیمار محبت ہے
اتنا بھی غنیمت ہے مومن کا سہل جانا
موجھا شمشک الطاف کب ہوا
رحم اس کو میرے حال پر آیا غصہ ہوا
کس دن بھئی اس کے دلیں بخت جو نہیں
سچ ہے کہ تو عدو سے خفا بے سبب ہوا
بجلی گری فغاں سے مری آسمان پر
جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا سواب ہوا
رابطہ بناں دشمن دیں اتمام ہے
ایسا گناہ مہر ت مومن سے کب ہوا
دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہوں کے
نہ ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہو گیا
ہو گیا سنکر نوید وصل شادی مرگ میں
لب تلک یہ زمرہ آیا کہ شیون ہو گیا
مومن دیندار نے کی بت پرستی اختیار
ایک شیخِ دقت تھا سو بھی برہمن ہو گیا
تھے دشت میں ہمراہ مرگے چند
سو آپ ہی پامال کیا قافلہ اپنا
انصاف کے خواہاں بنیاب زہم
تخیں سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا
رازناں زبان اغیار تک پہنچا
کیا ایک بھی ہمارا خطا یا رنگ پہنچا
اللہ ری ناتواںی جہشت حق میں
بالیں سے سر اٹھایا دیوار تک پہنچا
لوٹے تو رحم آتا سو اس کے درو تو
اک قطرہ اشکِ چشمِ غنا تک پہنچا
مفتل سخن میں عاشق نے جان دی
قاصد ترابیان اقرار تک پہنچا
یہ کسی سے ہو کہ ان لطفوں پہ گستاخی نہ ہو
غیر ہم سا کب ہوا ہر چند ہم سا ہو گیا
کیا رشک غیر تھا کہ تحمل نہ ہو کا
میں جان کر حریف تغافل نہ ہو کا
ہجرتاں میں تھک کر مومن تلاش نہ ہو
عم پر حرام خواہ تو کل نہ ہو کا
شوخ کتنا ہے بے حیا جانا
دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا

شعلہ دل کو ناز تابش ہے
اس کے اٹھتے ہی ہم جہاں اٹھتے
پوچھنا حال یا رہے منظور
شکوہ کرتا ہے بے نیازی کا
اس دوست کلام سے جی تنگ آ گیا
کچھ آنکھ بند ہوئے ہی آنکھیں کھل گئیں
آنکھیں جو ڈھونڈھتی تھیں گئے تھے
وہ ہنسے سن کے نالہ لیل کا
دھیان ہے غیر کے تحمل کا
جلوہ افزائی رنج کے لئے سے نوش ہوا
میں کبھی آپ میں آیا تو وہ بیہوش ہوا
آفریں دل میں رہی دشمن کے سب
اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاتون ہوا
تو نے جو تر خدا یاد دلایا مومن
شکوہ ہو رہتاں دل سے فراموش ہوا
برق آہ کو جو میں نے کہا سکر دیا
دل گریوں نے اس کی کجا جلا دیا
فراتے ہیں صال ہے انجام کا عشق
کیا ناصح شفیق نے مزدہ سنا دیا
بیکاری امید سے فرصتِ لندن
وہ کار و بار حسرت و حرمان میں رہا
کرتے ہیں اپنے زخم جگہ کو نہ ہم آپ
کچھ بھی خیال جنبش خرگان نہیں رہا
نا کامیوں کا گاہ گاہ شکر ہے
شوق وصال داندہ ہجران میں رہا
کیا دم نہ کر دے اگر ابرام نہ ہو گا
الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہو گا
نا کامی امید پر صبر کے تو کیا آئے
ہر بات میں کہتے ہو کہ یہ کام نہ ہو گا
نہ ہو گئی ہجراں میں تیرے کی بے نیل
لوچین ہے دل کو مجھے آلام نہ ہو گا
وہ سخن رہی اور نہ وہ خوفِ بوسن
کیا شعر کہیں گے اگر الہام نہ ہو گا
آپ کی کوئی بڑھی عزت
میں اگر بزم میں ذلیل ہوا
بیونا کہنے کی شکایت ہے
تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
حب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
حال دل بار کو لکھوں کیونکہ
ماحول سے حب نہیں ہوتا
دامن اس کا جو ہے دراز تو ہو
دست عاشق رسا نہیں ہوتا
چارہ دل سوائے صبر نہیں
سو تمھارے سوا نہیں ہوتا

ناصح ہمارے حال پر کچھ مہرباں ہے اب
چشم غضب سے مشورہ قتل کھل گیا

جوابات دل میں بھی سو نظر عیاں ہے اب

ہے یہ بندہ ہی ہو فاضل
کیوں لہجے ہو جنبش لب سے
ستم آزار ظلم جو روحنا
کے گرجتے تھے کہ غصہ تھا
کس کو دیتے تھے گالیاں لاکھوں
نام عشق بتاں نہ لومومن
سودا تھا بلا ہی خوش پر رات
تارے آنکھیں جھپک رہے تھے
عزیز اور تم بھلے بھلا صاحب
خیر ہے میں نے کیا کہا صاحب
جو کیا سو بھلا کیا صاحب
رات تم کہہ تھے خفا صاحب
کسا شب ذکر خیر تھا صاحب
کہتے ہیں خدا خدا صاحب
بستر پہ بچھائے نشتر رات
تقا بام پر کون جلوہ گرات

حوران بہشتی کو بتوں کا سا نہ پایا

مومن مجھے کیوں نہ موندن ایمان کی شکایت

اظہار شوق شکوہ اثر اس سے تھا عجب
میں ایک سخت جان مومن گردوں پہ لڑ
امید وعدہ بھی تو نہیں دیکھ میں
اس ضعف میں تھی سینہ کا آہن تیرا ملک
اے روز حشر کچھ شب بھراں بھی کہیں
ہرگز نہ دام دھنم سنگدل ہوا
خون رخ رشاک غیر کی بھی تیرا ہوگی
دل میں بولے تیرے ظالم بھلا
ردیا کر نیلے آپ بھی پھر اس طرح
مر جا کہیں تو غم بھراں سے بھو جائے
نئے تاب بھر میں نہ آرام وصل میں
پامال ہم نہ تھے فقط جو طرح سے
بے جلے ناں تیری نہ بجائے چین ہے
ہوں جاں بلب تباں شکر کے ہاتھ

بہم دام محبت سے ادھر چھوٹے ادھر نہ
یہ رخت پر رختہ پہنکے قفس کو
کیا حضرت مومن نہیں تیری کوس ہمار
پروان بھی کی آہ تو جوں طائر پر بند
تو ساقہ کسی کے تھے صیاد نہ کر بند
سنان ہو گھر کس نے کیوں لہجہ دہند
یعنی کہا کرتے ہیں تیرا کہا عجب
تکو خیال ہے تیرے آزار کا عجب
ہم سے وفائے زندگانی ہو عجب
کہتے ہیں اپنی نالے کو ہم نرا عجب
بذام ہو جہاں میں تیری بلا عجب
مومن نہ راز حریف کہ ایماں گیا عجب
اب اور کچھ نکالے آزار کی طرح
رہنا حرم میں مومن مکار کی طرح
اٹکا کہیں جو آپکا دل بھی می طرح
کہتے تو ہیں بھلے کی دیکھنی می طرح
بکشت دلو چین نہیں کسی طرح
آئی ہماری جان یہ آفت کی طرح
کیا کہتے ہیں تو ہے شکل بھی طرح
کیا سب جہاں میں جیتے ہیں تم ہی طرح
پروان بھی کی آہ تو جوں طائر پر بند
تو ساقہ کسی کے تھے صیاد نہ کر بند
سنان ہو گھر کس نے کیوں لہجہ دہند

کیوں سے عرض مضطرب تن
کیا ہوا ہوا اگر وہ بد امتحان اپنا
خاویز میں گلشن کے بو گل آئی تھی
روز کا بگاڑ آخر جان پر بنا دگا
بعد مدت اس کو سے یوں پھر ننگ کر
دشمن بھین لیکالیا ہنشین شب فرقت
صبر بعد آسائش اس قلق پر مشکل تھا
عشق بت میں خود اب تو درخشاں ہیں
دل کی بے وفائی کو ہنر میں نہر
دیکھتے ہیں دن حال جسم جان کیا ہو
دیر دیکھتے ہیں عاشقوں کو مومن
ہم جان فدا کرتے گرد و فدا ہوتا
ایک ایک اس سو دیتی ہر کام اسکے
اس سخت پر گشت سوسنکے در حال
دیوانے کے ہاتھ آیا کب بند تباہ کا
ہم بندگی سے ہوتے نہ کبھی کافر
عدم میں رہتے تو شاد رہتے اسے بھی فکر نہ ہوتا

جو ہم نہ ہوتے تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتا
پیرا ہے مریاں اب ہم کو جس نے خطا پہنچا ہے
کہا کہ گرج یہ حال ہوتا تو دفتر اتنا رقص ہوتا
جو آپ در سے اٹھانے دیتے کہیں نہ کرتا میں جہان سائی
اگرچہ یہ سر فوشت میں تھا تمہاری سر کی قسم ہوتا

ہو مسلمان میں اور در سے درس دعا کو شکے مومن
بنی ہستی دوزخ بلا سے بنی عذاب بھر صہنم ہوتا
اُس زرد گل سے جو بگڑتے
دیراں ہے خانہ جلوه حیرت طراز کا
تھے ہمیں مومن کی خود داری پر کیا کیا اعتماد

کیا خبر تھی یہ کہ یوں جو بتاں ہو جائیگا
قتل عدو میں عذر نزاکت گراں ہے اب
مجھ میں ستم اٹھانے کی طاقت کہاں ہے اب
کہیں رقیب نے تری بے التفاسیاں

کرد یا خاک آپ کو اس بکے در پہائے ہائے
جل گیا جی لاش کو مومن کی جلتا دیکھ کر

غربت میں گل کھلائے ہے کیا کیا دہن کی یاد
جیسے قفس میں مرغ چمن کو چمن کی یاد
تاشکوہ غیر گمانہ کروں مجھ سے کہتے ہیں ۲

کیوں سرگزشت تملو بھی ہے کوہن کی یاد
ایسے ہی روز گریستم تو ہوا ہے
تر کو بھلا رہے گی سپہر کن کی یاد
نہ کیونکر میں مواجاؤں کہ یاد آتا ہے رہ رہ کر

عاشق تو جانتی ہیں ایدل ہی ہی
زخمی کیا عدد کو تو مزاجی ہے
جس کو چہ میں گزرا صبا کا ہو سکے
اے عندلیب اسکے لئے گلستان چھوڑ
ہر چند بے اثر ہے یہ آہ و فغان چھوڑ
قربان جاؤں تیرے مجھے نیم جان چھوڑ
اے عندلیب اسکے لئے گلستان چھوڑ

دہ تیرا مسکرانا کچھ مجھے ہونٹوں میں کہہ کہہ کر
نویدے دل کہ رشک غیر چھوٹے، اُسے ہنسنے
ستم کا کر دیا تو گر خفا و جور سہ سہ کر
لگی بچکی ہے سوزانہ کے تم پر ہے کہ یاد آیا

کسی کا ہاتھ ہر دم باز آواز پہ قد نہ کر
خدا کو ان اپنی راہ لے کئے کو جاسوتی
صنم خانے میں کیا لیو گیا اے گم گشتہ رہ کر
جراح کیا سو چاہتا کیا رنگ دیکھا کیا ہوا

کیوں کھول لی پٹی مرے زخم جگر سے باندھ کر
خون وصال دیکھ کہ آیا عدد کے گھر
سو جھانہ کچھ مجھے شب ہمتا دیکھ کر
توبہ کہاں کہ دورت باطن کا ہوش بھٹا

غش ہو گیا میں رنگ سے نابیکھ کر
ہے ہے تیز عشق ہو اس آج تک نہیں
وہ چھپتے پھرتے ہیں مجھے بیتاب دیکھ کر
مومن یہ تاب کیا کہ تقاضاے جلوہ ہو

کافر ہوا میں دیں کے آداب دیکھ کر
انتیانہ دلہن دلیری میں فرق ہو
تنگو بہاتی ہے خزاں ہکوبہاتی ہو
دشمنی دیکھ کہ نا الفت نہ آجائے کہیں
سب ستم ہائے نہاں نظر نہیں تقویٰ صبح نہ چھو

کیا کہوں میں غش ہوا کیا سوچ کر کیا دیکھ کر
جو نقاب اکھٹی مری آنکھوں پر پردہ ڈر گیا
کچھ نہ سوچھا عالم اس پردہ نشین کا دیکھ کر

ہجرال کا شکوہ لب نلک آیا نہیں ہنوز
لطف وصال غیر نے پایا نہیں ہنوز
یارِ جہاں میں گو مہ خورداد آگیا
یاں ہے اسی بہار پہ فصل خزاں ہنوز
ناصح رقیب ہے بد آموز ترکس

پر میں نے تیرا حال سنایا نہیں ہنوز
یک چند اور کا ہش عزم حشمت التفات
میں یار کی نظر میں سمایا نہیں ہنوز
مومن تو مدتوں سے ہوئے پر بقول درد

دل سے نہیں گیا ہے خیال بتاں ہنوز
چاک سراپردہ سے جھانکے تھے وہ ایک دن
سجدہ محراب در شغل جہیں ہے ہنوز
لیکے دل و عقل دیں پھر پئے غارت عشق

اے اجل آچک کہیں جان جہیں ہے ہنوز
وصل بیتاں کی دعا کرتے ہو شکر خدا
حضرت مومن تمہیں دعویٰ دیں ہے ہنوز
طغیان بحر عشق ہی محل کی آس پاس

ڈوبا جو کوئی آہ کنارے پر آگیا
کیا دعویٰ آہ جب نہ میں ہی کس لئے
کافر کو کون ہم میں مومن بھی ہے تو
میرے مرنے سے بھی وہ خوش ہوا
شکوہ آزار غیر کا جو کر دں

ہیں جمع اقربا مرے قاتل کے آس پاس
کہے کے آس پاس تو میں لے کے آس پاس
جی گیا یوں ہی راگیاں افسوس
ہنس کے کہتا ہے وہ کہاں افسوس

تھا عجب کوئی آدمی مومن
خبر لوری تم کہاں تک ہے
مر گیا کیسی نوجوان انوس
یہ حالت کہ عشق چلا آئے عشق
ہر خیر دے عشق کا اظہار غلط
اس بحث صبح کی تکرار ہے غلط
کرتے ہیں مجھے دھتے الفتہ کیا کریں
کیونکہ کہیں مقولہ اغیار ہے غلط
کرتے ہو راز کی باتیں تم اس طرح
گو یا کہ قول محرم اسرار ہے غلط
میں تو دیوانہ ہوں مومن کا کہ ہے اس شخص کو

اس قدر وحشی مزاجی رکھی اک عالم سے ربط
آتا ہے بکیون تو جلا دیکھتی حم
رہتی ہے شمع آپ کشنگان شمع
یعنی دران شمع ہر اشک اس شمع
دیکھو نہ زندگی ہو لپڑا زبان شمع
پروانے کو چیم ہے مومن زبان شمع
سب گرمی نفس کی ہیں اعضا گراں
لائیں نہ تاج نہ تباں کا فخر عشق

مجلس میں تانہ دیکھ سکوں یار کی طرف
دیکھے ہے مجھ کو دیکھ کے اغیار کی طرف

شام فراق خواب عدم کا ہے انتظار
آنکھیں لگی ہیں دولت بیدار کی طرف

شب ہجر روز وصال کی تری شوخیان نظر نہیں
کہوں کیا تغیر حال دل کبھی سکھ سکے کبھی قلق

کہا جاں بلیوں جو آئے مری زندگی ہو تو یوں کہا
تو سے جینے کی مجھے کیا خوشی تری مری کا بھڑکیا تلق

قہر ہے موت ہے قضا ہے عشق
دھل میں احتمال شادی مرگ
پرج تو یہ ہے بڑی بلا ہے عشق
چارہ گرد درد لا دو ہے عشق

دہ بہت پوچھتے ہیں کیا ہے عشق
باوفا حسن و بیوفا ہے عشق
دشمن آستانا ہے عشق
مر گئے سب ہی کیا بلا ہے عشق

النفات ستم نہا کبتک
ہے ارادہ نباہ کا کبتک
طفہ دست نارسا کبتک
غفلت جرات آزا کبتک

تو مجھے آوازے گا کبتک
غیر ہے بیوفایم تو کہو
جرم معلوم ہے زینحی کا
ہوش میں آؤ مجھ میں جان نہیں

لے شب وصل غیر بھی کاٹی
تو مجھے آوازے گا کبتک

دھواں ٹھٹھا ہے دل سے فتنہ گریہ
داغ جنوں سنگ دریا ہو نصیب
کدھر جاؤں ادھر بانی ادھر آگ
بجھا دی تو نے کیا اسے خیم تراگ
کڑا ہے راندن ہوس تج و تخت دل
ہے پاش پاش سب جگہ رخت بخت دل
مرا عشق ستینہ کا ہے دل
وصل جاناں کہاں سوکھیاں
بلے دوا درد ہو فادہ شوخ
کیا کر دوں کیونکر کروں ناصح رکھا جاناں دل

پیش کیا چلتی ہے اُس سے جسپر آجناں دل
حیرت دیدار بس آئینہ رکھ دے ہاتھ سے

اپنی حالت دیکھ کر ظالم کٹا جاتا ہے دل
چاہتا ہوں میں تو مسجد میں رہوں مومن دے

کیا کروں بت خانے کی جانب کنجا جاناں دل
لو چھوڑ مجھے چلا گیا دل

یہ دشمن جاں تمھیں مبارک
دیتا ہوں ام ایسے فتنہ گریہ

اُس حشم نے کر دیا خراب آہ
مقاور نہ بہت ہی پارسا دل

شب رہے تجھ بن زبیں بے چین بے آرام ہم
صبح تک رویا کئے لے لیکے تیرا نام ہم

گرتے کوچے کو دی کب سے نسبت کیا گناہ
مومن آخر تھے کبھی اسے دشمن اسلام ہم

پاتے تھے چین کب غم دوری سے گھر میں ہم
راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم

اس طرح خاک چھانتے پھر تے نہ دشت دشت
ہوئے جو یا سال کسی رہ گزر میں ہم

نہیں پاتے اثر اپنا یہ غیرت کا اثر دیکھا
کہا کرتے تھے مینابی کو بے تاثیر اکثر ہم

ہوئے تم کیوں خفا تاثیر سے آہ رسا کاب
کیا کرتے تھے یہ تو پہلے بھی تفصیل کثر ہم

ٹھانی مٹی دل میں اب ملیں گے کسی سے ہم

لذت جو کشتی نے مجھے تسرہ کیا
دم نہ لے اسے اتار آہ کہ معلوم ہوا
اہل بادار محبت کا بھی کیا سوچو
ناصح ناداں یہ دانائی نہیں
کس توقع پر امید وصل اب
ہلے ہے چھپرے کو مرے گر سب ہوں کر میں
نہ ملے دوں کسی معشوق اور عاشق کو آپس میں
نہ میں اپنا نہ دل اپنا نہ تم میرے نہ جاں میری
اگر کس کس کا ہو ہوئے ہی گر فریاد یکس میں
دریت خانہ و عشق بتاں در آپ اے مومن
یہ حضرت آگئی اک بار کیا طبع مقدس میں
دبدم رونا ہمیں چاروں طرف تنگنا ہمیں
یا کہیں عاشق ہوئے یا ہو گیا سودا ہمیں
ہر تم صیاد کا کیا التفات آمیز بھتا
بند کرنے کو قفس میں دام سے چھوڑا ہمیں
کیا کہیں کیوں رہ گئے حیران تجھ کو دیکھ کر
آگیا دل یاد آئے آئینہ رو اپنا ہمیں
دست بوسی پر کر دہاں قتل اپنے ہاتھ سے
سیح تو کہتے ہیں قبول انصاف غیر و نکا ہمیں
مومن انکا تو نہ تھا ملنے میں آخر اختیار
یہ شکایت نبی خدا سے ہے تہوں کیا ہمیں
چین آہی نہیں سوتے میں چہلو ہمیں
اضطراب دل غرض جنینہ نگاہ ہمیں
گر ہی شوق شہادت تو مومن چہلو
ٹٹکنی لگائی ہے اتو گو ہوڑائی
کنے اور کو دیکھا کسی آنکھ چھپکی ہے
بزم میں اس کی بیان در دو غم کیوں نہ کر کریں
وہ خفا جس بات سے ہوئے وہ ہم کیوں نہ کر کریں
بچھہ بعد امتحاں بھی جو رکم کیوں نہ کر کریں
وہ ستا میں غنیر کو ایسا ستم کیوں نہ کر کریں
سب کو ہوتا ہے جہاں میں پاس اپنے نام کا

پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم
ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی سے کسی کو ہم
منہ دیکھ دیکھو دتے ہیں کس کیسی سے ہم
صاحب نے اس غلام کو آزاد کر دیا
لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم
کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا
کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی کو ہم
جو پہلے دل ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم
تو اب یہ لوگوں کی باتیں سنانہ کرتے ہم
اگر نہ ہنسنا ہنسنا کسی کا بھاجاتا
تو بات بات پہ یوں رو دیا نہ کرتے ہم
تو اب جو ہم شکوہ نہ ظاہر گناہ رشک
حیراں ہیں آپ اپنی پشیمانیوں میں ہم
مارے خوشی کے مر گئے صبح شب فراق
کتنے سبک ہوئے ہیں گراں جانیوں میں ہم
پیش نظر ہے کس کا رنج آئینہ گداز
روتے ہیں اپنے حال پہ حیرانوں میں ہم
خجر تو نہ توڑ سخت جانی
تو بخت، عدد، اہل فلک دل
ٹھہرو کوئی دم کہ جان ٹھہرے
بتخانہ ہیں ہو جو ترا گھر
شام سے اپنے سولہ روہ اور ہم ان کے کوچ میں
دلولہ ہائے شوق سے کیا کیا پھر میں گھبراؤں
کیا کسی بستے دل میں جگہ کی کوئی ٹھکانا اور ملا
حضرت مومن اب تمہیں کچھ ہم مسجد میں کم پاتے ہیں
کہ ہے اپنے سے اجتناب ہمیں
طعنہ دیتا ہے اضطراب ہمیں
ہے بلا آج بیخ تاب ہمیں
اس شکر نے انتخاب ہمیں
موت نے بھی دیا جواب ہمیں
ہے حرام آگ کا غلاب ہمیں
عشق نے یہ کیا خراب ہمیں
غیر کے واسطے نہ ہو بیتاب
کس کی زلفوں میں بوسیم میں تھی
وہ جفا کش ہیں اسے فلک کہ کیا
اب کوئی کیا کرے علیحہ فوس
اے تب ہر دیکھ مومن میں

ہم بھی تو مومن ہیں دل نہ دھرم کیونکر کریں
 ہے جلوہ ریزہ نور نظر گدراہ میں
 کیا رحم کھا کے غیر نے دی تھی دھڑل
 جانے دے چارہ گزشتہ عہد میں مت بلا
 ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
 مومن کو سچ ہے دولت دنیا و دین نصیب
 تانہ پڑے خلل کہیں آپ کے خواب ناز میں
 ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شب دراز میں
 خسرو و عیش وصل یار کو کہن اور جاگنی
 اپنا جگر تو خون ہو عشق کے امتیاز میں
 کیا سمجھی سینے جل چکے کیا سمجھی دل بگمل چکر
 بولے کیا اب نہیں آہ جگر گداز میں
 جیب درست لائق لطف و کرم نہیں
 ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں
 منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
 آنا رہا ہوں دور کہ حیراں کا غم نہیں
 فریاد ناہسے عزا بار پر اٹھیں
 آیا ہے رحم کب کہ ذرا بچھین م نہیں
 بے التفاتیوں جو وعدے سنی نہ تھیں
 ہم جانتے تھے وصل میں رنج دلم نہیں
 بے جرم پا سمال عدو کو کیا، کیا
 مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں
 ہوں اب اب اُف ری نگہ ہائے گرم گرم
 اُس مہر و شش کے سامنے آنکھیں نہیں
 نام وصال لینے سے ہوتا ہے مضطرب
 کیونکہ کہوں اُسے مرے مرنے کا غم نہیں
 ناصح کہاں تلک تری باتیں اٹھا سکوں
 سچ ہے کہ مجھ میں طاقت جو رستم نہیں
 دن بھی دراز رات بھی، کیوں ہر فراق یار میں
 کاہے سے فرق آگیا گرد شش و زگار میں
 پوچھا ہے اُس نے کیا مری بنو دی و قلق کا حال

ہوش نہیں حواس میں تاب نہیں قرار میں
 مرگ ہے انتہائے عشق یہاں رہی ابتداء عشق
 زندگی اپنی ہو گئی بخشش بار بار میں
 خاک اڑائی گل نے یہ کس کے خونِ عشق میں
 آئی ہے کچھ انی ہوئی باد صبا غبار میں
 دھیان میں مومن آگئی بحثِ جبر اختیار
 قابو لے یار میں ہیں ہم وہ نہیں اختیار میں
 مانے نہ مانے منع پیش ہائے دل کروں
 میں غیر تو نہیں کہ تماشائے دل کروں
 ہو جاؤں جا کے کچھ تو مادائے دل کروں
 کب تک میں دل پہ ہاتھ دھرمائے دل کروں
 نالہ ہی نکلتے ہے گو ہم مدعا کہنے کو ہیں
 لب نہیں کہیں میں اب کیا جانی کیا کہیں کو ہیں
 دوست کر تے میں ملاحت غیر کر تے ہیں
 کیا قیامت ہے بچی کو سب برا کہنے کو ہیں
 شکوہ حرف تلخ کا یا شور بختی کا گلہ
 ہم جو کچھ کہنے کو ہیں سو بزمہ کہنے کو ہیں
 میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن کر دیکھتا ہوں
 ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں
 غیر سے سرگوشیاں کیے پھر ہم بھی کچھ
 آدرش ہائے دل شک آتا کہنے کو ہیں
 تیر جان التماس شوق ہو تیر زناگ
 جو زبان شمع عاشق بے صدا کہنے کو ہیں
 ہو گئے نام نہاں سنتی ہیں مومن بہ قرار
 ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارسا کہنے کو ہیں
 وہ علی الرغم عدو مجھ پہ کرم کرتے ہیں
 ہے ستم لطف کے پردے میں ستم کرتے ہیں
 نیم بسمل میں نہ چھپڑے تبش دل کہ ابھی
 روئے قائل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں
 اے اجل کاش الٹ جائیں شبِ حیراں میں
 وہ دعا کہیں کہ تیری جان کو ہم کرتے ہیں
 کشتہ یار ہوں اس رشک سے ترا ہے جہاں
 وہ بھی کیا ہیں جو مری موت کا غم کرتے ہیں
 ابرو رہ گئی مرنے کی کہ روتے ہیں وہ
 اشک شادی ہی سو گوسخم کو نم کرتے ہیں
 جا کے کہے میں بھی مومن نہ گئی دیر کی یاد
 جائے بیک سدا ہائے صنم کرتے ہیں
 نیز نگ عشق سے نہ ہو غافل ہے ایک ناگ

اس دل کے جانے میں زینجا کے خواب میں
دکھائے آئینہ ہوا درجہ میں جانیں
کو گئے پھر بھی کہ میں تجھ سا پرگان نہیں
جو بار صلح پہ رہا تھے آسمان نہیں
وہ ہمران ہوا تو یہ ہمران نہیں
ترے فراق میں آرام کیا ان نہیں
یہم سمجھ چکے گرتا نہیں فتح جان نہیں
نہ چاہوں روز جزا داد ستم دیکھو
کب آتا ہے میں جب وقت تنہا نہیں
نہ کوں شاد ہو جان فرط کی جان نہیں
کہ اسکو میرے ہوا اور کا جہان نہیں
خدا کا گھر تو یہ تیری اگر مکان نہیں
نکل کے دیر سجد میں جا رہا ہوں

بجراں میں بھی زیست کیوں نہ چاہوں
جان دادہ شوخ بیوہ ہوں
کیا شکوہ بھائے آسمان کا
میں آپ کو دور کھینچتا ہوں
دشمن سے ہے چشم ہربانی
مردم نگاہ آشنا ہوں
خود بینی دیکھو دی میں ہے فرق
میں تم سے زیادہ کم نما ہوں
مجھ رمز شناس سے یہ باتیں

کیا خوب میں غیرتے برا ہوں
اے کاشش عدد کو غیرت آوے
میں منتظر رہا اپنی موت کا ہوں
اس نام کے صدقے جس کی دولت

مومن رہوں اور بتوں کو چاہوں
ہردم رہیں کشمکش دست یار میں
چلوں کے بند کسے گریبان کے تار میں
کیا کہجے کہ طاقت نظارہ ہی نہیں
جتنے وہ بے حجاب میں غم سرا میں
شدیم خراب ہر دو کتاں سینہ چاکہ
نواور بھی تم زدہ روزگار ہیں
کیسے گلے رقیب کے کیا طعن افزا
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہمار ہیں
ناصح سے بھٹکد کیونکہ ہوں پرگانیان
دشمن ہیں جو مرے ترو و دستدار ہیں
آہ فلک فگن ترے غم کو کہاں ہیں
جو فتنہ خیز آئے زمین کاں نہیں
دہ ماجرا جولان شرح و بیان نہیں
کہنا پڑا مجھے ہے الزام پسند گو
صیا دکی نگاہ سوئے آشیان نہیں
ڈرتا ہوں آسمان سے بھٹی کر پڑے
جو کوئی راز داں ہمارا راز داں نہیں
بائیں تری وہ ہوش رہا ہیں کیا کہا
تاہو میں دل نہیں ہی میں نہیں
پیش عدو مجھ کے ذرا حال پوچھنا

کرتے دفا امید و فایہ تمام عمر
اسکو بھی جانتا ہوں خیر وصال خیر
میں اپنی چشم شوق کو الزام خاکوں
اتنے سبک نظر میں فصاع روزگار
میں جانتا ہوں نفس یہ آئے کا مدعا
تائیر صبر میں نہ اثر اضطراب میں
چرخ دوز میں یہ قہر کا غنا نہیں غ
کھولاجو دفتر گلہ اپنا زیاں کیا
اے حشر جلد کرتے دبالا ہمان کو
مومن یہ عالم اس صنم جان فرکا ہ
کہتے ہیں تمکو ہوش نہیں اضطراب میں
چین حسین کو دیکھ کر دل بستہ تر ہوا
رہتے ہیں جمع کو چہ جانان خیاں علم
بدنام میرے گریہ رسوا سے ہو چکے
مطلب کی جستجوئے یہ کیا حال کر دیا
دونوں کا ایک حال ہوئے عابو کاش
کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں
ہے غموں کا وقت نکات ہی رہی
تیری بھانہ ہو تو رہی شب و دن امن
یہم جو دیا ہے صنم پر دم و داع
بہم بیداد و ستم کچھ دل مضطرب نہیں
جیسے میکش کی طرح مختب تا تو آئے
قطع امید سر کاٹنے کو کیا نبت
کیا موثر ہو دعدا اصل صنم کی مومن
مجھکو کیا کام کہ آئینے کی حیرت دیکھوں

دیکھ تو آئینہ اور میں تری صورت دیکھوں
جن سے منظور و فایہ ہو بھلا بھی ان پر
مجھ سے کچھ کام نہیں ہے تو ستائے کیوں ہو
توڑنا جان کا ہو جلے گا دشوار آخسر
چارہ ساز و مری امید بند اتے کیوں ہو
کھل گیا عشق صنم طرز سخن سے مومن

اب چھپاتے ہو عہدِ بات بناتے کیوں ہو
 کیسے مجھ سے بگڑے تم اللہ اکبر رات کو
 ذبح کرتے ہی جو ہوتا پاس خجرات کو
 بزمِ دشمن میں نہ ہو وہ فزہ گر آتی رہی
 ہر فگار کے ساتھ لب پر جان مضطرا تو
 یاد دلا دی تپش نے تیری شوخی وصل کی
 مر گئے ہم دیکھ کر چین ہائے بستر رات کو
 کیا اسی تجھ نے کو فرماتے ہو ظلمت کدہ
 حضرت مومن جہاں جاتے ہو پھپھکرات کو
 آنکھوں سے جیا پکے ہے انداز تو دیکھو
 ہے بوالہوسوں پر بھی ستم ناز تو دیکھو
 چشمک مری دشت پہ ہے کیا حضرت ناصح
 طرزِ نگاہ چشم فوں ساز تو دیکھو
 ار باب ہوس ہار کے بھی جان پہ کھلے
 کم طالبی عاشق جان باز تو دیکھو
 مجلس میں سرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ
 بد نای عشاق کا اعزاز تو دیکھو
 اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیکھ
 شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو
 دیں پاکئی دامن کی گواہی مرے آنسو
 اُس یوسف بیدرد کا اعجاز تو دیکھو
 جنت میں بھی مومن نہ ملایا ہے تہوں سے
 جو راجل تفرقہ پر داز تو دیکھو
 وفا سکھلا رہے گا دل ہمارا
 کہاں سے تپنا رہی اے کاش
 سمجھتا کیونکہ دیوانے کی بائیں
 ہمارا عشق تو کیا مرجائیں تو بھی
 دل مضطر کی بیانی نے مارا
 سن اے مومن یہ ایمان ہی ہمارا
 پر دانہ دار اگر تم تپش ہیں ملن سیم
 مومن نہ توڑ رشتہ زنا برہمن

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 وہی یعنی وعدہ بناہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر وہ کرم تمام کمال
 مجھے سب یاد زرا زرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 وہ نئے گلے وہ شکایتیں و نرے نرے کی حکایتیں
 وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 کبھی بیٹھے سب میں جو برد تو اشاروں ہی میں گفتگو
 وہ بیان شوق کا ہر ملا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 مجھے اتفاق سے گریم تو وفا جتانے کو دمبدم
 گلہ ملا مت اقربا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمھاری جی کو بری لگی
 تو بیان سے پہلے ہی بھولنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 کبھی ہم میں تم میں بھی چاہتی کبھی ہم میں تم میں بھی لڑائی
 کبھی ہم بھی تم تھے آشنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 سنو ذکر ہے کئی سال کا کیا ایک بچے وعدہ تھا
 سو بنا جانے کا تو ذکر کیا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
 میں وہی ہوں مومن تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 باد بہار میں ہے کچھ اور عطر زری
 تم آج کل میں شاید سوئے چن گئے ہو
 ہے کچھ تو بات مومن جو چھائی خوشی
 کس بت کو دید یا دل کیوں بت بنگی ہو
 اے نا صحا ہی گیا وقتہ ایام لو
 ہمو تو کہتے تھے بھلا اب تم تو دل کا تھنا لو
 ذرات فکر جو ہیں رنج اٹھانا کتنا
 میں بھی ذرا آرام دوں تم بھی ذرا آرام لو
 مومن تم اور عشق بتاں اپر رشخہ خیری
 یہ ذکر اور منہ آپ کا صبا خدا کا نام لو
 وہ آئے یا نہ آئے زلیت میری ہونہ ہو لیکن
 ذرا لے چارہ سار و رحمت تدبیر کھینچو
 دکھا دو گناہ تاملیں نہ چھڑو مجھ سے مجھوں کو
 ہلا دوں گا زمین و آسمان زنجیر تو کھینچو
 اعجاز جان ہی ہمارے کلام کو
 زندہ کیا ہے ہمنے میحاکے نام کو
 لکھو سلام عزیز کے خط میں غلام کو
 بند سے کا بس سلام ہے ایسے سلام کو
 اب شور ہے مثال جو دی سب خاتم
 یوں کون جانتا تھا قیامت کے نام کو
 گو آپ کے جواب برابری دیا دے
 تجھے بیان نہ کیجے عدد کے پیام کو

م سفر جہاں سے کروں کیا شب فراق
میں جانتا ہوں چین کہاں توہاں نہ ہو
مومن بہشت و عشق حقیقی تھیں نصیب

ہم کو تو رنج ہو جو غم جادواں نہ ہو
کب تک سیون پارہ پارہ دل کو
تھکا ضعف بھی طاقت آزمائے
اک لحظہ نہیں فرار جی کو
موت آئے بس اسی زندگی کو
اُس آفت جاں کو دل دیا ہے
کیا روؤں میں اپنی سبکی کو
جلوہ اُس بت نے دکھایا تھکو
اے شبِ بحرِ نیرا کالا منہ
اتنی سی بات پر چھپا یا منہ
اس نے پرے سے ہونکا لا منہ
کہ سن گیا ہے طلسم بہار آئینہ
دکھائیں گے انھیں وقتِ خمار آئینہ
اور آپ دیکھتے ہو بار بار آئینہ
اس دل نے ستایا مجھے غارِ کھجور
ترما ہوں ابھی گرے بدن کو زمین پر
جا کر کوئی دیکھو کہیں مومن تو نہیں
لیجئے وفا کہاں تک اس بولیا
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کیساتھ
سہرا بونکت لٹے ہیں داریا کیساتھ
نکلی ہی جان جاتی کھر کھر دعا کیساتھ
یوں روئے زار زار قافلِ عز کیساتھ
کس نے نگاہ گرم سے دیکھا جاکٹا
انہوں جان گئی نفسِ نارسا کیساتھ
رکھا ہے ان سونخ کے بقا کیساتھ
اُس فتنہ گر کو لاگ ہو اس تبرا کیساتھ
اٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس دل کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں عندِ رجھا کے ساتھ
آتی ہے بوئے دانع شبِ تارِ بحر سے

دیکھنا بھی ہنسنے اُس شہر کے امام کو
عذر کچھ چاہئے ستانے کو
ہائے کیا ہو گیا زمانے کو
پھونک کر میرے آئینے کو
سو مرے خاک میں ملانے کو
خوب آیا تھا غنم ٹبانے کو
آسمان نے ستم اٹھانے کو
دست سے نام سنتے تھے مومن کا رنج
ہم سمجھتے ہیں آواز مانے کو
صبحِ عشرت کے وہ نہ تادمِ صال
برق کا ہے آسمان پر دماخ
شکوہ ہے غیر کی کدورت کا
سُنکے دھنکے اسیہ مر گیا جدم
کوئی دن ہم جہاں میں بیٹھے ہیں
صد حیف سینہ سوز فغاں کا گرنہ ہو

یاں جان پر بنے ترے دل پر تر نہ ہو
ایسے سے قدر مہر وفا کی امید کیا
جس کو ہنوز اپنے ستم کی خبر نہ ہو
پائے طلبِ شکستہ نہ کوتاہ دستِ شوق
ہم بھی ستم کریں جو وہ نازک کمر نہ ہو
فریادِ بگیناہ کشی جا بجا کروں
گروہم جاں نشاء می پیغامِ بر نہ ہو
عابدِ فریبِ شوخی و رغبتِ فزا نگاہ
میں کیا کسی سے صبر تجھے دیکھ کر نہ ہو
سودا ہے مجھ کو گرمی بازارِ عشق کا
اس کا کہاں خیال کہ اپنا ضرور نہ ہو
حزن و دلال میں ہے دلِ زندگی کا دم
کیسی بری بنے جو گلہ بے اثر نہ ہو
میں آرزوئے مرگ کی بے التفاتیوں
جینا مرا محال تو دشمن اگر نہ ہو
اب لیجئے آہ تابِ گسل ہر جفا کے ساتھ
جب جان سے گزر گئے پھر درگزر نہ ہو
سوئے سے اٹھکے آئے ہیں یاربِ جاہل نہ ہو
شرمندہ آہِ شب سے دعائے سحر نہ ہو
اعجاز سے زیادہ ہے سحر اس کے ناز کا
آنکھیں کھلے کہہ رہی ہیں جوب سے بیان ہو
کرتی نہ تھیں بگاڑ کی باتیں گلہ میں پائے
کیسی بنے جو دل سے وہ ناہرباں نہ ہو

سینہ بھی چاک ہونہ گیا ہوتا کے ساتھ
تھے وعدے سے پھر آنے کے خوش خیر نفعی

ہے اپنی زندگی کافی اسی بیونا کے ساتھ
الہ ہی گم رہی بت و ثبت خانہ چھوڑ کر

مومن چلا ہے کجہ کو اک پارسا کے ساتھ
گرناد کی سے بارہے دشمن تو ایک نگاہ

ہم نیم سبیلوں کو تڑپتا نہ چھوڑ دیکھ
آئینہ خانہ بن گیا دل تو طمانہ تھا

یعنی اب ایسے جلوہ نما ہیں کر ڈر دیکھ
کھائی ہے قسم یعنی کہ پر ہیز کوں ہے

گرد و رسے بھر جائے طبیعت تو فراب
تو بہ گنہ عشق سے فرما ہے واعظ

یہ بھی کہیں دل دے کے گنہگار ہے
تھا خورشید یار میں کیا آئینہ دیکھوں

معلوم ہے یار و مجھے جو رنگ مرا ہے
مومن نہ بھی بوسے پاسجدہ کریں گے

وہ بت ہی جو اور دکاتا اپنا بھی خدا ہے
خوشی نہو مجھے کیونکر قصا کے آئینی

ہو ایک خلق کا خوں بہ رنگ نعل کے
سکھائی طراز آؤ دہن ٹھاکے آئینی

بکھ کے اوہی کچھ مرجلا میں انصاف
کہا جو تو نہ نہیں جان جا کے آئینی

مجھے یہ ڈر ہے کہ مومن کہیں کہتا
مری تسلی کو روز جزا کے آئینی

میں اگر آپ سے جاؤں تو فراد آ جائے
پھر یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو یا آ جائے

کلفت بھر کو کیا رڈوں ترے سامنے میں
دل جو خالی ہو تو آنکھوں میں غبار آ جائے

خود لدا ہوں کس طرح نہ ہوں دشمن جاں
مجھے جب صبح بیدار کو پیار آ جائے

دیتے ہو تسکین مرے آزار سے
دوستی تم کو نہیں اغیار سے

مجھے وہ چہچہے پھر میں اس کے ہوا
اور حاصل عشق کے آزار سے

کر علاج وحشت دل چارہ گر
لاوے اک جنگل مجھے باز سے

ذکر اشک غیر میں رنگینیاں
بوسے غول فی تری گفتار سے

گرد عاکرتا ہوں مومن صلہ کی
ہے نگاہ لطف دشمن پر تو بندہ جائے ہے

یہ قسم اے بے مروت کس نے دیکھا جائے
سامنے سے جب وہ شونخ دربار آ جائے

مقامتا ہوں پر یہ دل ہاتھوں سے نکلا جائے
حال دل کیونکر کہوں میں کس سے بولا جائے

سر اٹھے پالیں سے کیا کچھ جی ہی بیٹھا جائے
جاں نہ کہا وصل عدو سے ہی پر کیا کر دوں

جب گلہ کرتا ہوں ہمدہ قسم کھا جائے
عجز کے ہمراہ وہ آتا ہے میں حیراں ہوں

کس کے استقبال کو جی تن سے میرا جائے
تاب و طاقت صبر و راحت جاں ایماں قتل ہوں

ہائے کیا کہنے کہ دل کیسا فقہ کیا کیا جائے
خاک میں مل جائے یارب سبکی کی آبرو

غیر میری نعل کے ہمراہ روتا جائے
دیکھئے انجام کیا ہو مومن صورت پرست

شیخ صفایا کی طرح سوئے کلیا جائے
ہوئی تاثیر آہ دہری کی

دہ گئی بات بیقرار سی کی
شکوہ دشمنی کریں کس سے

داں شکایت سے دوستانہ کی
یاس دیکھو کہ غیر سے کہدی

بات اپنی امیداری کی
تاو ک انداز جد ہریدہ جاناں ہوں گے

نیم بسمل کئی ہوں گے کئی بیجاں ہوں گے
تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں

اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے
تو کہاں جا سکی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے

ہم توکل خواب عدم میں تب سحر آجوں گے
ناصحا دل میں تو اتنا تو بچھ اپنے کہ ہم

لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھے بھی ناداں ہونے
کر کے زخمی مجھے نادم ہوں یہ ممکن ہی نہیں

گروہ ہوں گے بھی تو بوقت پشماں ہونے
ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشماں کہ بس

ایک ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہونگے
ہم نکالیں گے سن اے موج ہوا بل تیرا
اس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہونگے
صبر یارب مری دشت کا پریگا کہ نہیں
چارہ فرما بھی کبھی قیدی زنداں ہوں گے
منت حضرت عیسیٰ نہ اٹھائیں گے کبھی
زندگی کے لئے شرمندہ احساں ہونگے؟
چاک پردہ سے غیزے ہنق ادا پر نشیں
ایک میں کیا کہ سمجھی چاک گریباں ہونگے
پھر بہار آئی وہی دشت زور دی ہو گی
بھر دی پاؤں وہی خار نیلماں ہونگے
عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلاں ہونگے
آج اس بزم میں طوفان اٹھا کے اٹھے
یاں تلک دے کہ اُن کو بھی رلا کے اٹھے
گر نہ ہو دل میں خیال نگ خواب آلود
در دیکھا کیا اثر خفتہ جگا کے اٹھے
گو کہ ہم صفحہ ہستی پہ تھے اک حرف غلط
لیک اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اٹھے
ہو عذاب شب یلدا سے رہائی یارب
زلف منہ سے کہیں اس ہر نقا کے اٹھے
اُن رمی گری محبت کہ ترے سچے ختم جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے
میں دکھاتا تھیں تاثیر گر ہاتھ مرے
صنعت کے ہاتھ سے کب قتل دعا کے اٹھے
جی ہی مانند نشان کف پا بیٹھ گیا
پاؤں کیا کوچے سے اُس ہوش با کے اٹھے
شعر مومن کے پڑے بیٹھ کے اُسکے آگے
خواب احوال دل زار سنا کے اٹھے
لازم تھا حذر مجھ سے ناچیز کے نالوں سے
پر تھک کو کہاں غیرت اے بے انری اتنی

لو چھڑے ہے نہمت کو گھمائے شبنیہ کی
اب تم سے بھی چل نکلی باد سحری اتنی
یہ کون کہے اُس سے کی ترک وفا میں نے
کر تو ہی زرا انا صبح پیغامبری اتنی
کیا ہو گئی خود مبنی اب غیر سے چٹکے
یا خوش نگہی وہ کچھ یاد نظری اتنی
کہتا ہے مرے آگے وہ مجھ پہ عدد غش ہی
ہے ہی سری الفت سے ہی بخیری اتنی
سجدہ نہ کہیں کر ناموس قدم بت پر
کعبہ ہی میں ہوتی ہی بیودہ سری اتنی
منتظر کس کے یہ رہتے ہیں کہ ہم ہر شب کو
تا سحر شام سے اٹھ اٹھ کے ہیں گھر میں بھر
جنیش زکس جنت نے دلایا مومن
چشم کافر کے اشارے ہیں نظریں پھرتے
پامال اک نظر میں ثبات قرار ہے
پتھٹ کر کہاں اسیر عبت کی زندگی
ناصح یہ بند علم نہیں قیامت سے
وہ سر جو کل ترے زانو پہ تھا سو آج انا ظالم
کہو کہ متا ہے پتھر پر کھجور ہتاز میں پر ہے
دیا ظالم کو دل جاں غیر کو آرام دشت کو
کسی کا شکوہ کیا کیسے یہ خوبی اپنی ہمت کی
ستم پیشہ ہے بد خو ہے شکر ہے جفا جوہر
کردن کیا کیا شکایت دوستوں سمیر کی
مبارک خفتگان خاک کو تصدیق بیداری
کہ گور تیرہ سے یاد آئی بھکوات فرقت کی
جفا کا شکوہ اب کیوں کیا اچھا کیا اُسے
سزا ہے اے دل ناداں اس الفت اس محبت کی
بھکو مارے حال تغیر نے کہی
بخت پر دانہ سے قربان علم مو یعنی
بھید طوفان اٹھا کے لوگوں نے
کردیا مومن اُس صنم کو خفا
تمہیں تقصیر اُس بت کی کہ میری خطا لگتی

مسلمانوں زرا انصاف سے کہو خدا لگتی
ترپنے لوٹنے رونے کا باعث تجھ پہی کھلتا
ترے دل کو بھی میری سچی اگرانے یوں فالگتی

جب وہ حیرت زدہ پھرے پہ نظر کرتا ہے
آئینہ صد گلہ آئینہ گر کر تابے
کیا کیا دل نے کہ آنکھوں سے کہا انہماں
ایسے عناز کو بھی کوئی خبر کرتا ہے
عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو
کہ شب غم کوئی کس طور لبس کرتا ہے
بخت بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانٹا اٹھتا ہوں
تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے

ذکر کر ٹھیں برائی ہی سے شاید میرا
اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے
اشک شادی نے دم وصل جلایا جھکو
منع نظارہ مرادیدہ تر کرتا ہے
کیا لاتی ہے مجھے فکر خیال دشمن
وصل میں جب وہ ادھر پہ نظر کرتا ہے

فغاں کیا دم بھی لینا پارہ ہائے دل اڑاتا ہے
کہوں کیا درد پہاں کی کلجیا منہ کو آتا ہے
گراں خوابی وہی ہے بخت خوابی کی ای ظالم
مراسد و فغاں کا ہیکو سوتاں کو جگاتا ہے
میں ایسا ہوں کہ دوں گا تجھ کو طعنہ یونانی کا
بگوانا گر نہیں دشمن سے کیوں باتیں بناتا ہے
خیال خواب احسب علاج اس بدگمانی کا

وہ کافر گور میں مومن ہر شانہ ملاتا ہے
صبر حشمت اثر نہ ہو جائے
دیکھو موت دیکھو کہ آئینہ
کثرت سجدہ سے وہ نقش قدم
میرے تغیر رنگ کو مت دیکھ
بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں
ناع ظلم ہے تفاسل پار

غیر سے بے حجاب ملتے ہو
اے دل ہستہ آہ تاب شکن
مومن ایمان قبول دل سے مجھے
شب عاشق سحر نہ ہو جائے
دیکھ ٹکڑے جگر نہ ہو جائے
وہ بت آذر وہ گرنے ہو جائے

جہاں سے شکل کو تیری ترس ترس گزرتے
جو تجھ پہ لب نہ چلا اپنے جی سے بس گزرتے
نہ جاؤں کیونکہ سوئے دام آشیان سبب
خیال حسرت مرغان ہم قفس گزرتے
وفائے غیرت شکر جھانے کام کیا
کہ اب ہوس سے بھی عدائے ہوا ہوں گزرتے
یہ نیم جان و غم ہجر ہے وہی انصاف
جو تیرے دہیان میں مرگ داہن گزرتے

کہاں وہ ربط تباں اب سکو تو مومن
ہزار سال ہوئے سیکڑوں میں گزرتے
نہ انتظار میں یاں نہ ایک لگی
نہ ہائے ہائے تیرے کو شب زبان لگی
جھائے غیر کا شکوہ تھا تیرا کیا ذکر
عبث یہ بات بری تجھ کو بگوان لگی
میں ادرا سکو بلاؤ نگار و وصل ہیں
اجل بھی کرنے محبت کا امتحان لگی
کیا مرے قتل پہ حامی کوئی جلا دھیرے

آہ جب دیکھ کے تجھ سے ستم ایجا بھیرے
کہیں ہو جائے وصال آہ بجا چھوڑوں
ہجر کا دکھ کوئی کب تک دل ناتاد بھیرے
ہوں میں وہ صید جگر خون و اسیری شتاق
جو پسینے بھی ہرم دم صیاد بھیرے
چارہ گراس کی خطا کیا سرتن میں رہا
خون اتنا کہ سر نشتر فصا د بھیرے

کرتا ہے قتل عام وہ اغیار کیلئے
دل عشق تیری نہ کیا جان کینکوں
چلنا تو دیکھنا کہ قیامت بھی قدم
جینا امید وصل پہ ہجر میں پہل تھا
کہاں تاکم بخود ہے نہ ہوں کیجئے نہ ہاں کیجئے
کہاں تاک کھائے غم کب تک قسط فغان کیجئے
عدد کے ہم سے تنگاموں بزم غیر میں ہر سو

نہیں ہر اور کچھ یوں آج چاہیں گے کچھ
کہیں تو کیا کہیں اور بن کے کیونکر دواد ہو کر
بڑی مشکل پڑی کیا چارہ در نہاں کچھ
رکھے سے ہاتھ سینے پر پہلاک بابتا دل ہر
نہ جیتا ہے دے دچارہ آہ نوچکاں کچھ
کچھ آخر حد بھی ہے جو روح جفا و ظلم کی کب تک
نخل در گزر ہر لحظہ ہر دم ہر زباں کچھ
گلاہم کاٹ لیں گے آپ تیغ رشاک سے اپنا
عدو کو قتل کچھ پھر ہمارا امتحاں کچھ
عذاب ایزدی جانکاہ ہر ناباں کی مومن
خدا کے واسطے ذکر ستمائے تباں کچھ
اہل سے خوش ہوں کسی طرح موصال تو ہے
نہ آئے نقش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے
زرا تھم اے دل مضطر کہ فکر وصل کروں
شب قلق نہ ہی خواب خیال تو ہے
کہاں تلک گلہ ہائے قافل تامل
ہم آپ کاٹ لیں خریدہ سربال قبے
جفا سے یار کو سو پنا معاملہ اپنا
اب آگے ہونہ ہو اُمید انفعال قبے
شب فراق میں بھی زندگی یہ مرتا ہوں
کہ گو خوشی نہیں ملنے کی پر ملال تو ہے
جست ترقی فن کی ہوس ہے مومن کو
زیادہ ہوئی گا کیا اس سے بیشال تو ہے
تلی دم واپس ہو چکی
قلق کشتہ سخت جانی ہو پھر
امید اجل آفریں ہو چکی
شب عیش اے حبیبیں ہو چکی
خیال سکا جس سے تلی کروں
وہ طاقت بھی جان خریج ہو چکی
در بدر ناہیہ فرسائی سے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو قہمت کا لکھا ہوتا ہے
ہو کے آزرده پشیاں ہوں کہ جس کی ہوں
وہی اکوے کوئی ایسے سے بھلا ہوتا ہے

ہونہ بقیاب غم ہجرتاں میں مومن
دیکھ دو دن میں بس اب فضل خدا ہے
کیونکر یہ کہیں منت اعدا نہ کریں گے
ہنس نہیں دے مجھے ہی قتل کی باتیں
بیاد جل چارہ کو گر حضرت عیسیٰ
دچار کے گر پڑتے ہی اٹھنے لگوٹوں
ناصح کھانا فوس مل چل تھو کی کلام
گر ذکر دفا سے ہی غصہ ہی تو اب ہے
تو یہ ہے کہ ہم عشق توں کا نہ کریں گے
اے حضرت مومن یہ سلج جو ارشاد
کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے
اس طرح سے کرتے ہیں گویا نہ کریں گے
اچھا بھی کریں گے تو کچھ اچھا نہ کریں گے
اب ٹیچہ کے کونہ میں بھی نہ کرنا کریں گے
پامال کریں گے وہ مجھے پانہ کریں گے
گو قتل کا وعدہ ہو تقاضا نہ کریں گے
وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تقاضا نہ کریں گے
بھولے سے بھی اب ذکر توں کا نہ کریں گے

(ق)

لیکن جو توں ہی نے بھلا آپ کی بات
نہ کٹی ہم سے شب جدائی کی
رشاک دشمن بہانہ قہار ہے
دام عاشق ہے دل دی نہ ستم
گر نہ بگود تو کیا بگڑنا ہے
گھر تو اس ماہ دش کا دور نہ تھا
مر گئے پد ہے بے خبر صیاد
مومن آؤ تمہیں بھی دکھلا دوں
شب تم جو ہر دم عزیز میں آنکھیں چرائے
کھوے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے
پوچھا کسی پہ مرتے ہو اور دم نکل گیا
ہم جان سے عنایا بہ غمان صدا گئے
اے اب اشک آتش عنصر ہے دیکھنا
جی ہی گیا اگر نفس شعلہ زائے گئے
داعظ کے ذکر مہر قیامت کو کیا کہوں
عالم شب وصال کے آنکھوں میں چھائے گئے
تا بندہ دجوان تو بخت رقیب تھے
ہم تیرہ روز کیوں غم ہجراں کو بھائے گئے
اے مومن آپ کب سے بندہ تباں
بارے ہمارے دین میں ہجرت بھی آ گئے

خود رنگی میں چین وہ پایا کہ کیا کہوں
کیا کیا جواب شکوہ میں باتیں ناگیا
یونانی کا عدد کسے ہے گلہ
حیرت حسن سے یہ شکل بنی
اب یہ صورت ہے کہ پے پر نہیں
پھونک دے آتش دل داغ سے
مومن و دیر خدا خیر کرے

دل کھول کے مل لیجے مومن صنموں
دلیں اُس شوق کے پورا نہ کی
کون ایسا کہ اس سے پوچھے کیوں
نقاہت شوق وصل تو نے تو
تاب کم ظرف کو کہاں تم نے
گر یہ و آہ بے اثر دلوں
نقاہت میں اس سے کب ملنا
دیکھ دشمن کو اٹھ گیا بے دید
مومن اس ذہن خطا چریف

غریب جو مجھے پھرتا بہتر وطن ہے
لو اب بھی دل درست اسی لنگر ہے
لطف میں بھی وہ سنتا ہے مجھے
کہ وہ آئینہ دکھاتے ہیں مجھے
تجد سے احباب چھپاتے ہیں مجھے
اسکی غویا دلاتے ہیں مجھے
طور بیڈ مہب نظر آتے ہیں مجھے

پھر دل ہے داغ مطلع خورشید دیکھ کر

از بسکہ یاد جلوہ بالائے بام ہے
اس آہوے رمیدہ کو پھر ڈھونڈھتا ہوں

رم کردہ شوق وصل پھر ایک صید لم ہے
پھر گیا ہے کون سے بیباک کا خیال
یہ کیا ہوا کہ رخصت ناموس و نام ہے
پھر کس نے غیر کو نہ دیا ناز سے جواب

پھر خواہش پیام اجل کا پیام ہے
دیکھا نگاہ ناز سے کس شوق چشم نے
پھر مضطرب نظر کو کہاں نیم گام ہے
پھر کس تم شعار نے پوچھا ہے میرا حال

پھر نا صحوں کو کیوں خطر انتقام ہے
پھر کچھ صدائے پا سے دل مرہ جی اٹھا
پھر جلوہ ریز کون قیامت خرام ہے
پھر دوری بتاں میں نہیں خواب کا خیال

مومن مرے بھی دین میں سونا حرام ہے
مجھے چپ لگی مدعا کہتے کہتے
رکے ہیں وہ کیا جاؤ کیا کہتے کہتے
شب بھر میں کیا جوم ملتا ہے

چلے تم کہاں میں نے تو دم لیا ہے
یوں بنا کر حال دل کہنا نہ تھا
لے گئی جان یاد رونق ہائے وصل
اے صنم مومن ہوں آخر کس طرح
ہم حال کے جانینگے سننے کہ نہ سننے
وہ دُخ کرے ادھر بیان جان و دہو

ایسے سے نبھے یوں یہ سہاڑی گہری

نہ آسمان کا رخ پھر دل جدھر چاہوں

دیبا ہے کیا پیش دل نے اختیار یہ ہے
دہ شام وعدہ جو آئے تو بخود دست

رہا وصال میں بھی وہ ہی انتظار مجھے
نہ وہ بات کہ جس سے دفائیل سے خلل
کہیں نہ کیجیو نا صبح سے شہسار مجھے

بقدر ہوش تڑپنے کو تھا دلے پس قتل
وہ بقیار ہوئے آگیا قرار مجھے

امید مرگ پہ ہر فتنہ راحت جاں ہے
شب فراق میں کیا بیم روز گار مجھے

اگر حساب وفا امتحاں کے بعد نہ ہو
قبول عذر ستم ہائے بے شمار مجھے

رقیب کھائے قسم تو وفا کا آئے یقین
تو میری جان ہے کیا تیرا اعتبار مجھے

پس شکستن خم زجر محتب معقول
گناہ گار نے سمجھا گناہ گار مجھے

نہ کام نہ ور سے نکلا نہ عجز کام آیا
بس اب تو چین دے اے شوق ہرزہ گار مجھے

ہر آن آن دگر کاہوں میں عاشق زاد
وہ سادہ ایسے کہ سمجھے وفا شعار مجھے

تو اب ترک صنم سچ ہی دے مومن
یہ کیا سبب کہ سناتے ہو بار بار مجھے

دعا بلا تھی شب غم سکونِ جاں کے لئے
سخن بہانہ ہوا مرگ ناگماں کے لئے
خلاف وعدہ فردا کی ہمکوتا کہاں
امید مکیشہ ہے یا سچ جاں و دماں کے لئے
سنیں نہ آپ تو ہم بواہوس حال کہیں
کہ سخت چاہئے دل اپنے راز دماں کیلئے
حجاب چرخِ بلا ہے ہوا کرے بقیاب
فناں اثر کے لئے اور اثرِ فغاں کے لئے
ہے اعتماد مرے بختِ خفتہ پر کیا کیا
دگر نہ خواہ اب کہاں چشمِ پاسبان کے لئے
مرہ یہ شکوے میں یا کہ بے مرہ ہوے وہ
میں تلخ کام رہا لذتِ دنیاں کے لئے
مے رقیب ہے وہ جب سنا وصال ہوا
دریغِ جان گئی ایسے بگاں کے لئے
کہاں وہ عیشِ اسیری کہاں ہنِ قفس
ہے بیمِ برقِ بلا و دُعا نیاں کے لئے
جنونِ عشقِ ازل کیوں نہ خاکِ اڑائیں کہ ہم
جہاں میں آئے ہیں دیرِ بی جہاں کے لئے
بھلا ہوا کہ دُعا آزمائے سے مومے
ہمیں بھی دینی بھتی جاں کے امتحان کے لئے
اگر غفلت سے باز آیا جہنم کی
تلاقی کی بھی ظالم نے تو کیا کی
مومے آغازِ الفت میں ہم انوس
اُسے بھی رہ گئی حسرتِ جفا کی
جفا سے تھک گئے تو بھی نہ پوچھا
کہ تو نے کس توقع پر دُعا کی
وہ سوئے بے حجابانہ رہے اور
نگاہِ شوقِ کامِ اپنا کیا کی
کہاں اس بے مروتا ہوں تو مروتا
کہا میں کیا کر دوں مٹنی خدا کی
نہ ربطِ اس سے نہ یاریِ آسمان سے
یہ حالت ہے تو کیا حالِ بہاں سے
خوبِ صلِ آپ کا غنہِ روزِ اکت
مرے گھر آپس جاتے تھے کس دن
وہ آئے ہیں پشیاں لاشِ پر
نہ بولونگا نہ بولونگا کہ میں ہوں
بھابھر عددِ لاؤں کہاں سے
کہوں کچھ اور کچھ نکلے زباں سے
بجلاسے پر نہ مجھ سے نیمِ جاں سے
اٹھانا مدعا ہے آستان سے
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے
زیادہ بگمائی اس بگماں سے

نکل کر کیا کریں ہم آنتیاں سے
بھٹکی ہو گئی خود امتحان سے
ہم ایماں لائے تھے نایتناں سے

نہ بجلی جلوہ فرما ہے نہ صلیا د
ہر انجام ہے آغازِ بد کا
خدا کی بے نیازی ہلے مومن

مکتوبات نیاز

شہاب کی سرگزشت

جذبات بھاشا

فلاسفہ

(تین حصوں میں)	حضرت نیاز کا وہ عظیم نظیر	جناب نیاز نے ایک	اس مجموعہ میں حضرت نیاز	جناب نیاز سے
اڈیشہ نگار کے تمام وہ خطوط جو	افسانہ جو اردو زبان میں	دلچسپ تمہید کے ساتھ بہترین	کے دو علمی مضامین	کا لکھا ہوا افسانہ حسن و عشق
جذبات نگاری، سلاست بیان	بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری	ہندی شاعری کے نمونے	شامل ہیں :-	کی تمام لٹریچر کی کیفیات
رگینی اور البیلے پن کے لحاظ	کے اصول پر لکھا گیا ہے اسکی	پیش کر کے ان کی ایسی	(۱) چند گھنٹے فلاسفہ قدیم	اس کے ایک جملہ میں موجود
سے فن انشائیں بالکل پہلی	زبان و تخیل اس کی نزاکت	تشریح کی ہے کہ دل بیتاب	کی روحوں کے	ہیں یہ افسانہ اپنے پلاٹ
چیزیں اور جن کے سامنے	بیان اس کی بلندی مضمون	ہو جاتا ہے اردو میں یہی	ساتھ	اور انشائے کے لحاظ سے
خطوط غالب بھی پھیکے معلوم ہوتے	اور اس کی انشائے حالیہ سحر	سب سے پہلی کتاب اس	(۲) مآدین کا مذہب	اس قدر بلند چیز ہے کہ دوسری
میں ان اڈیشنوں میں پہلے	حلال کے درجہ تک پہنچتی	موضوع پر لکھی گئی ہے	نہایت مفید و دلچسپ	جگہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی
اڈیشن کی غلطیوں کو دور کیا گیا ہے	یہ اڈیشن نہایت صحیح	جس میں ہندی شاعری	کتاب ہے	تازہ اڈیشن نہایت صحیح و
اور وہ اپنی زندگی کا غر پر عبت	اور خوش خط ہے	کے بے مثل نمونے نظر آتے ہیں	قیمت	خوش خط، سرور قی نگین
ہوتی ہے قیمت ہر حصہ کی	قیمت دو روپے	قیمت بارہ آنے	ایک روپیہ	قیمت بارہ آنے
چار روپیہ علاوہ محصول	علاوہ محصول	علاوہ محصول	علاوہ محصول	علاوہ محصول

فراسیالید

نقاب ٹھہ جانیکے بعد

مذاکرات نیاز

انتقادیات

مذہب

مولفہ نیاز فتحپوری اس کے	نیاز فتحپوری کے تین افسانوں	یعنی حضرت نیاز کی ڈائری	حضرت نیاز کے انتقادی مقالے	حضرت نیاز کا وہ
مطالعہ سے ایک شخص	کا مجموعہ جس میں بتا گیا ہے	جو ادبیات و تنقید عالمیہ کا	کا مجموعہ، فہرست مضامین	محرکہ آثار مقالہ جس میں
انسانی ہاتھ کی شناخت	کہ ہمارے ملک کے ادیان	عجیب غریب ذخیرہ ہے	ایران ہندستان کا اثر جرمن	انہوں نے بتایا ہے کہ
اور اس کی لکیروں کو دیکھ کر	طریقہ علمائے کرام کی	ایک بار اس کو شروع کر دینا	شاعری پر فارسی زبان کی	مذہب کی حقیقت کیسا
اپنے یاد دہانہ شخص کے	اندونی زندگی کیا ہے اور	آخر تک پڑھ لینا ہے	پیدائش پر بخوانہ نظر آرد و	ہے اور دنیا میں کیونکر
مستقبل، سیرت، عروج و	ان کا وجود ہماری معاشرت	بھی جدید اڈیشن جو جس میں	شاعری پر تاریخی تبصرہ آرد و	راج ہوا اس کے مطالعہ
زوال، موت و حیات	و اجتماعی حیات کیلئے کس	صحت اور نفاست کا غر	غزل گوئی کی عہد یہ عہد ترقی	کے بعد انسان خود فیصلہ
صحت و بیماری، شہرت	سم قاتل ہو، زبان پلاٹ	و طباعت کا خاص اہتمام	نقشہ زنگ لنگ (غالب)	کر سکتا ہے کہ مذہب کی
نیک نامی پر صحیح پیشین گوئی	انشاء کے لحاظ سے جو مرتبہ	کیا گیا ہے	کی فارسی غزل گوئی پر تبصرہ	پابندی کا معنی رکھتے
کر سکتا ہے :-	ان افسانوں کا ہے وہ صرف	قیمت	ادبیات اور اصدا	ایک روپیہ

دعا بلا تھی شب غم سکونِ جاں کے لئے

سخن بہانہ ہو
خلاف وعدہ فردا کی ہمکتا کیساں

نگار کے خاص نمبر

جنوری ۱۹۲۷ء

فروری مارچ

جنوری ۱۹۲۷ء

سید

اس سالنامہ کا نام ماجد ولین نمبر ہے جس میں ایک ہیشیل فریسی
ادیب کی ایک ہکار ٹریجڈی کو اردو میں منتقل کیا گیا جو ادب
اور جذبات نگاری کے لحاظ سے نادر اپنا نظیر نہیں رکھتا
قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول

۱۹۲۷ء
جو فن انتقاد بر ملک کے بہترین اہل قلم
اور ارباب فکر کے مضامین پر مشتمل ہے
قیمت دو روپیہ علاوہ محصول

اس نمبر میں ریاض خیر آبادی مرحوم کے
کلام بر ملک کے متعدد مشاہیر نے نقد و تبصرہ
کر کے بتایا ہے کہ ریاض کی شاعری کیا تھی
قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول

جنوری، فروری ۱۹۲۷ء

جنوری فروری ۱۹۲۷ء

مزا

نگار کا افسانہ نمبر ہے جس میں تقریباً تیس افسانے بہترین اہل قلم کے شائع
کئے گئے ہیں اس سالنامہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مطالعہ سے
ہر آسانی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ افسانہ نگاری کے کتنے اسکول ہیں اور
ہر اسکول کا معیاری فسانہ کیسا ہونا چاہئے قیمت دو روپیہ علاوہ محصول

پاکستان نمبر نگار کا جو بی نمبر جس میں دنیا کے سامنے اسلام کی عظمت رفته
اور تمدن اسلام کے بلند حقائق کو پیش کیا گیا ہے تاکہ مسلمان اپنے مستقبل کی تعمیر
کے وقت اسلام کے دور زرین کو نہ بھول جائے جن پر مسلم حکومت کی ترقی کی
بنیاد قائم ہوئی تھی۔ قیمت تین روپیہ علاوہ محصول

جنوری ۱۹۵۱ء

جنوری فروری ۱۹۵۱ء

اس سالنامے کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں مارس ہنڈس کی مشہور عالم کتاب
"ایک مستقبل کی تلاش" کا ترجمہ واقعباس ہے جس میں اس نے ایران، مصر،
عراق، فلسطین وغیرہ ممالک اسلامی کی سیاحت کے بعد وہاں کی موجودہ اقتصادی
زبوں حالی اور ان کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی
بتایا ہے کہ ان کا مستقبل کتنا روشن ہے اگر وہ ترقی کے صحیح راستہ کو جان لیں۔
سالنامہ کا دوسرا حصہ ڈیڑھ نگار کے قلم کا ہے جس میں پہلی جنگ کے بعد مسلم
حکومتوں کے انقلاب کی تاریخ اور اس کے اسباب کو ظاہر کیا گیا جو قیمت دو روپیہ

نگار کی ۲۸ سالہ ادبی و تنقیدی خدمات کا پچوڑ جس میں ۱۹۲۲ء
سے لے کر ۱۹۴۹ء تک کے تمام تنقیدی رجحانات و انتقادی نوؤں
کو واضح کیا گیا ہے اس میں بعض ایسے اکابر شعرا کا تذکرہ و انتخاب
کلام بھی شامل ہے جن کے حالات عام طور پر معلوم نہیں ہیں اور
جن کا کلام نایاب ہے۔ اس میں جدید تنقیدی میلانات اور
ترقی پسند نقادوں کے مقالات بھی شامل ہیں
قیمت تین روپیہ علاوہ محصول

سالنامہ ۱۹۲۸ء

جولائی ۱۹۵۱ء

مومن نمبر

جو ختم ہو چکا تھا اور جس کی مانگ بہت زیادہ
تھی دوبارہ شائع کیا گیا ہے مومن کے مطالعہ
کے لئے اس کا پڑھنا از بس ضروری ہے۔
قیمت دو روپیہ علاوہ محصول

ایک مستقل کتاب ہے جس کا نام ہے ۵۵ سال کے بعد یہ کتاب نفیاتِ عملی
پر آنا مفید و دلچسپ لڑ بچے کہ آپ اس کو ایک بار ہاتھ میں لینے کے بعد اس وقت
تک چھوڑ ہی نہیں سکتے جب تک ختم نہ کر لیں۔ یہ کتاب آپ کو بتائے گی
وہ آئے یہ چھوڑ ہی نہیں سکتے جب تک ختم نہ کر لیں۔ یہ کتاب آپ کو بتائے گی
زندہ رہنا بھی ایک فن ہے
نہ بروننگانہ بروننگانہ کہ میں ہوں
۵۵ سال کا ہرنج دالم آپ کیلئے بے سنی ہو جائے گا
کامیاب باگل بدل جائیگا